تهذيب النحو

شرح اردو

هداية النحو

تالیف

مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی
مؤسس و رئیس مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر
ضلع سہارنپور یوپی، انڈیا

ناشر
مرکز العلم والتربیۃ مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر ضلع سہارنپور (یوپی)

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

تفصیلات

نام کتاب: تہذیب النحو

شرح اردو ہدایت النحو

مصنف: مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی

مؤسس ورئیس مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر، سہارنپور یوپی، انڈیا

صفحات: ۴۴۱

سن طباعت: ۱۴۳۷ھ مطابق جنوری ۲۰۱۶ء

کمپوٹر کتابت: رحمت گرافکس محلّہ نیا بانس چوک، سہارنپور 9412849521

قیمت: ۵۰۰ روپے

ناشر: مرکز العلم والتربیۃ مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا

موبائل نمبر: 09627295799

☆☆☆☆

فہرست مضامین

موضوع	صفحات
مقدمہ	۷
تقریظ حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی	
استاذ حدیث ونائب مہتمم دار العلوم دیوبند	۱۰
تقریظ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ	
محدث دار العلوم دیوبند	۱۱
تقریظ حضرت مولانا سلیم احمد صاحب قاسمی	
رئیس فیض الرشید، اوماہی کوٹہ	۱۲
صاحب ہدایۃ النحو کے مختصر حالات زندگی	۱۴
ابتدائیہ	۱۶
بسم اللہ کے متعلق بحث اول	۱۸
بسم اللہ کے متعلق بحث دوم	۱۸
بسم اللہ کے متعلق بحث سوم	۱۹
بسم اللہ کے متعلق بحث چہارم	۱۹
بسم اللہ کے متعلق بحث پنجم	۲۰
حمد کی تعریف	۲۱
لفظ اللہ کی تعریف	۲۱
لفظ صلوۃ کے معانی	۲۳
امابعد کی تحقیق	۲۴
ہدایۃ النحو کی وجہ تسمیہ	۲۸
لفظ مقدمہ کی تحقیق	۲۹
علم نحو کی تعریف	۳۰
علم نحو کی غرض	۳۱
علم نحو کا موضوع	۳۳
کلمہ کی تعریف	۳۳
الف ولام کی چار قسمیں	۳۴
لفظ کے لغوی و اصطلاحی معنی	۳۵
وضع کی تعریف	۳۶
معنی کے معنی	۳۶
لفظ مفرد پر اعراب ثلثہ کی وجہ	۳۷
کلمہ کی تین قسمیں ہیں	۳۸
کلمہ کے تین قسموں میں منحصر ہونے کی وجہ	۳۹
اسم کی تعریف	۴۰
علاماتِ اسم	۴۱
اسم کی وجہ تسمیہ	۴۵
فعل کی تعریف	۴۶
علاماتِ فعل	۴۶
فعل کی وجہِ تسمیہ	۴۸
حرف کی تعریف	۴۹
علاماتِ حرف	۵۰
حرف کی وجہ تسمیہ	۵۱
کلام کی تعریف	۵۲

اسناد کی تعریف	۵۳	افعال ناقصہ کے اسم کا بیان	۱۳۱
کلام صرف دو ترکیبوں سے مرکب ہوتا ہے	۵۴	ماولا المشبہتین بلیس کے اسم کا بیان	۱۳۴
اسم معرب کی تعریف	۵۸	لائے نفی جنس کی خبر کا بیان	۱۳۴
اسم معرب کا حکم	۶۰	المقصد الثانی فی المنصوبات	۱۳۶
اعراب کی تعریف	۶۲	اسماء منصوبہ ۱۲ ہیں	۱۳۶
اعراب کی تین قسمیں ہیں	۶۲	مفعول مطلق کا بیان	۱۳۷
عامل کی تعریف	۶۳	تحذیر کے معنی	۱۴۲
وجوہِ اعراب کے اعتبار سے اسم کی نو قسمیں ہیں	۶۴	ما اضمر عاملہ علیٰ شریطۃ التفسیر کی تعریف	۱۴۴
اسم معرب کی دو قسمیں ہیں منصرف وغیر منصرف	۷۵	منادی کی تعریف	۱۴۷
منصرف کی تعریف اور اس کا حکم	۷۵	حروف نداء کی تعریف	۱۴۷
غیر منصرف کی تعریف	۷۶	حروف نداء پانچ ہیں	۱۴۸
اسبابِ منع صرف نو ہیں	۷۶	منادیٰ کے اقسام واحکام	۱۴۹
غیر منصرف کا حکم	۷۷	منادی مرخم کی تعریف	۱۵۲
عدل کی تعریف	۷۸	مندوب کی تعریف	۱۵۳
وصف کی تعریف	۸۱	مفعول فیہ کا بیان	۱۵۴
عجمہ کے لغوی واصطلاحی معنی	۸۵	مفعول لہ کا بیان	۱۵۷
غیر منصرف کو منصرف بنانے کا طریقہ	۹۴	مفعول معہ کا بیان	۱۵۸
المقصد الاول فی المرفوعات	۹۷	حال کا بیان	۱۶۱
اسماء مرفوعہ آٹھ ہیں	۹۷	تمیز کا بیان	۱۶۶
فاعل کی تعریف	۹۸	مستثنیٰ کا بیان	۱۷۰
تنازع فعلان کا بیان	۱۰۴	افعال ناقصہ کی خبر کا بیان	۱۷۶
مفعول مالم یسم فاعلہ کا بیان	۱۱۵	حروف مشبہ بالفعل کے اسم کا بیان	۱۷۷
مبتداء وخبر کا بیان	۱۱۷	لائے نفی جنس کا اسم منصوب کا بیان	۱۷۷
حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا بیان	۱۲۹	ماولا المشبہتین بلیس کی خبر کا بیان	۱۸۱

المقصد الثالث فی المجرورات	۱۸۴
اسم مجرور کی تعریف	۱۸۴
اضافت کی دو قسمیں ہیں، لفظی اور معنوی	۱۸۶
اضافت معنوی کا فائدہ تعریف یا تخصیص ہے	۱۸۷
اضافت لفظی کا فائدہ صرف لفظوں میں تخفیف ہے	۱۸۸
تابع کا بیان	۱۹۱
نعت کی تعریف	۱۹۳
نعت کی دو قسمیں ہیں	۱۹۳
نعت کی قسمِ اول متبوع کے دس چیزوں میں مطابق ہوتی ہے	۱۹۳
نعت کی قسم ثانی اپنے متبوع کے پانچ چیزوں میں مطابق ہوتی ہے	۱۹۴
نعت کے بہت سے فوائد ہیں	۱۹۴
عطف بالحروف کا بیان	۱۹۷
تاکید کا بیان	۲۰۱
بدل کا بیان	۲۰۶
عطف بیان کی تعریف	۲۰۹
الباب الثانی فی الاسم المبنی	۲۱۲
اسم مبنی کی تعریف	۲۱۲
اسم مبنی کا حکم	۲۱۴
ضمیر کا بیان	۲۱۵
اسماء اشارہ کا بیان	۲۲۲
اسماء موصولہ کا بیان	۲۲۶
أیٌ و أیة کے معرب ومبنی ہونے کی تفصیل	۲۳۲
صدر صلہ کے معنی	۲۳۳
اسماء افعال کا بیان	۲۳۳
اسماء اصوات کا بیان	۲۳۶
مرکب منع صرف کا بیان	۲۳۷
کنایات کا بیان	۲۳۹
ظروف مبنی	۲۴۴
خاتمہ اسم کے باقی احکام اور اس کے لواحق کے بیان میں	۲۵۵
معرفۃ اور نکرہ کا بیان	۲۵۶
اسماء عدد کا بیان	۲۶۰
تذکیر وتانیث کا بیان	۲۶۸
تثنیہ کا بیان	۲۷۱
جمع کا بیان	۲۷۵
مصدر کا بیان	۲۸۳
اسم فاعل کا بیان	۲۸۷
اسم مفعول کا بیان	۲۹۱
صفت مشبہ کا بیان	۲۹۳
اسم تفضیل کا بیان	۲۹۸
کلمہ کی قسمِ ثانی فعل کے بیان میں ہے	۳۰۷
فعل کی تین قسمیں ہیں ماضی، مضارع، امر	۳۰۷
فعل ماضی کی تعریف	۳۰۷
مضارع کی تعریف	۳۰۹

اعرابِ فعل کی چار قسمیں ہیں	۳۱۲
مضارع منصوب کا بیان	۳۱۷
أن سات مواضع میں مقدر ہوکر مضارع کو	
نصب دیتا ہے	۳۱۹
مضارع مجزوم کا بیان	۳۲۳
اِن شرطیہ پانچ چیزوں کے بعد مقدر ہوکر	
مضارع کو جزم دیتا ہے	۳۳۰
فعل کی تیسری قسم امر ہے	۳۳۳
فعل مالم یسم فاعلہ کا بیان	۳۳۵
فعل متعدی وفعل لازم کا بیان	۳۴۰
افعال قلوب کا بیان	۳۴۳
افعال ناقصہ کا بیان	۳۴۷
افعال مقاربہ کا بیان	۳۴۷
فعل تعجب کا بیان	۳۵۶
افعال مدح وذم کا بیان	۳۵۹
القسم الثالث فی الحروف	۳۶۲
حروف جر کا بیان	۳۶۳
حروف مشبہ بالفعل کا بیان	۳۸۳
حروف عاطفہ کا بیان	۳۹۵
حروف تنبیہ کا بیان	۴۰۳
حروف نداء کا بیان	۴۰۵
حروف ایجاب کا بیان	۴۰۵
حروف زیادۃ کا بیان	۴۰۷
حروف تفسیر کا بیان	۴۱۰
حروف مصدر کا بیان	۴۱۲
حروف تحضیض کا بیان	۴۱۳
حرف توقع کا بیان	۴۱۶
حروف استفہام کا بیان	۴۱۹
حروف شرط کا بیان	۴۲۱
حرف ردع کا بیان	۴۸۲
تاء تانیث ساکنہ کا بیان	۴۲۹
تنوین کا بیان	۴۳۲
نونِ تاکید کا بیان	۴۳۶

☆☆☆☆

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو چیزیں دین محمدی اور شریعت اسلامی کی اصل الاصول ہیں (۱) کتاب الٰہی (۲) حدیث نبوی، فقہ اسلامی انہیں سے ماخوذ و مستنبط ہے، قرآن وحدیث کے ساتھ فقہ اسلامی کے بڑے ذخائر واہم مراجع اور نبیادی کتابیں عربی زبان میں ہیں، انہیں کے اندر فہم وفراست پیدا کرنا اور انہیں علوم میں درک ومہارت حاصل کرنا مدارس اسلامیہ کا اصل مقصد اور نصب العین ہے، انہیں کو علوم اصلیہ حقیقیہ یا علوم عالیہ نقلیہ کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ تمام علوم کو فرعیہ وعقلیہ اور آلیہ وغیر اصلیہ کہا جاتا ہے جیسے نحو وصرف، منطق وفلسفہ، بلاغت ومعانی، عروض وبدیع، رمل اور نجوم وغیرہ۔ ان تمام کا مقصود اولین درجہ میں قرآن فہمی وحدیث فہمی اور ثانوی درجہ میں فقہ فہمی ہے .... یہ بھی یقینیات ومسلمات میں سے ہے کہ ان علوم آلیہ فرعیہ کے بغیر اصل مقصد تک رسائی ممکن نہیں ہے، انہیں علوم آلیہ میں علم نحو بھی ہے، جس کے بارے میں مثل مشہور ہے کہ **النحو فی الکلام کالملح فی الطعام** کہ کلام وگفتگو اور زبان وبیان میں علم نحو کو وہی حیثیت حاصل ہے جو کھانے میں نمک کو، نمک کے بغیر کھانے کا تلذذ وتلطف اور ذائقہ ومزہ ہی ختم ہو کر رہ جاتا ہے، چونکہ نحو کے احکام ومسائل کی معلومات وجانکاری کے بغیر عربی عبارات کا صحیح تلفظ ممکن نہیں، اس لیے ہمارے مدارس کے نصاب ونظام میں اس کی متعدد ومختلف کتابیں درس میں شامل وداخل ہیں، انہیں میں سے درجات ابتدائیہ میں مبتدی طلبہ کے لیے ایک معتبر ومتداول اور نحو کے اہم وضروری مسائل پر مشتمل کتاب ہدایۃ النحو بھی ہے، جس کی تسہیل وتفہیم کے لیے مختلف شروحات منظر عام پر آچکی ہیں، جو اپنی اپنی جگہ مفید وسود مند ہیں............ دراصل یہ انحطاط وتنزلی کا دور ہے، جد وجہد ومحنت وریاضت کے فقدان اور ذوق وشوق کی کمی نے طلبہ کو انحطاط وپستی کی طرف دھکیل دیا ہے، اور مطالعہ ومحنت سے جی چرانے اور تساہل وتکاسل کے منحوس سایہ نے ان کے خوابیدہ جوہروں کو چمکانے کے بجائے انہیں گرد وغبار کی دبیز تہوں تلے دبا دیا ہے اور ان پر شب خوں مار کر انہیں بے رونق بنا دیا ہے، اور سہولت پسندی وعیش کوشی کے عام رجحان نے ان کے اندر بھی جمود وخمود اور تعطل وتنزل کی ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جس سے خلاصی ورستگاری کا کوئی یارا نظر نہیں آتا، خارا شگافی کے بجائے شیشہ بازی ان کا مقدر بن گئی، اور جوئے شیر لانے کے لیے کوہ کنی کے بجائے تعیش وتنعم اور عیش وسرمستی ان کی ترقی وپیش قدمی اور

کامیابی وفائز المرامی میں سنگ گراں کی طرح حائل ہوگئی۔

یہی وجہ ہے کہ پہلے جیسی استعداد ولیاقت اور صلاحیت وقابلیت کے افراد عنقاء ہوتے جارہے ہیں، اور معاشرہ میں وہ خال خال ہی نظر آتے ہیں............... چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس لے کر علم کے لیے جو سرگرمی وتازہ دمی تھے اس کے تمام ہنگامے وولولے اب خاموش نظر آتے ہیں، اور علم وحکمت کو اپنی متاع گم گشتہ اور اللہ کا عظیم عطیہ و نعمت غیر مترقبہ سمجھنے والی قوم جس کے نبی نے علم کی عظمت وفضیلت کے بارے میں اتنا کچھ فرمایا کہ اسے اگر یکجا کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہوجائے، اور علم وحکمت کو اس کی پونجی قرار دیتے ہوئے فرمایا: **الحکمة ضالة المؤمن حیث وجدها فهو احق بها** کہ علم وحکمت مومن کی قیمتی پونجی اور متاع گم گشتہ ہے وہ اسے جہاں بھی پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے، مگر افسوس کہ اسی سے ہی اب اعراض وکنارہ کشی اختیار کی جارہی ہے، اور تعلیمی معیار وگراف اس قوم کا اتنا گر چکا ہے جس کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی جو طلبہ مدارس میں آتے ہیں ان کے اندر بھی ذوق وشوق توجہ و لگن اور علمی اشتغال وانہماک کی بے حد کمی محسوس کی جاتی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ علم کو اس کے لیے سہل سے سہل تر کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں یہ اردو شروحات انہیں کی غماز وعکاس ہیں، خادم نے احیاء العلوم صدیقیہ جو ایک عظیم اور مؤقر علمی ادارہ ہے اور جس کی تعلیم وتربیت پر الحمد للہ بزرگوں، اہم علمی حضرات اور جہاں دیدہ لوگوں کو اعتماد واعتبار ہے اس ادارہ کے قیام سے قبل خادم کو نجیب آباد میں مختلف کتابیں پڑھانے کا شرف حاصل رہا، جن میں ہدایۃ النحو بھی شامل ہے، اسی وقت سے طلبہ کے اندر علمی استعداد ولیاقت پیدا کرنے کی غرض سے اس کے مختلف نوٹس اور تعلیق وتحشیہ کے طور پر کچھ ضروری باتیں لکھ لی جاتی تھیں۔

الحمد للہ ان کا بڑا فائدہ ہوا، اور کتاب کی تسہیل وتفہیم میں وہ مفید وکارگر ثابت ہوئیں، کئی سال کے تجربات اور طلبہ کی نفسیات کو سمجھ کر لکھا گیا تھا، اسے آج کے ماحول میں مفید سمجھ کر بعض دوستوں کی فرمائش سے شائع کرنے کا ارادہ کیا جو ''احیاء النحو'' کے نام سے زکریا بکڈ پو دیوبند سے شائع ہوئی، جو ہاتھوں ہاتھ لی گئی، اور اللہ کے فضل وکرم سے مقبول ہوئی، اور قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی، اس کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے کے بعد پھر جب اس پر نظر ڈالی گئی تو کچھ نئے تقاضے اور ضروری اضافے کا داعیہ وجذبہ پیدا ہوا، ادھر ادارہ کی ذمہ داری اور متشتت امور اور مختلف اشغال کے ہجوم نے کئی سال تک اس کی اجازت نہ دی۔ احیاء النحو میں بہت ساری پروف ریڈنگ کی خامیاں رہ گئی تھیں ان کا ازالہ بھی ضروری تھا اس کے ساتھ مشق وتمرین جس سے کسی بھی فن میں مہارت ودسترس حاصل ہوتی ہے کے پیش نظر ہر سبق کے بعد تمرینات کا بھی اضافہ کیا گیا تاکہ مشق ومزاولت سے مسائل کا خوب استحضار ہوجا

اور مسائل نحویہ پر طلبہ کی گرفت مضبوط ہو جائے۔تمرینات اور مثالوں میں اس کا خاص خیال رکھا گیا کہ قرآن و حدیث سے یا سلف کے اقوال سے یا کسی بھی ماخذ سے ایسی مثالیں دی جائیں جو مثالوں کے ساتھ اسلامی ذہن سازی اور تربیت گری میں مفید و معاون ثابت ہوں اس جدید و مزید اضافہ نے کتاب کو عمدہ قالب اور نیا وجود عطا کر دیا ہے۔اور پڑھنے والا محسوس کرے گا کہ یہ احیاء النحو کے علاوہ کوئی دوسری کتاب ہے،اب بزرگوں کے مشورہ سے یہ ''تہذیب النحو'' کے نام سے شائع کی جارہی ہے،جس کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بامعنی و بامحاورہ سلیس اردو ترجمہ اور دلنشیں تشریح کی گئی ہے۔

(۲) ثقیل و دقیق الفاظ سے گریز کرکے شرح کو آسان و عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳) یہ کتاب من وجہٍ مختصر بھی ہے اس طور پر کہ ترجمہ وتشریح پر اکتفاء کیا جائے اور مطول بھی ہے اس طور پر کہ تشریح کے علاوہ لفظ نوٹ وتذکرہ خصوصی بھی ملاحظہ فرمایا جائے۔

(۴) ہر سبق کے بعد مشق و مزاولت کی غرض سے تمرینات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۵) طلبہ کی نفسیات وصلاحیات کا خیال رکھتے ہوئے نفس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے مثالیں عام فہم و دلنشیں دی گئی ہیں۔

غرض کتاب کو ہر ممکن حل کرنے اور نحوی مسائل کو پوری طرح سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے،انسان بہرحال انسان ہے،خطا و نسیان اور نفع و نقصان کا عنصر جس کی سرشت میں داخل ہے پھر ہمہ دانی و ہمہ بینی کا دعویٰ کون کر سکتا ہے،ارباب فکر و فن سے درخواست ہے کہ خامیوں کی طرف متانت و سنجیدگی سے متوجہ فرما کر احسان اور علمی تعاون کا مظاہرہ فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے.................جن احباب نے اس میں کسی بھی طرح کا تعاون فرمایا ہے خادم ان کا مشکور و ممنون ہے.................آخر میں یہ عرض ہے کہ یہ کتاب رضاء الٰہی اور قرآن وسنت کی خدمت کی غرض سے لکھی گئی تا کہ یہ قرآن فہمی و حدیث فہمی کا ذریعہ بنے،اللہ اسے قبولیت تامہ عطا فرما کر طالبان علوم نبوت کے لیے نافع و سودمند اور اس ناکارہ کے لیے ذخیرۂ آخرت و ذریعۂ مغفرت بنائے،آمین۔

محمد طاہر قاسمی
مہتمم مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر،سہارنپور

قلبی تأثرات

قلم علم وفضل فکروفن کی ہمہ جہتی تصویر

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدظلہ سنبھلی استاذ دارالعلوم دیوبند

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم اما بعد!

کتاب ''ہدایۃ النحو'' فن نحو کی بنیادی کتاب ہے جس کی اہمیت وافادیت کسی صاحب علم پر پوشیدہ نہیں ہے، بعض اہل علم نے اپنے اپنے طور پر اس کتاب کی تشریح کی ہے، جناب مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی مؤسس وناظم مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ پٹلوکر ضلع سہارنپور نے بھی اپنے تدریسی تجربات کی روشنی میں چند سال قبل ''احیاء النحو شرح اردو ہدایۃ النحو'' کے نام سے اس کی شرح لکھی، جس میں عبارت کتاب کو صاف ستھرے اور سلجھے ہوئے انداز میں مرتب کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ مؤلف کی تالیف کردہ یہ شرح نہایت مفید اور نافع ثابت ہوئی، طلبہ و اساتذہ سبھی نے قدر کی نگاہ سے دیکھا، اب مولانا محمد طاہر صاحب نے ہدایۃ النحو کو سہل تر بنانے اور طلبہ کی استعداد میں مزید جلا پیدا کرنے کے لیے اس کی شرح میں ہر فصل کے ختم پر قواعد کی مشق کے لیے تمرینات کا اضافہ کیا ہے، جو انشاء اللہ استعداد سازی میں از حد مؤثر ثابت ہوگا۔ اس شرح کا نام موصوف نے ''تہذیب النحو'' رکھا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے افادے کو عام وتام فرمائے، اس کے ساتھ ساتھ شارح کی عربی تالیف ''سیرۃ النبی الامینؐ'' کو بھی شرف قبولیت سے نوازے اور مزید علمی خدمات کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین۔

خیر خواہ عبدالخالق سنبھلی

۱۴۲۴/۶/۲۵ھ

کلمات تبریک

از بحر العلوم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہ

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

جناب مولانا محمد طاہر صاحب قاسمی نے عرصہ قبل احیاء النحو شرح ہدایۃ النحو لکھی تھی جو طبع ہو کر طلبہ میں اس کا ایڈیشن بھی ختم ہو گیا جس سے معلوم ہوا کہ کتاب بے حد مفید و نافع ہے اور طلبہ نے اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا، اب موصوف نے طلبہ کے اندر مزید استعداد پیدا کرنے کے لیے ہر فصل کے اخیر میں قواعد کو ذہن نشین کرانے کے لیے تمرین کا اضافہ کر دیا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب اور اسی طرح ان کی کتاب سیرۃ النبی الامین جو عربی زبان میں سوال و جواب کے انداز پر ہے، جس میں سیرت کے عنوان پر اچھی خاصی معلومات فراہم کر دی ہیں، ان دونوں کو نافع ومفید بنا کر شرف قبولیت عطا فرمائے، اور موصوف کو مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

نعمت اللہ غفرلہ

خادم دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

علم وقلم کے شہنشاہ اور مایۂ ناز ادیب حضرت مولانا سلیم احمد صاحب قاسمی

رئیس فیض الرشید اوماہی کوٹہ - ومؤسس، مرکز معارف الصفہ کوٹہ، سہارنپور

ہمارے محترم ومکرم دوست گرامی قدر عالی مرتبت جناب مولانا محمد طاہر صاحب مؤسس ومہتمم احیاء العلوم صدیقیہ اصحاب علم وقلم اور ارباب فراست وفہم لوگوں میں سے ہیں، مبدأ فیاض سے آپ کو علم وفضل کردار وعمل اور دانش وبینش کا حظ وافر عطا ہوا ہے، زبان وبیان کے آپ شہسوار اردو وعربی دونوں زبانوں اور ان کی نزاکتوں سے آپ خوب واقف اور ان کی اصطلاحات ومصطلحات سے پوری طرح سے آشنا ہیں، ابھی ماضی قریب میں آپ کے علم ریز قلم اور خامۂ عنبر شامہ سے سیرت نبوی پر عربی زبان میں ایک گراں قدر کتاب نے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوکر علمی حلقہ میں شیوع ومقبولیت حاصل کی ہے اور علمی وادبی دنیا میں اپنا لوہا منوایا ہے، آپ دراک اختر ذہن کے حامل ہیں، سیرت نبوی پر پہلی مرتبہ اس انداز کا کام عربی زبان میں ہوا ہے، موصوف کا یہ کارنامہ لائق شکر وسپاس اور قابل تحسین وتوصیف ہے، اللہ نظر بد سے بچا کر مزید علمی کام کرنے کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے .... آپ کو قلم وقرطاس سے وابستگی وہم آہنگی کے ساتھ درس وتدریس کا بھی عمدہ وستھرا ذوق ہے کتاب کی تسہیل وتفہیم اور کتاب میں بیان کردہ مسائل پر اخذ وگرفت کا خوب خوب ملکہ ہے، آپ نے اس ادارہ جس کے آپ بانی ومہتمم ہیں اور جس کا نظام تعلیم وتربیت بڑا اچھوتا والبیلا اور انتہائی درجہ مضبوط ہے، تعلیم کا معیار بہت اونچا اور قابل رشک ہے، عالمی مقابلوں میں آپ کے یہاں کے طلبہ نے امتیاز اور پوزیشن حاصل کی ہے، علمائے کرام اور رجال کار سے آپ نے ہمیشہ تحسین وآفرین کا خراج حاصل کیا ہے، جو آپ کی اور آپ کے کام کی مقبولیت کی بین وواضح دلیل ہے۔ یہاں آپ سے متعلق بھی کچھ کتابیں ہیں، انہیں میں سے ہدایت النحو پر بھی آپ نے گوہر افشانیاں کی ہیں، طلبہ کی نفسیات اور وقت کی ضروریات وتقاضوں کو سمجھ کر آپ طلبہ کو اپنے علمی جواہر پاروں اور بے بہا تحقیقی موتیوں سے مستفیض کرتے رہے

ہیں، درس کو کامیاب و معنی خیز بنانے کے لیے کچھ ضروری نوٹس بھی آپ لکھتے اور لکھواتے رہتے ہیں .... آپ کی یہ کتاب تہذیب النحو شرح اردو ہدایت النحو اسی کا عکس جمیل ہے، جو دیگر تمام شروحات کے بالمقابل اپنی بعض خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے ایک نادر تحفہ اور طلبہ کی خدمت میں اہم علمی عطیہ ہے..................... امید ہے کہ علمی حلقوں میں اسے بھی ''سیرۃ النبی الامین'' کی طرح قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ دعا ہے اللہ اسے نافع بنائے اور موصوف کو علمی و دینی خدمت کی توفیق مزید نصیب فرمائے، آمین۔

سلیم احمد قاسمی

خادم فیض الرشید اوماہی

ومؤسس: مرکز معارف الصفہ کوٹہ سہارنپور

۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

صاحب ہدایۃ النحو کے مختصر حالات زندگی

بحوالہ ظفر المحصلین باحوال المصنفین

آپ کو شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

ابتدائی حالات: شیخ سراج الدین بالکل نوعمری میں حضرت نظام الدین محمد بدایونی کی خانقاہ سے وابستہ ہوگئے تھے، علوم ظاہری سے اب تک قطعاً نابلد تھے تاہم علوم کی تحصیل کا جذبہ موجود تھا، کیونکہ میر خورد نے لکھا ہے کہ جب یہ دہلی پہنچے تو کاغذ اور کتاب کے علاوہ کوئی دوسرا سامان ان کے پاس نہ تھا، تو اس سے معلوم ہوا کہ شوق و ذوق علم کے حاصل کرنے کا موجود تھا، لیکن خانقاہ میں پہنچ کر واردین و صادرین کی خدمت میں ایسے مشغول ہوئے کہ لکھنے پڑھنے کا موقع نہ مل سکا۔

میر خورد لکھتے ہیں کہ جس وقت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں حضرت سلطان المشائخ نے اپنے نمائندوں کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو بنگال کی طرف قدرتاً انہی کی طرف خیال گیا چونکہ آپ اسی علاقہ سے تعلق رکھتے تھے، لیکن جب شیخ نے اس طرف توجہ فرمائی کہ موصوف علوم ظاہری سے بالکل ناآشنا ہیں، تو فرمایا کہ سب سے پہلے تبلیغ کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے، نیز فرمایا کہ جاہل شخص شیطان کا کھلونا ہوتا ہے کہ شیطان جس طرح چاہتا ہے اس سے کھیلتا ہے حسن اتفاق یہ کہ اس وقت مجلس میں مولانا فخر الدین زرادی بھی شریک تھے، انہوں نے عرض کیا کہ در شش ماہ اورا دانشمند میکنم یعنی کہ میں ان کو چھ ماہ میں عالم بنادوں گا۔

چنانچہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی نے غیاث پور میں شیخ سراج کی تعلیم شروع کی آپ کو جو کتابیں پڑھائی گئیں ان میں میر خورد بھی شریک تھے۔

مولانا فخر الدین صاحب کا جو وعدہ ششماہ میں عالم بنادینے کا تھا تو اسی مناسبت سے مولانا فخر الدین صاحب نے ان کے واسطے مختصر و مفصل تصریف کی ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام عثمانی رکھا۔

تعلیمِ نحو وفقہ: صرف کی تعلیم کے بعد شیخ سراج الدین عثمانی اودھی نے شیخ رکن الدین اندر پتی سے نحو وفقہ کے اندر کافیہ، مفصل، قدوری، مجمع البحرین پڑھیں۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے کہ آپ چھ ماہ کی مدت میں اس رتبہ پر پہنچ گئے تھے کہ کسی دانشمند کو آپ کے ساتھ بحث ومباحثہ کی مجال نہ تھی۔

عطاء خرقۂ خلافت: جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا کہ ابتداء میں آپ علم ظاہری سے بے بہرہ تھے اسی وجہ سے شیخ فرید شکر گنج نے عطاء خرقۂ خلافت حصولِ علم ظاہری پر موقوف رکھا، آپ شش ماہ میں علم ظاہری کی تحصیل وتحقیق کر کے مرتبۂ تکمیل کو پہنچے، ہنوز علم ظاہری سے فراغت نہ پائی تھی کہ حضرت شیخ فرید شکر گنج کی وفات ہوگئی، وقت انتقال سلطان المشائخ سے ارشاد عطاء خرقۂ خلافت فرما گئے، بعد اکتساب علم ظاہری بروایت اخبار الاخیار تین برس کامل سلطان المشائخ سے تعلیم پائی، اور بحصول خرقہ خلافت واجازت بمقام گور مشہور بہ لکھنوتی تشریف لائے اور شاہ علاء الحق پنڈوری وزیر بادشاہ بنگال اپنا مرید وخلیفہ اور جانشین مقرر فرمایا۔

اخی سراج اور خدمتِ دین: آج بنگال کے تین کروڑ سے زائد مسلمانوں پر مسلمانوں کو ناز ہے کہ اتنی کثیر آبادی کسی خالص اسلامی واحد ملک کی بھی نہیں ہے لیکن جس شیخ سراج نے بنگال میں قدم رکھا تھا تو لوگوں کو کیا معلوم کہ اس کی پالکی کو کندھا دینے والے کون لوگ تھے، ایک لڑکا۔

وفات: آپ نے ۷۵۸ھ میں وفات پائی تاریخِ وفات اس قطعہ سے ظاہر ہے:

چوں سراج الدین شد از دنیائے دوں	سال وصل آں شہ والا مکاں
عارف امجد سراج الدین بگو	سالک محرم سراج الدین بخواں

تصانیف: آپ کی تصانیف میں میزان الصرف، پنج گنج اور ہدایۃ النحو بتائی جاتی ہیں، مشہور یہی ہے۔ بقول تعداد العلوم۔

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی بھی فن کو شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے:

(۱) اس علم کی لغوی واصطلاحی تعریف۔

(۲) اس کی غرض وغایت۔

(۳) موضوع۔

(۴) تدوین۔

(۵) مصنف کے حالاتِ زندگی۔

تعریف کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ طلب مجہولِ مطلق لازم نہ آئے، اور غرض وغایت کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ طلبِ عبث لازم نہ آئے، اور موضوع کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ اس فن کے مسائل کو دوسرے فن کے مسائل سے ممتاز کیا جاسکے۔

اور تدوین کی معرفت اس لیے ضروری ہے تا کہ مدون کا علم ہو جائے اور فن کی تاریخی حیثیت معلوم ہو جائے اور مصنف کے حالات کا اس لیے جاننا ضروری ہے تا کہ اس کے رتبہ اور مقام سے واقف ہو کر اس کی تصنیف کا اندازہ لگایا جا سکے، کیونکہ جس درجہ کا متکلم ہوتا ہے اس کا کلام بھی اسی درجہ کا شمار ہوتا ہے، چنانچہ مشہور بھی یہی ہے کہ ”کلام الملوک ملوک الکلام“ کہ بادشاہوں کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ انسان کا کلام اس کے باطن کا ترجمان ہوتا ہے۔

تعریف کی تعریف: تعریف کہتے ہیں ”ما یبیّن به حقیقة الشيء“ کو، یعنی تعریف وہ شئ ہے جس کے ذریعہ سے کسی شئ کی حقیقت معلوم ہو۔

موضوع کی تعریف: ما یبحث فیه عن عوارضه الذاتیة، یعنی موضوع علم کا وہ شئ کہلاتی

ہے کہ جس کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کی جائے۔

غرض کی تعریف: ما یصدر الفعل عن الفاعل المختار لأجله ،یعنی غرض وہ ہے کہ جس کی وجہ سے فاعلِ مختار سے فعل صادر ہو،اور غایت وہ نتیجہ ہے جواس پر مرتب ہو۔

تعریف تدوین: منتشر اور بکھرے ہوئے اجزاء کو ترتیب دینے کا نام تدوین ہے۔

نحو کی لغوی تعریف: لغوی بہت سے معانی آتے ہیں(۱) ارادہ جیسے نحوت ہذا نحواً میں نے یہ ارادہ کیا(۲) پھیرنا جیسے نحوت بصری الیہ، میں نے اپنی نگاہ اس کی طرف پھیر لی وغیرہ وغیرہ۔

اصطلاحی تعریف: علم نحو وہ علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے تینوں کلموں کی آخری حالت بحیثیت معرب ومبنی ہونے کے معلوم ہو جائے اور بعض کلموں کو بعض کے ساتھ مرکب کرنے کی کیفیت معلوم ہو جائے۔

علم نحو کا موضوع: کلمہ اور کلام ہے کیونکہ انہی کے احوال سے علم نحو کے اندر بحث کی جاتی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ من حیث الاعراب والبناء کی قید کے ساتھ۔

علم نحو کی غرض: ذہن کو کلامِ عرب میں غلطی سے بچانا۔

تدوینِ نحو: اس فن کے مدوّنِ اول حضرت علیؓ ہیں، کیونکہ ابوالاسود دوئلی کو جو کبار تابعین میں سے ہیں، آپ ہی نے توجہ دلائی، اور رہنمائی فرمائی، چنانچہ بقول صاحب درایۃ النحو حضرت ابوالاسود سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک صاحب کو: اِنَّ اللہَ بَرِیْءٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلِه ،بکسر اللام پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا کہ یہ تو کفر ہے، پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: نَحَوْتُ اَنْ اصنع میزاناً للعرب لیقوموا به لِسَانَهُم یعنی کہ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ عرب کے لیے ایک ضابطہ بناؤں، جس کے ذریعہ وہ اپنی زبان درست کریں، اور غلطیوں سے بچیں۔ حضرت علیؓ نے جواباً فرمایا: اُقْصُدْ نَحْوَہ، اس کی طرف توجہ کر، تو چونکہ ابتداء میں اس علم کی طرف حضرت علیؓ نے توجہ دلائی تھی اس لیے علیؓ ہی اس علم کے مدوّنِ اوّل قرار پائیں گے۔ اور چونکہ حضرت علیؓ نے اقصد نحوہ فرمایا اس لیے اس علم کا نام نحو پڑ گیا۔

☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والعاقبة للمتقين والصلوة على رسوله محمد وآله واصحابه اجمعين امّا بعد!

بسم الله الرحمن الرحيم

مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ہدایۃ النحو کو بسم اللہ سے شروع فرمایا (تیمُّنا بسم الله تعالیٰ) اللہ کے نام سے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے، وجہِ دوم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اتباع کرنے کی وجہ سے، حدیث یہ ہے۔

کل امر ذیبال لا بُبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم فهو أقطع، یعنی ہر وہ مہتم بالشان کام جو اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص رہتا ہے۔ وجہ سوم بسم اللہ سے شروع کر کے سلفِ صالحین رحمہم اللہ کا اتباع اور اقتداء بھی مقصود ہے چونکہ سلف اور خلف نے اپنی کتابوں کا آغاز بسم اللہ سے ہی کیا ہے۔

بسم اللہ کے متعلق بحثِ دوم

سوال: لفظ با اور لفظ اللہ کے درمیان اسم کو کیوں زیادہ کیا اللہ کی ذات سے برکت کیوں حاصل نہ کی گئی اللہ کے اسم (نام) سے کیوں حاصل کی گئی۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ لفظ اسم بڑھا کر بہت سی باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اول یہ کہ با کی دو قسمیں ہیں (۱) یمینیہ (۲) تیمنیہ، یمینیہ کا مطلب یہ ہے کہ با کے مدخول (جس پر با داخل ہو رہا ہے) سے قسم کھائی جائے جیسے باللہ لاَ فْعَلَّنَ كذَا، یہاں باء قسم کے لیے ہے کہ اللہ کی قسم میں ایسا ضرور کروں گا۔ تیمنیہ کا مطلب یہ ہے کہ باء کے مدخول سے برکت طلب کی جاوے اس لیے خلاصۂ کلام یہ ہوگا کہ اگر لفظِ اسم کو زیادہ نہ کیا جاتا تو باللہ ہو جاتا، جس میں دونوں احتمال ہو جاتے کہ آیا با قسم کے لیے ہے یا تیمّن یعنی برکت کے لیے۔ وجہ دوم یا اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ برکت اور مدد جیسے اللہ اسمِ ذات سے حاصل کی جاسکتی ہے، ویسے ہی اس کے اسماء حسنیٰ یعنی صفاتی ناموں سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ وجہ سوم یا اس بات کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اگر باللہ کہا جاتا تو یہ وہم ہوتا کہ اخذِ برکت اور طلبِ مدد اللہ کی ذات مقدس سے ہی ہو سکتی ہے اس کے پاک نام کے ساتھ جائز نہیں، اس وہم کو دفع کرنے کے لیے لفظ اسم کو زائد کیا کہ اس کے پاک نام کے ساتھ بھی برکت حاصل کی جاسکتی ہے۔

بحث سوم ترکیب بسم اللہ کے متعلق

اس میں دو ترکیبیں زیادہ مشہور ہیں ایک اہل بصرہ کی، اور ایک اہل کوفہ کی، اہل بصرہ فرماتے ہیں کہ یہ جملۂ فعلیہ ہے اور اہل کوفہ یہ کہتے ہیں کہ جملۂ اسمیہ ہے۔ باء حرف جار لفظ اسم مضاف اللہ موصوف رحمٰن صفت اول رحیم صفت ثانی موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ ہوا، اسم مضاف کا، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل مجرور ہوا، با حرف جار کا، جار مجرور سے مل کر متعلق ہوا، اور ہر متعلق کے لیے متعلق کا ہونا ضروری ہے، اگر متعلق مذکور ہے تو فبہا، ورنہ مقدر ماننا پڑے گا، لہٰذا بصریین فرماتے ہیں کہ آخر میں فعل اشرع مقدر مانیں گے اب اشرع فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ ہو جائے گا، یہاں یہ بات ضرور یاد رہنی چاہئے کہ جو فعل مقدر مانیں گے وہ مقام اور قرینہ کے لحاظ سے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہر جگہ اشرع ہی مقدر مانتے چلے جاؤ، اگر کوئی شخص کھانا کھانے بیٹھے تو اس کے حساب سے آکل اگر کوئی چیز پی رہا ہے تو اشرب وغیرہ اب رہی یہ بات کہ آپ نے تو فعل آخر میں مقدر مانا شروع میں کیوں نہ مانا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں حصر اور تخصیص پیدا کرنا مقصود ہے اور حصر پیدا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ''**التقدیم ما حقه التاخیر یفید الحصر والتخصیص**'' یعنی جس کا حق مقدم ہونے کا تھا اس کو مؤخر کر دو تو کلام میں حصر ہو جائے گا، یعنی مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں اور یہ حصر پیدا کرنے کی ضرورت بھی اس لیے پیش آئی کہ مشرکین عرب کہتے تھے، ''**بسم اللات والعزی**'' کہ لات اور عزیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں تو ان کی تردید کے لیے حصر کیا کہ صرف اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں نہ کہ لات وغیرہ کسی اور کے نام سے۔ بہر حال اہل بصرہ فعل مقدر مان کر جملہ فعلیہ مانتے ہیں، یہی ترکیب اصل بھی ہے چونکہ فعل عمل میں اصل ہے۔ ترکیب اہل کوفہ بھی ملاحظہ فرمائیں، وہ جار مجرور کو **ثابت حاصل** وغیرہ شبہ فعل کے متعلق مانتے ہیں، ثابت شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر خبر مقدم اب مبتداء کہاں گئی تو وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی مقدر ہے اور وہ ابتدائی ہے اب ابتدائی مبتداء محذوف مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

بحث چهارم: لفظ اللہ کے **رحمن رحیم** پر مقدم کرنے کی وجہ، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ اللہ ذات ہے اور رحمٰن و رحیم صفت اور ظاہر ہے کہ ذات مقدم ہوا کرتی ہے، صفات پر اس وجہ سے اللہ کو مقدم اور رحمٰن و رحیم کو مؤخر کیا۔

پھر یہ بات کہ ہم نے مان لیا کہ اللہ ذات ہے اس لیے مقدم کر دیا، **رحمن** و **رحیم** پر مگر **رحمن** تو ذات نہیں ہے اس کو رحیم پر کیوں مقدم کیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے لفظ اللہ کسی کا نام نہیں رکھ سکتے، بغیر اضافت کئے ایسے ہی رحمٰن بھی اللہ کے ساتھ خاص ہے، اس کو بھی کسی کا نام نہیں رکھ سکتے، بغیر اضافت کے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ

رحمٰن ورحیم کے معنی ہیں رحم کرنے والا مگر رحمٰن میں مبالغہ زیادہ ہے بہ نسبت رحیم کے اس لیے کہ رحمٰن کہتے ہیں دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں رحم کرنے والا اور رحیم کہتے ہیں صرف آخرت میں رحم کرنے والا اس وجہ سے رحمٰن کو رحیم پر مقدم کیا۔

بحث پنجم : بسم اللہ اصل میں باسم اللہ تھا، ہمزہ کے ساتھ اس کو ساقط کر دیا، تلفظ اور کتابت دونوں میں ہمزہ وصلی ہونے کی وجہ سے مگر اس پر یہ سوال ہے کہ اسم کے الف کو ہمزۂ وصلی کہنا غلط ہے اس لیے کہ ہمزہ وصلی کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ درمیان کلام میں واقع ہوتا ہے تو تلفظ میں گر جاتا ہے مگر کتابت میں تو باقی رہتا ہے جیسے فاجتنبوا قول الزور اس کا جواب یہ ہے کہ دیکھنا یہ چاہئے کہ آخر یہ ہمزہ وصلی تلفظ ہی میں کیوں گرتا ہے تو غور کرنے سے علت یہ سامنے آئی کہ اس کا استعمال کثیر ہے اس وجہ سے گرتا ہے، اب ہم نے دیکھا کہ جہاں جہاں کثیر الاستعمال ہونے کی علت پائی جائے گی وہاں وہاں گر جائے گا تو جیسے بسم اللہ تلفظ میں کثیر الاستعمال ہے ایسے ہی کتابت میں بھی کثیر الاستعمال ہے، یعنی جو شخص کوئی مضمون لکھنے بیٹھے گا تو شروع میں بسم اللہ ضرور لکھے گا اس وجہ سے الف کو کتابت میں بھی حذف کر دیا اور اس کے حذف پر ایک قرینہ قائم کر دیا، وہ یہ ہے کہ اس کی باء کو کھینچ کر لکھ دیا جاتا ہے، جو دلالت کرتا ہے الف کے حذف پر۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے مصنف نے اپنی کتاب کو 'اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ' سے شروع کیا مختلف وجوہات کی بناء پر اول یہ ہے کہ اللہ کے کلام سے برکت حاصل کرنے کے لیے اس لیے کہ اللہ کے کلام سے افضل تو کوئی چیز ہے ہی نہیں، جس سے برکت حاصل کی جائے۔ وجہ دوم، الحمد للہ سے شروع کیا کلام اللہ کی اتباع کی وجہ سے اس لیے خدائے پاک نے بھی اپنی کتاب کو اولاً بسم اللہ سے شروع کیا اور ثانیاً الحمد للہ سے۔ وجہ سوم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا اتباع بھی مقصود ہے اس لیے کہ آنجناب نے فرمایا ''کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَا یُبْدَأُ فیہ بالحمد للہ فھو اقطع'' کہ ہر وہ مہتم بالشان کام جس کو اللہ کی حمد سے شروع نہ کیا جائے وہ دُم بریدہ رہتا ہے۔

فائدہ: یہ دو حدیثیں ہیں ایک بسم اللہ سے شروع کرنے کی، دوسری الحمد للہ سے شروع کرنے کی، ظاہر ہے کہ اگر ابتداء بسم اللہ سے ہوگی تو الحمد للہ سے نہ ہو سکے گی، اگر الحمد للہ سے ابتداء ہوگی تو بسم اللہ سے نہ ہو سکے گی، چونکہ ابتداء کہتے ہیں کسی چیز کو سب سے پہلے واقع کرنا، لہٰذا دونوں سے ابتداء کرنا محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ابتداء کو سمجھ لیا جائے تا کہ مسئلہ کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ ابتداء کی تین قسمیں ہیں (۱) ابتداء حقیقی (۲) ابتداء اضافی (۳) ابتداء عرفی۔ ابتداء حقیقی کہتے ہیں کہ کسی چیز کو سب سے پہلے ذکر کرنا اس سے پہلے کوئی چیز مذکور

ابتداء اضافی کہتے ہیں کسی چیز کو کسی چیز سے پہلے ذکر کرنا خواہ اس سے قبل کوئی چیز مذکور ہو یا نہ ہو۔ ابتداء عرفی وہ ہے کہ کسی شئ کو شروع کرنا اس طور پر کہ وہ مقصود سے مقدم ہو، اگر چہ غیر مقصود سے مؤخر ہو، تو اب یہ سمجھ لیجئے کہ ابتداء بسملہ والی حدیث تو ابتداء حقیقی پر محمول ہے، اور ابتداء بالتحمید والی حدیث ابتداء اضافی یا عرفی پر محمول ہے، یا دونوں حدیثیں ابتداء عرفی پر محمول ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے شروع کرنے سے مراد مقصود کا شروع کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ مقصود کا ان سے شروع کرنا محال نہیں ہے اس لیے کہ دونوں سے اصل مقصود علم نحو کے مسائل سے پہلے لانا ہے اور جو محال آپ کو نظر آ رہا ہے وہ ان میں سے ہر ایک کا ابتداء میں تلفظ ہے۔

وجہ چہارم: الحمد للہ سے شروع کیا دیگر مصنفینؒ کی کتب کا اتباع کرنے کی وجہ سے، اس لیے کہ تمام مصنفین ومؤلفین نے اپنی کتابوں کو بسم اللہ والحمد للہ سے شروع فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری وجوہات بیان کی گئیں ہیں، جن کو ہم نے طوالت کے باعث ترک کر دیا ہے۔

حمد کی تعریف: ھو الوصف بالجمیل الاختیاری لا علی جھة الاستھزاء. حمد کے معنی ہیں زبان سے کسی کے ایسے فعل حسن کو سراہنا جو اس کے اختیار سے صادر ہوا ہو، اور یہ تعریف تعظیم کے طور پر ہو نہ کہ مزاق کے طور پر وہ فعل خواہ ایسا ہو کہ اس کا نفع غیر کو پہنچتا ہو یا نہ پہنچتا ہو۔

ترکیب: الحمد مبتداء لام حرف جار اللہ موصوف رب مضاف عالمین مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور۔ جار مجرور سے مل کر ثابت شبہ فعل کے متعلق ہو کر خبر، مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ۔

سوال: مصنف نے بجائے جملہ فعلیہ کے جملہ اسمیہ کیوں استعمال کیا۔ **جواب** یہ ہے کہ تا کہ جملہ اسمیہ حمد کے دوام (ہمیشگی) اور ثبات پر دلالت کرے۔

لفظ اللہ کی تعریف: اللہ اسم للذات الواجب الوجود المستجمع لجمیع الصفات الکمالیة۔ اللہ نام ہے اس ذات کا جس کا وجود واجب اور ضروری ہے، جو جامع ہے تمام صفات کمالیہ کو، اور صفات کمالیہ کہتے ہیں جو کسی سے مانگی ہوئی نہ ہوں اور اسی وجہ سے حمد کو اللہ کے ساتھ خاص کیا۔

وجہ دوم: اگر اللہ کی صفات میں سے کوئی اور صفت حمد کے ساتھ بیان کی جائے تو یہ وہم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اسی صفت کے اعتبار سے بیان کی جاسکتی ہے کسی دوسری صفت کے لحاظ سے نہیں۔

وجہ سوم: آگے اللہ کی صفت رب العلمین آ رہی ہے تو یہاں اسم ذات لفظ کا ذکر حمد کے ساتھ افضل ہے۔

بحث دوم در لفظ اللہ: یہ مشتق ہے یا غیر مشتق صحیح مذہب یہ ہے کہ غیر مشتق ہے جیسے اس کی

لات غیر مشتق لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَد ہے ایسے ہی لفظ اللہ بھی غیر مشتق ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ مشتق ہے اب اس میں بھی اختلاف ہے کہ کس سے مشتق ہے قول اول یہ ہے کہ اَلِهَ يَالَهُ بکسر العین فی الماضی وفتحها فی الغابر سے مشتق ہے معنی عبادت کرنا وجہ مناسب یہ ہے کہ اس کی عبادت کی جاتی ہے۔

قول دوم: مشتق ہے ولہ یولہ سے بمعنی حیرانی و پریشانی، وجہ مناسبت یہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی عظمت کی حقیقت کے بارے میں حیران وسرگرداں ہے۔

قول سوم: یہ مشتق ہے تالہ یتألہ سے بمعنی تضرع وعاجزی کرنا چونکہ ساری کائنات اس کی طرف ہی عاجزی کرتی ہے اور جھکتی ہے۔

قول چھارم: یہ مشتق ہے لاہ یلوہ سے ای احتجب یعنی پوشیدہ رہنا چونکہ اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کی نظروں کے ادراک اور ان کی فکروں کے احاطہ سے پوشیدہ ہے۔

رب: دراصل تربیت کے معنی میں ہے، یعنی مصدر ہے اور تربیت کہتے ہیں کسی چیز کو رفتہ رفتہ اس کے حدّ کمال تک پہنچانا اب سوال پیدا ہوگا کہ جب رب مصدر ہے تو اللہ کی صفت کیسے قرار دیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہ زید عدل کے قبیل سے ہے یعنی بطور مبالغہ کے مصدر رب کو صفت قرار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو رب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ کائنات کی تربیت کرتا ہے اسی وجہ سے لفظ رب کا اطلاق غیر اللہ پر بغیر اضافت کے جائز نہیں، اضافت کے ساتھ جائز ہے جیسے رب الدابة وارجع الی ربک وغیرہ وغیرہ۔

العلمین: جمع ہے عالم کی، عالم نام ہے اس چیز کا جس کے ذریعہ کوئی چیز جانی جائے، جیسا کہ عالم کے وزن پر خاتم ہے خاتم کہتے ہیں اس چیز کو جس کے ذریعہ مہر لگائی جائے تو عالم کے اصلی معنی تو یہی ہیں کہ جس کے ذریعہ کوئی چیز جانی جائے، لیکن بعد میں استعمال ہونے لگا اس چیز کے لیے جس کے ذریعہ صانع وخالق کائنات (اللہ) کو پہچانا جائے تو عالم کو عالم کہتے بھی اسی وجہ سے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ کے وجود کا پتہ دے رہی ہیں کہ ان سب کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچانو، تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنی چیزیں موجود ہیں سب پر عالم کا اطلاق ہوگا۔

بعض علماء نے کہا کہ عالم ذوی العقول یا ذوی العلم اشیاء کو کہتے ہیں یعنی ملائکہ (فرشتے) اور جن وانس کو اصل عالم انہیں تین کو کہا جاتا ہے باقی اور مخلوق پر جو عالم کا اطلاق ہوتا ہے وہ علی سبیل الاستتباع یعنی ان تینوں اقسام کے تابع بنا کر۔

والعاقبة للمتقین: اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے، متقین جمع ہے متق کی بمعنی پرہیزگار یہ صیغہ ہے اسم فاعل کا عرب والوں کا محاورہ ہے وقاہ فاتقی اس نے اس کو بچایا تو وہ بچ گیا تو متق کے اندر تا جو فاء کلمہ ہے یہ دراصل واؤ تھا جب اس کو مزید میں لے گئے، تو واؤ کو تا سے بدل دیا اور اس بدلی ہوئی تا کا دوسری تاء میں ادغام کردیا، تو ہوگیا اتقی والعاقبة کے اندر الف ولام مضاف کے عوض میں ہیں، اصل عبارت تھی خیر

العاقبة یا حسن العاقبة حاصل للمتقین۔ اچھا انجام متقیوں کے لیے ہے۔

والعاقبۃ کے اندر جو واؤ ہے وہ عاطفہ نہیں ہے کہ اس جملہ کا سابقہ جملہ پر عطف کیا جائے، بلکہ یہ واؤ اعتراضیہ ہے یعنی یہ جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کہتے ہیں کہ سابق کلام سے جو وہم ہوا ہو اس کو ختم کرے اس لیے کہ یہاں یہ وہم پیدا ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سارے عالم کا مربی ہے دنیا کے اندر، تو ایسے ہی وہ مربی ہوگا آخرت میں بھی تمام عالم کے لیے تو جواب دیا کہ آخرت میں وہ صرف مربی ہے متقین کے واسطے نہ کہ کفار و مشرکین کے واسطے۔

وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ واصحَابِہٖ اَجمَعِیْن۔

اور رحمت کاملہ نازل ہو جیواس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور تمام صحابہ پر۔

مصنف علیہ الرحمہ تحمید کے بعد صلوۃ کو بیان فرما رہے ہیں قرآن کا اتباع کرتے ہوئے قال اللہ تعالیٰ: قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اس آیت میں اللہ نے پہلے حمد کو پھر سلام کو بیان فرمایا، دوسرے اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بہت سی چیزوں کے ساتھ خاص کیا ان میں سے ایک یہ کہ جہاں اللہ کا ذکر ہے وہیں آپ کا بھی تذکرہ فرمایا، اذان میں نماز میں اپنے ساتھ ساتھ آپ کو بھی یاد فرمایا۔

الصلوة: صلوۃ کے معنی مختلف آتے ہیں اگر نسبت صلوۃ کی اللہ کی جانب ہو تو معنی ہوں گے رحمت کے اور جب فرشتوں کی طرف ہو تو استغفار اور جب مومنین کی طرف ہو تو دعاء اور جب پرندوں کی طرف ہو تو تسبیح کے معنی مراد ہوں گے بعض علماء نے صلوۃ کے عام معنی بیان کیے وہ ہیں، ایصال الخیر الی الغیر خیر کی بات کا دوسرے تک پہنچانا۔ اب یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ صلوۃ جب دعاء کے معنی میں ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ جب دعاء کا صلہ علیٰ آئے تو معنی بددعاء کے ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں بھی بددعا کے معنی ہوں گے، جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض تو جب ہوتا جب کہ علی صلوۃ سے متعلق ہوتا، یہاں تو علیٰ صلوۃ سے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ نازلة شبہ فعل سے متعلق ہے۔ جواب دوم یہ بات ہمیں مسلم نہیں کہ علیٰ ہر جگہ بددعاء کے معنی میں آتا ہے بلکہ اس وقت بددعاء کے معنی میں ہوتا ہے جب کہ بددعاء کا قصد کیا جائے۔ جواب سوم یہ جواب سب سے پیارا ہے وہ یہ کہ علیٰ بددعاء کے معنی اس وقت دے گا جب کہ لفظ دعاء صریحی ہو، یعنی دعاء کے ساتھ علیٰ آئے گا، اور یہاں ایسا نہیں بلکہ صلوۃ کے ساتھ علیٰ آیا ہے۔

نوٹ: صلوۃ اصل میں صلاۃ الف کے ساتھ تھا لیکن الف کو واؤ سے تبدیل کر دیا، اس کو الف کے ساتھ ہی لکھا جاتا لیکن واؤ کے ساتھ لکھا جا رہا ہے اس کی وجہ ہے تفخیماً یعنی عظمت کی وجہ سے۔

رسوله: لفظ رسول فعول کے وزن پر ہے مرسل کے معنی میں فعول بمعنی مفعول، رسول کہتے ہیں اس انسان کو جس کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف احکام شریعت کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہو اور نئی شریعت دی ہو، ایک لفظ ہے نبی، نبی کہتے ہیں اس انسان کو جس پر اللہ نے اپنی وحی نازل فرمائی ہو خواہ اس کو نئی کتاب ملی ہو یا نہ ملی ہو۔

نــوٹ: لفظ صلوۃ وسلام انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور علماء کے لیے لفظ رحمت استعمال ہوگا لہٰذا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کہیں گے علماء علیہم الصلوۃ والسلام نہیں، بلکہ علماء کے لیے رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ حضرات صحابہ کرام کے لیے رضوان اللہ علیہم خاص ہے۔

محمد: باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے ھو البلیغ فی کونہ محمودا، انتہائی قابل تعریف، محمد مجرور ہے، رسول سے بدل ہونے کی بناء پر یا عطف بیان ہونے کی بنا پر یا محمد خبر ہے مبتداء محذوف کی، تقدیر عبارت ہے ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

آلــہ: آل باعتبار لفظ کے مفرد ہے اور باعتبار معنی کے جمع ہے، آل کے تین معنی آتے ہیں اول لشکر جیسے قرآن میں ہے، آل فرعون دوم بمعنی نفس جیسے آل موسی وآل ہارون۔ سوم اہل بیت پر خصوصاً اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے آل محمد، اور آل محمد وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور وہ صرف بنی ہاشم ہیں، اور شیعیوں کے نزدیک اہل بیت سے مراد حضرت فاطمہ وعلی حسن وحسین ہیں، مگر اہل سنت والجماعت کے نزدیک آل محمد سے مراد آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کی اولاد ہے، بعض نے کہا کہ آل محمد سے مراد ہر مومن متقی ہے مگر اس قول پر یہ اعتراض ہوگا کہ جب آل سے مراد ہر مومن متقی ہے تو پھر اصحاب کا ذکر اس کے بعد کیوں کیا گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے۔

نــوٹ: ایک لفظ آل ہے اور ایک اہل دونوں میں فرق کیا ہے، سو دونوں میں فرق یہ ہے کہ آل کا اطلاق اشراف (بڑے لوگوں) پر ہوتا ہے خواہ شرافت دنیوی ہو یا اخروی جیسے آل فرعون کہ فرعون کو دنیاوی شرافت حاصل تھی اور شرافت اخروی جیسے آل محمد کہ آپ کو دونوں جہاں کی شرافت حاصل تھی، اور اہل کا اطلاق عام ہے خواہ اشراف ہوں یا ارذال (رذیل کمینے لوگ)۔

واصحابہ: اصحاب یا تو جمع ہے صاحب کی جیسے اطہار جمع ہے طاہر کی یا صحب بسکون الحاء کی جیسے انہار جمع ہے نہر کی، یا صحِبٌ بکسر الحاء کی جیسے اثمار جمع ہے ثمرٌ کی یا صحیبٌ بروزن فعیلٌ کی جیسے اشراف شریفٌ کی۔

اجـمعین: تاکید معنوی کے الفاظ میں سے ہے، اجمعین صحابہ کی تاکید لانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اس سے روافض کی تردید مقصود ہے کہ وہ صلوۃ کے مستحق صرف بعض صحابہ کو سمجھتے ہیں، یعنی صرف حضرت علیؓ کے گھرانے کو باقی سب کو گالی دیتے ہیں اور ایسے ہی تردید مقصود ہے خوارج کہ وہ آپؐ کی آل کے سخت ترین دشمن ہیں ان کو صلوۃ کا مستحق نہیں سمجھتے۔

اما بعد: اس کی اصل مھما یکن من شئ بعد البسملة والحمد لہ ہے فعل شرط کو حذف کر

گیا مہما باقی رہا پھر ہا کو ہمزہ سے مبدل کر کے ماما ہوا، پھر قلب مکانی کر کے ام ما ہوا پھر میم کا میم میں ادغام کر دیا اما ہوگیا، پھر شرط و جزاء کے درمیان بعد مبنی علی الضم کو داخل کیا چونکہ اس کی تین حالتیں ہیں اس کا مضاف الیہ مذکور ہوگا یا محذوف۔ اگر مذکور ہوگا تو معرب اگر محذوف ہوگا تو محذوف منوی ہوگا یا نسیا منسیا اگر ثانی ہے تو بھی معرب اگر اول یعنی محذوف منوی ہے تو مبنی تو یہاں چونکہ بعد کا مضاف الیہ نیت میں ہے اور وہ ہے البسملة و الحمد له۔

أمّا بعد: کا سب سے پہلے استعمال کرنے والے حضرت داؤد علیہ السلام ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ و آتینه الحکمة و فصل الخطاب بقول قاضی شریح و امام شعبی رحمهما الله۔ فصل الخطاب کا مصداق أمّا بعد ہے۔

فهٰذا مختصَرٌ مضبُوطٌ فِی النّحو جَمعتُ فیه مهمّات النحو عَلٰی ترتیب الکافیة مُبَوَّبًا و مفصّلًا بعبارةٍ واضحةٍ مَعَ ایراد الامْثِلَةِ فی جمِیع مَسَائِلِها من غیر تعرُّضٍ لّلادِلَّةِ و العِلَل لِئَلا یُشوِّشُ ذِهْنَ المُبتَدِی عن فَهم المسَائل۔

ترجمہ: بہر حال حمد و صلوۃ کے بعد پس یہ کتاب مختصر ہے جو لکھی گئی ہے علم نحو کے اندر جمع کیا میں نے اس میں علم نحو کے مقاصد کو کافیہ کی ترتیب پر اس حال میں کہ یہ مختصر کتاب باب در باب اور فصل در فصل ہے واضح عبارت کے ساتھ مثالوں کے لانے کے ساتھ اس کے تمام مسائل میں بغیر تعرض (پیش کئے ہوئے) دلیلوں اور علتوں کے تاکہ تشویش میں نہ پڑ جائے، مبتدی کا ذہن مسائل کے سمجھنے سے۔

فهذا: ہذا اسم اشارہ برائے قریب ہے اسکا مشارٌ الیہ، یہ کتاب ہے جس کو انہوں نے تصنیف کیا، (ہدایۃ النحو) لیکن یہ یاد رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ یہ خطبہ مصنف نے تصنیف سے فراغت کے بعد لکھا ہو۔

اور اگر یہ خطبہ شروع میں لکھا ہو یعنی کتاب کی تصنیف سے قبل تو مشارٌ الیہ ہوگا ماحضر فی الذہن یعنی جو تصور ان کے ذہن میں تھا۔

المختصر: هو کلام قلیلُ المبانی کثیر المعانی مختصر اس کلام کو کہتے ہیں جس کے حروف کم ہوں اور معانی زیادہ ہوں۔

رسالہ: رسالۃ اس کلام کو کہتے ہیں جو چند علمی قواعد پر مشتمل ہو اور یہی تعریف کتاب کی بھی ہے، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتاب تو کامل فی الفن ہوتی ہے مگر رسالہ کسی بھی فن میں کامل نہیں ہوتا۔ نیز رسالہ صرف ایک ہی فن میں ہوتا ہے اور کتاب کے لیے یہ قید نہیں ہے وہ ایک اور ایک سے زیادہ مختلف فنون میں بھی ہوتی ہے۔

مضبوط: مضبوط کہتے ہیں جو حشو اور طوالت سے محفوظ ہو یہ صفت اول ہے مختصر کی، فی النحو ظرف مستقر ہو کر صفت ثانی ہے مختصر کی جمعت فیہ میں ہ ضمیر کا مرجع ہے مختصر یہ صفت ثالثہ ہے مختصر کی مہمات جمع ہے مہمۃ کی

کی مقاصد لفظ مہمات مفعول بہ ہے، جمعت کا نصب اس میں تابع ہے جر کے جمع مؤنث سالم ہونے کی وجہ سے۔

علی ترتیب الکافیۃ: یہ متعلق ہے جمعت کے، مطلب یہ ہے کہ اس مختصر کو میں نے جمع کیا کافیہ کی ترتیب پر جیسے کافیہ میں پہلے بحث اسم ہے، پھر بحث فعل اس کے بعد بحث حرف ایسا ہی انداز اس کتاب کا ہے اور جیسے کافیہ میں پہلے بحث مرفوعات پھر منصوبات پھر مجرورات ایسے ہی اس مختصر میں بھی موجود ہے خلاصہ یہ ہے کہ اکثر مسائل میں کافیہ والی ترتیب ہے تمام مسائل میں کافیہ کی ترتیب نہیں ہے، اس لیے کہ مثلاً فعل اور حرف کی تعریف کافیہ میں ان کی بحث میں مذکور ہے، شروع کتاب میں نہیں اس مختصر میں شروع میں بھی اور ان کی بحث میں بھی، ایسے ہی منادی کا مسئلہ تحذیر اور ما اُضمر عاملہ سے موخر ہے، کافیہ میں مقدم ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب رہی یہ بات کہ جب مصنفؒ نے مستقل طور پر فن نحو میں یہ کتاب لکھی تو کافیہ کی ترتیب ہی کیوں اختیار کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے یہ سوچا کہ جیسے کافیہ کو اللہ نے تمام دنیا میں قبولیت کے ساتھ مشرف فرما کر مشہور فرمایا، ایسے ہی میں بھی اگر اپنی کتاب کو کافیہ کی ترتیب پر لکھوں گا تو امید ہے اللہ کی ذات سے کہ یہ بھی مشارق ومغارب میں مشہور ہو جائے گی، کیونکہ بہت سی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مشابہت کی وجہ سے اللہ پاک نواز دیتے ہیں حدیث ہے: **من تشبه بقوم فهو منهم**۔

وجہ دوم: یا مصنف نے کافیہ کی ترتیب پر اس وجہ سے لکھا کہ تا کہ طلبہ و متعلمین میں اس کتاب کے پڑھنے کی رغبت پیدا ہو، چونکہ جب ان طلبہ کے دلوں میں کافیہ کی محبت پیدا ہو چکی ہے تو جب یہ کتاب بھی اس ترتیب کے مطابق ہوگی تو اس کے پڑھنے کی طرف بھی ان کی طبیعتیں مائل ہوں گی۔

وجہ سوم: ابوحیان نحوی جو اس کتاب کے مصنف ہیں ان کے ہمنشینوں سے بعض مشائخ نے یہ درخواست کی کہ ابوحیان ایک جید نحوی عالم ہیں اگر وہ کوئی ایسی کتاب لکھ دیں جو کافیہ کی ترتیب پر ہو مگر کافیہ کا کل حل ہو، اس طور پر کہ عبارت بھی واضح اور آسان ہو، کافیہ کی طرح مغلق نہ ہو، اور ہر قاعدہ کی مثال بھی ہو، مگر دلائل اور علتیں نہ ہوں تا کہ سمجھنے میں طلبہ کو دقت نہ ہو، بات آسانی وسہولت سے جلد سمجھ میں آ جائے، تو ان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے اس کو کافیہ کی ترتیب کے مطابق لکھا۔ بہر حال بیان یہ کیا جا رہا تھا کہ علیٰ ترتیب الکافیہ جمعت کے متعلق ہے، اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ثابت وغیرہ کے متعلق ہو کر حال ہو مہمات النحو سے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے: **جمعت فيه مهمات النحو حال كونه مشتملا على ترتيب فصول الكافية اى وضعها** یعنی میں نے جمع کیا اس مختصر میں نحو کے مقاصد کو درانحالیکہ وہ مقاصد نحو مشتمل ہیں کافیہ کی فصلوں کی وضع پر۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ صفت ہو مختصر کی معنیٰ دریں صورت یہ ہوں گے **فهٰذا مختصر محفوظ ثابتٌ فى النحو مجموع فيه مقاصده موضوع فيه قواعد الكافية** یہ مختصر لکھی گئی ہے نحو میں جمع کیا گیا اسمیں نحو کے مقاصد کو اس طور پر کہ وہ مقاصد کافیہ کے طریقہ کے مطابق ہیں۔

مبوبا ومفصّلا: یہ دونوں اگر واؤ اور صاد کے کسرہ کے ساتھ ہوں تو اسم فاعل کے صیغے ہونگے اور حال ہوں گے جمعتُ کی ضمیر متکلم سے اور اگر دونوں مفتوح ہوں تو اسم مفعول کے صیغے ہونگے اور اس صورت میں حال ہوں گے فیہ کی ضمیر مجرور سے مصنفؒ فرماتے ہیں ہم نے اپنی مختصر کو باب در باب اور فصل در فصل لکھا اس طور پر لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام مصنّفین کی یہ عادت رہی ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے طریقہ کا اتباع کرتے ہوئے اپنی کتابوں کے لکھنے میں قرآن سے برکت حاصل کی اس لئے کہ قرآن کے اندر کہیں سورتیں ہیں، کہیں رکوع ہیں، کہیں آیات ہیں تو اس طرح سے ارباب تدوین نے اپنی کتابوں کو بابوں اور فصلوں پر تقسیم کیا۔

بعبارۃ واضحۃ: بعبارۃ متعلق ہے جمعتُ کے عبارت کے، معنیٰ لغت میں آتے ہیں خواب بیان کرنا عبارت کو عبارت بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ دل میں چھپے ہوئے معانی کو بیان کرتی ہے جیسا کہ معبِّر پوشیدہ بات کی تعبیر بیان کرتا ہے۔ واضحۃ یہ عبارت کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کی عبارت اتنی واضح ہے کہ مسائل بسہولت سمجھ میں آجاتے ہیں دشواری پیش نہیں آتی۔مع ایراد الأمثلہ۔امثلہ جمع ہے مثال کی۔اور مثال کہتے ہیں اس چیز کو جسکو قاعدہ کی وضاحت کیلئے بیان کیا جائے ایک لفظ استعمال کیا جاتا ہے شاہد۔شاہد کہتے ہیں اس چیز کو جسکو قاعدہ کو ثابت کرنے کیلئے ذکر کیا جائے،فی جمیع مسائلھا یہ متعلق ہے ایراد مصدر کے،مسائل جمع ہے مسئلہ کی یہاں مراد مسائل سے قواعد ہیں اور مسائل کی ضمیر مجرور راجع ہے مختصر کی طرف اب یہاں سوال کہ جب مرجع مختصر ہے جو کہ مذکر ہے پھر ضمیر مؤنث کیوں لائے تو اسکا جواب یہ ہے کہ مختصر رسالۃ کی تاویل میں ہے جو کہ مؤنث ہے، یہ جو مصنف نے کہا کہ تمام مسائل کی امثلہ بھی پیش کی ہیں اس سے مراد ہے کہ اکثر مسائل کی مثالیں بیان کی ہیں چونکہ بعض مسائل ایسے ہیں جنکی مثال ہی بیان نہ کی گئی۔

من غیر تعرض للادلۃ والعلل ۔ادلۃ جمع ہے دلیل کی جیسا کہ اجنۃ جمع ہے جنین کی،تعریف دلیل شیء کی وہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ شئ پہچانی جائے،علل جمع ہے علت کی جیسے ہمم جمع ہے ہمت کی دلیل اور علّت دونوں مترادف الفاظ ہیں اگر چہ خطبہ میں الفاظ مترادفہ کا لانا زیادہ موزوں نہیں ہوا کرتا،تاہم یہ استعمال کیا گیا اس وجہ سے کہ الفاظ مترادفہ کلام میں تحسین وخوبصورتی پیدا کردیتے ہیں اس عبارت پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے دلائل اور علتیں بیان نہیں کی حالانکہ بہت سے مسائل کے دلائل بھی بیان کئے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بھی محمول ہے اغلبیت پر یعنی اکثر مسائل کی دلیلیں بیان نہیں کی بعض کی بیان کی جن کا کوئی شمار نہیں۔

لئلا یشوش ذھن المبتدی عن فھم المسائل. یشوش اگر بکسر الواؤ پڑھا جائے تو معروف کا صیغہ ہوگا ضمیر ھو جو راجع ہے مختصر کی طرف وہ فاعل ہے اور ذہن المبتدی منصوب ہوگا مفعول بہ ہونے کی بناء پر اور اگر بفتح الواؤ پڑھا جائے تو ذھن المبتدی مرفوع ہوگا مفعول مالم یسمّ فاعلہ ہونے کی بناء پر لئلا یشوش کے اندر

کلام ہے یہ متعلق ہوگا جمعت کے۔

اب اس مکمل عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس مختصر کتاب میں نحو کے قواعد ایسے طریقہ پر جمع کئے کہ مبتدی طلبہ کے لیے ان قواعد کا سمجھنا آسان ہو جائے نیز چونکہ مبتدی طلبہ میں فہم بھی کم ہوتی ہے اور معلومات کی بھی کمی ہوتی ہے، اس لیے یہ انداز اختیار کیا کہ اس کتاب میں الگ الگ باب اور فصلیں قائم کر دیں، اور عبارت جو پیش کی ہے وہ تو بہت ہی واضح صاف اور سلیس ہے، ساتھ ہی مسئلہ کو سمجھنے کے لیے امثلہ بھی بیان کر دیں، مگر دلائل سے اکثر قواعد میں گریز کیا چونکہ اس کتاب کے پڑھنے والے طلبہ مبتدی ہوں گے تو ان کو دقت پیش آتی اور قواعد کا سمجھنا مقصود اصلی تھا وہ فوت ہو جاتا اور اس لیے بھی دلائل سے اجتناب کیا کہ پڑھنے میں جو ایک طرح کا سرور اور نشاط ہوتا ہے مبتدی طلبہ کے لیے یہ دلائل کا انبار مزید پریشانی کا باعث بن کر اس نشاط والی کیفیت کو ختم کر دیتا اس وجہ سے ان تمام باتوں سے پرہیز کیا۔

نوٹ: ذہن اس قوت کا نام ہے جو تصورات و تصدیقات کو حاصل کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے اب رہی یہ بات کہ تصورات و تصدیقات کسے کہتے ہیں اس کی معلومات کے لیے فن منطق ہے اس کی طرف مراجعت فرمائیں۔

وسَمَّيتُهُ بهدايةِ النحو رَجَاء اَن يَّهْدِيَ اللهُ تعالىٰ بِهِ الطالبِيْنَ.

ترجمہ: اور میں نے اس مختصر کا نام ہدیۃ النحو رکھا اللہ سے یہ امید کرتے ہوئے کہ وہ اس کے ذریعہ سے طلبۂ نحو کو صحیح راہ دکھائے۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس مختصر کا نام ہدایۃ النحو رکھا، اللہ سے یہ امید کرتے ہوئے کہ وہ ان طلبہ کو جو فن نحو حاصل کرنا چاہیں ان کے لیے ہدایۃ کا ذریعہ بنے۔

اور یہ بات اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں چونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اس کو طلبہ کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنادے اور چونکہ اللہ ہی قبول کرنے کے لائق ہے، لہٰذا وہ اس کو ضرور قبول فرمائے گا، اس کی ذات سے یہی امید ہے اس سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔

فائدہ: اس عبارت سے مصنفؒ نے دو باتیں بیان کیں ایک یہ بتلانا چاہا کہ اس مختصر کا نام میں نے ہدایۃ النحو رکھا دوسرے ساتھ ہی اس کی وجہ تسمیہ بھی بتلا دی کہ ہدایۃ النحو نام اس وجہ سے رکھا تاکہ یہ طلبۂ نحو کے لیے ہدایت کا سبب بنے۔

سمیتہ: لفظ سمیت متعدی بدو مفعول ہوتا ہے مفعول اول کی طرف بلا واسطہ اور ثانی کی طرف کبھی بلا واسطہ جیسے سمیتہ کذا اور کبھی بواسطہ حرف باء جیسے سمیتہ بکذا۔

هداية: ہدایت بھی متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اول کی طرف بلا واسطہ اور ثانی کی طرف کبھی بلا واسطہ جیسے

اهدنا الصراط المستقیم کے اندر اور کبھی بواسطہ لام کے جیسے هدانا لهذا، اور کبھی بواسطہ الی کے جیسے هدانی ربی إلی صراط مستقیم ہدایت کے معنی کسی شخص کی منزل مقصود کی طرف مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا۔

وَرتبتُهُ عَلٰی مُقَدَّمةٍ وثلٰثة اقسَامٍ وَخاتِمةٍ بتَوفیق الملکِ العَزِیز العلّامِ.

ترجمہ: اور مرتب کیا میں نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور تین اقسام اور ایک خاتمہ پر اس بادشاہ کی توفیق سے جو کہ غالب ہے اور سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔

توضیح: یہاں سے مصنف یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس مختصر کی جو ترتیب قائم کی وہ اس طور پر کہ پہلے مقدمہ پیش کیا پھر پوری کتاب کو تین قسموں میں منقسم کیا (بانٹ دیا)۔

ترتیب: ترتیب کے لغوی معنی آتے ہیں ہر چیز کو اس کے مرتبہ میں کر دینا یعنی جو چیز جہاں رکھنے کے لائق ہے اس کو وہیں رکھ دینا۔

اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ بہت ساری چیزوں کو اس طور پر کر دینا کہ ان سب پر ایک ہی نام کا اطلاق کیا جائے (بولا جائے) بتوفیق کے اندر جو باء ہے وہ جمعت کے متعلق بھی ہوسکتا ہے اور رتبت کے بھی۔

توفیق کی تعریف: بندہ کے فعل کو اس چیز کے موافق کر دینا جو اس کے حق میں بہتر ہے۔

ملک: بمعنی مالک، عزیز بمعنی غالب ایسا غالب جس پر کوئی چیز غالب نہ آسکے، علّام مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بہت جاننے والا۔

نوٹ: مصنفؒ نے اوپر یہ فرمایا کہ میں نے اس مختصر کو ایک مقدمہ اور تین قسموں اور ایک خاتمہ پر مرتب کیا اس عبارت میں جو خاتمہ کا ذکر ہے آگے تفصیل میں تو کہیں بھی پوری کتاب میں خاتمہ کا تذکرہ نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ خاتمہ اس موقع پر کاتب وغیرہ کی غلطی سے لکھا گیا ہوگا۔

امّا المقدّمَة ففِی المبَادِی التِی یَجبُ تقدیمُهَا لتوقّفِ المَسَائِل عَلیها.

ترجمہ: بہرحال مقدمہ پس ان مبادیات کے اندر ہے کہ جن کا مقدم کرنا واجب ہے مسائل کے ان پر (علی وجہ البصیرت) موقوف ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: تمام مصنفین کا یہ طریقۂ کار رہا ہے کہ وہ اصل مقصود کو شروع کرنے سے پہلے اس فن کی تعریف اور غرض وغایت وموضوع کو بیان کیا کرتے ہیں اور وجہ ان تینوں کے بیان کرنے کی یہ ہے کہ جب فن کی تعریف طلبہ کو معلوم ہو جائے گی تو وہ مسائل جن کا حاصل کرنا ضروری ہے ان کے حاصل کرنے میں زیادہ راغب ہوں گے، اور جن مسائل کی تحصیل سے کوئی فائدہ نہیں اُن سے اعراض کر کے اپنے قیمتی وقت کو کارآمد بنا سکیں گے اور غرض کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ اگر غرض ہی کا پتہ نہ ہوگا تو طلبِ عبث لازم آئے گی، ساعی کی کوشش بیکار ہوگی، اور فن کی

موضوع کا جاننا اس لیے ضروری ہے تا کہ ایک فن کے مسائل کا دوسرے فن کے مسائل سے امتیاز کر سکے۔ بہر حال ان تینوں چیزوں کا جاننا بہت ضروری ہے اور انہی تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام مقدمۃ العلم ہے مقدمہ ماخوذ ہے مقدمۃ الجیش سے (لشکر کا اگلا حصہ) مبادی جمع ہے مبدأ کی دونوں کے معنی لغت میں شئ اول کے آتے ہیں۔ اور تعریف اصطلاحی یہ ہے کہ کلام کا وہ ٹکڑا جو شروع فی العلم کی بصیرت کے واسطے مسائل پر مقدم کیا جائے یہاں ایک اعتراض یہ پیدا ہوگا کہ مقدمہ اور مبدأ دونوں کی تعریف آپ نے ایک کی تو اس صورت میں ظرف اور مظروف کا اتحاد لازم آئے گا یا یوں کہ "ظرفية الشئ على نفسه" لازم آئے گی، جواب اس کا یہ ہے کہ مقدمہ سے مراد معانی مخصوصہ ہیں اور مبادی سے الفاظ مخصوصہ یا اس کے برعکس کہ مقدمہ سے مراد الفاظ موقوف علیہا اور مبادی سے مراد معانی مخصوصہ لہٰذا اس صورت میں کوئی اعتراض لازم نہ آئے گا۔

نوٹ: مقدمہ کی دو قسمیں ہیں ایک مقدمۃ العلم، ایک مقدمۃ الکتاب۔ اول کی تعریف تو اوپر بیان کی گئی کہ ان امور ثلثہ کے جاننے کو کہتے ہیں، جن پر مسائل کا سمجھنا موقوف ہو، (على وجه البصيرة) یہاں مراد مقدمۃ العلم ہی ہے، اور مقدمۃ الکتاب کہتے ہیں اس کو جس کو مقصود سے پہلے بیان کیا جائے، ربط پیدا کرنے کے لیے دونوں کے درمیان (مقصود اور مقدمۃ الکتاب کے درمیان) اور مقدمۃ العلم سے منتفع ہونے کے لیے مقصود میں۔ جیسے کتابوں کے شروع میں جو فہرست وغیرہ ہوتی ہے یہ بھی مقدمۃ الکتاب کہلاتی ہے۔

وفيها فُصُول ثلثةٌ.

وفيها فُصُولٌ ثلثةٌ:- ها ضمیر کا مرجع مقدمہ ہے فرماتے ہیں کہ مقدمہ میں تین فصلیں ہیں، فصول جمع ہے فصل کی، فصل کے معنی لغت میں آتے ہیں القطع کاٹنا جدا کرنا اور اصطلاح میں کہتے ہیں۔ هو الحاجز بين الحكمين، یعنی کلام کا وہ ٹکڑا جو دو مختلف حکموں کے درمیان آئے۔ فصل کے اوپر اعراب کون سا آئے گا، اس کے متعلق یہ یاد رکھیں کہ جب بالوصل (ملا کر) پڑھیں گے تو تنوین آئے گی اس لیے کہ اعراب تو ترکیب کے بعد ہی آتا ہے اگر ملا کر نہ پڑھیں تو تنوین نہیں آئے گی ساکن پڑھا جائے گا۔

ترکیب: فيها مل ملا کر خبر فصول موصوف ثلاثة صفت دونوں مل کر مبتداء۔

بہر حال مصنفؒ نے فرمایا کہ مقدمہ میں تین فصلیں ہیں، پہلی فصل ہے نحو کی تعریف اور اس کی غرض کی تعریف کے بیان میں دوسری اور تیسری ہے اس کے موضوع کلمہ اور کلام کی تعریف کے بیان میں۔

فصل النحو علمٌ باصوُلٍ يُعرَفُ بِهَا احوالُ اَواخِرِ الكلم الثلث منْ حيث الاعراب والبنَاءِ وَكيفيّةُ تركيب بَعضِها مَعَ بَعضٍ.

اصطلاحی تعریف مصنف خود بیان کرتے ہیں علم نحو جاننا ہے چند ایسے قواعد کا کہ جن کے ذریعہ سے پہچانے

جائیں تینوں کلموں (اسم، فعل، حرف) کے آخر کے حالات معرب ومبنی ہونے کی حیثیت سے اور جن قواعد کے ذریعہ سے پہچانی جائے بعض کلموں کو بعض کلموں کے ساتھ ملانے کی کیفیت۔ اور مراد کیفیت ترکیب سے بعض کلموں کو بعض پر مقدم کرنا ہے۔

اور نحو کے لغوی معنی ہیں القصد ارادہ کرنا، اہل عرب کہتے ہیں نحوته ونحيته، اصول جمع ہے اصل کی اور اصل کے معنی آتے ہیں لغت میں ''مايبتنى عليه غيره ويسند تحقق ذلك الغير اليه''جس پر کسی غیر کی بنیاد قائم ہو اور اس غیر کے تحقق کی اس کی طرف اسناد ہو اور اصطلاح میں کہتے ہیں ان امور کلیہ کو جو اپنی ماتحت جزئیات پر منطبق ہو جائیں۔

نوٹ: یہ چار لفظ ہیں، اصول، قاعدہ، قانون، ضابطہ، سب مترادف ہیں۔

فوائد قیود: فوائد قیود کہتے ہیں اس چیز کو کہ کلام میں کون جنس ہے اور کون فصل ہے۔ تعریف کے اندر يُعرف بها احوالُ کی قید سے ان علوم سے احتراز ہو جائے گا، جن سے احوال نہ پہنچانے جائیں بلکہ کلمہ کی ذات اور جس سے کلمہ کے معنی پہچانے جائیں جیسے علم صرف اور علم منطق، اور احوال اواخر الکلم الثلث یہ فصل ثانی ہے اس قید سے وہ علوم خارج ہو گئے، جن سے اول اور وسط کلمہ کا حال پہچانا جائے، جیسے علم لغت، اور من حیث الاعراب والبناء فصل ثالث ہے اس قید سے اس علم سے احتراز ہو گیا جو معرب ومبنی ہونے کے لحاظ سے نہ پہچانا جائے بلکہ قافیہ کے لحاظ سے پہچانا جائے جیسے علم عروض وعلم قوافی و كيفية تركيب بعضها مع بعض یہ تعریف میں فصل رابع ہے اس قید سے اس علم سے احتراز ہو جائے گا۔ جس سے مفردات کی کیفیت معلوم ہو۔

وَالغرض منه صيَانةُ الذِّهنِ عَن الخَطاء اللفظِى فى كلامِ العَرب.

ترجمه: اور علم نحو کی غرض ہے ذہن کا خطاء لفظی سے بچانا کلام عرب میں۔ یہاں سے مصنفؒ غرض بیان فرما رہے ہیں علم نحو کی غرض سے پہلے مطلق غرض کی تعریف سن لیجئے تعریف یہ ہے، ما يصدر الفعل عن الفاعل المختار لاجله. لفظ ما سے مراد نتیجہ ہے مطلب یہ ہے کہ غرض وہ نتیجہ ہے کہ جس کی وجہ سے فاعل مختار سے فعل صادر ہو۔

اب اس تعریف کے بعد سمجھئے کہ علم نحو کے وضع کرنے کی غرض یہ ہے کہ ذہن عربی کلام میں خطاء لفظی سے بچ جائے یہاں ایک سوال یہ ہے کہ غلطی تو زبان سے ہوتی ہے اس لیے کہ پڑھنے کا آلہ زبان ہے نہ کہ ذہن جواب اس کا یہ ہے کہ زبان تو ذہن کی ترجمان ہے دماغ سوچتا ہے فوراً زبان اس بات کو تعبیر کرتی ہے تو گویا کہ اصل بچانا ذہن کا ہے۔

فوائد قیود: خطاء لفظی کی قید سے احتراز ہے خطاء فکری اور خطاء معنوی سے اس لیے کہ خطاء فکری منطق میں ہوتی ہے اور خطاء معنوی علم معانی وبیان میں۔

اب اس کے بعد ایک بات یہ رہ جاتی ہے کہ علم نحو کو علم نحو کیوں کہتے ہیں (وجہ تسمیہ) دوسرے اس علم کا واضع کون ہے، سواس کے سلسلے میں حیوۃ الحیوٰان کے حوالہ سے یہ عرض کیا جاتا ہے کہ ایک روز حضرت علی نے حضرت ابوالاسود دوئلیؒ سے فرمایا کہ ذرا ہمارے لیے عربی زبان کے قواعد کو آپ مرتب کردیجئے ابوالاسودؒ نے فرمایا کہ چگونہ کیسے مرتب کروں آپ نے فرمایا کہ ہر کلام یا تو اسم ہے یا فعل یا حرف ابوالاسود نے عرض کیا نحو یکہ از زبان مبارک ارشاد شدہ تدوین می کنم کہ جس طرح آپ کی زبان مبارک سے ارشاد ہوا، اسی طریقہ پر میں مرتب کروں گا تو یہیں سے اس کی وجہ تسمیہ معلوم ہوگئی، کہ یہ علم امیر المومنین حضرت علیؓ کے نحو وطریقہ کے مطابق مرتب کیا گیا اس وجہ سے اس علم کا نام علم نحو رکھا گیا۔ علم نحو کا نام علم اعراب بھی ہے چونکہ نحو کا تعلق اعراب سے ہے، ابوالاسود دوئلی سے ایک روایت یہ بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت علیؓ کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ بہت زیادہ متفکر بیٹھے ہوئے ہیں، میں نے آپ کو پریشان دیکھ کر معلوم کر ہی لیا کہ حضرت اتنا کیوں متفکر ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں لوگوں کو قرآن غلط پڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں ایسی ایسی فحش غلطیاں کہ جن سے کفر لازم آتا ہے، سنا ہے کہ کسی صاحب نے قرآن کی آیت ان اللہ بریٔ من المشرکین ورسولہ بجائے لام کے ضمہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جو کہ صریح کفر ہے اس لیے کہ لام کے ضمہ کے ساتھ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہے اور کسرہ کے ساتھ مطلب یہ ہوتا ہے نعوذ باللہ۔ اللہ مشرکین سے بیزار ہے اور اپنے رسول سے بھی چونکہ رسول کا عطف مشرکین پر ہو رہا ہے اس لیے بہت زیادہ متفکر ہوں ارادہ یہ کر رہا ہوں کہ عربی زبان میں قواعد سے متعلق کوئی کتاب لکھوں حضرت ابو الاسود دوئلی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا حضرت اگر آپ ایسی کوئی کتاب لکھیں تو آپ کا بڑا احسان ہوگا ہم کو ایسی غلطیوں سے ضرور بچائیے ابوالاسود دوئلی کہتے ہیں کہ میں جب خدمت اقدس میں تین دن کے بعد حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک صحیفہ عنایت فرمایا جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ہوا تھا الکلام کلہ ثلثۃ اسم وفعل، وحرف کہ ہر کلام یا تو اسم ہوگا یا فعل یا حرف۔ فالاسم ما انبأ عن المسمی والفعل ما انبأ عن الفاعل والحرف ما انبأ عن معنی لیس باسم ولا فعل کہ اسم وہ ہے جو مسمی کو بتلائے اور فعل وہ ہے جو فاعل کی خبر دے اور حرف وہ ہے جو ایسے معنی کی طرف رہبری کرے جو نہ اسم ہو اور نہ فعل نیز فرمایا کہ اشیاء تین ہیں، ظاہر، مضمر، تیسرے وہ جو نہ ظاہر ہو نہ مضمر، اس کے بعد فرمایا کہ مجھے تو تتبع وتلاش کے بعد یہ چیزیں سمجھ میں آئیں اب اس میں مزید اضافہ کر لینا ابوالاسود دوئلی فرماتے ہیں کہ میں نے حروف مشبہ بالفعل جمع کر کے حضرت علی کو دکھائے تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بہت صحیح لکھا مگر لکن کو کیوں ترک کر دیا تو جواب دیا کہ میں تو سمجھا کہ یہ اس بحث سے خارج ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ تو انہیں میں سے ایک ہے لہٰذا اس کو بھی اسی بحث میں شامل کرو، اسی ذیل میں ایک عورت کے متعلق یہ بیان کیا گیا کہ وہ حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہ کی خدمت میں حاضر

ہوئی اور یہ کہا:

اَبِی مَاتَ وَتَرَکَ لِیْ مَالًا ۔میرے والد کا انتقال ہو گیا اور میرے لیے ترکہ میں مال بھی چھوڑا حضرت امیر معاویہؓ کو یہ جملہ ناگوار سا لگا پھر یہ خبر حضرت علیؓ کے پاس پہنچی تو آپ نے ابوالاسود دوئلی کو علم نحو کے وضع کرنے کا حکم فرمایا ابوالاسود دوئلی نے باب اضافت مرتب کیا اس کے بعد خود ان کے یہاں یہ واقعہ پیش آ گیا کہ ان سے ان کی دختر نے کہا: یا أبت ما احسن السماء ضمہ کے ساتھ ابوالاسود دوئلی نے اپنی بیٹی سے کہا: ما نحوت بھا اس جملہ سے تیرا کیا ارادہ ہے اس نے جواب دیا: انما التعجب عن حسنھا کہ آسمان کے حسن کے بارے میں تعجب کرنا مراد ہے تو ابوالاسود دوئلی نے کہا کہ دختر تجھے احسن السماء بالفتح کہنا چاہئے تھا، اس کے بعد ابوالاسود دوئلی نے باب تعجب اور باب استفہام تصنیف کیا، بہر حال رفتہ رفتہ یہ علم تدوین پا تا رہا، اس علم کو کوفہ و بصرہ میں بہت ترقی ہوئی، چونکہ حضرت علیؓ کا دارالخلافہ کوفہ تھا، اس لیے علم نحو کے علماء ان دونوں مقامات میں بکثرت ہوئے، پھر ان علماء میں مسائل نحو میں باہمی بہت اختلاف رائے ہوا، اس لیے اہل کوفہ کا علیحدہ مذہب اور اہل بصرہ کا الگ مذہب قائم ہو گیا، بالآخر ۲۰۰ھ میں یہ علم نحو ایک معرکۃ الآراء فن بن گیا، کوفہ اور بصرہ میں ۲ درسگاہیں اس علم کی اشاعت میں قائم ہو گئیں علماء کوفہ میں فرّا اور کسائی جید عالم کہلائے اور علماء بصرہ میں امام سیبویہ اور خلیل چوٹی کے عالم و امام بنے ان تمام علمائے میں سیبویہ کا مقام سب سے بلند ہوا، ان حضرات کے بعد علامہ ممبرد، اخفش امام بغویؒ نے اس علم کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ سب سے اخیر میں علامہ عبدالقاہر جرجانی نے اس فن کو مزید منقح اور واضح کیا ان کے بعد کوئی قابل ذکر عالم علم نحو کا پیدا نہیں ہوا۔

وَموضُوعُه الكلمَةُ والكَلام.

ترجمہ: اور اس کا موضوع کلمہ اور کلام ہیں۔

دوسری اور تیسری فصل میں مصنف علم نحو کے موضوع کلمہ اور کلام کو بیان کر رہے ہیں، دونوں میں اولاً کلمہ کو بیان کر رہے ہیں، اس وجہ سے کہ کلمہ جزء ہے کلام کا، اس لیے کہ کلام دو کلموں سے مل کر تیار ہوتا ہے، تو کلام کے مفہوم میں کلمہ پایا گیا جب کلمہ کلام کا جز ثابت ہوا اور جز کل پر مقدم ہوتا ہے اس لیے کلمہ کو کلام پر مقدم کیا۔

فصل الكلمةُ لفظٌ وُضِعَ لمَعْنًى مُفرَد.

ترجمہ: فصل کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو مفرد معنی کے لیے۔

تشریح: یہاں سے کلمہ کی تعریف بیان فرما رہے ہیں فرماتے ہیں کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو مفرد معنی کے لیے۔ الکلمۃ سے متعلق مختصر معلومات ملاحظہ فرمائیے الکلمۃ کے اندر تین جز ہیں، ایک الف و لام (۲) کلم (۳) تاء۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ الف و لام الکلمۃ میں کون سا ہے سواس کے سلسلے میں آپ ایک دلیل

لیا رکھیں،اور دلیل حصر سے قبل مختصر یہ یادرکھیں کہ اوّلاً الف ولام کی دوقسمیں ہیں ایک اسمی (۲) حرفی۔اسمی وہ ہوتا ہے جواسم فاعل واسم مفعول پرداخل ہوا کرتا ہے جیسے آپ نے نحومیر وغیرہ میں پڑھا ہے الضارب والمضروب اورحرفی وہ ہے جوایسانہ ہوآپ نے الکلمة کودیکھ لیا کہ یہ نہ اسم فاعل ہے نہ اسم مفعول لہٰذا یہ حرفی ہے۔اب سنئے دلیل حصر، وہ یہ کہ الف ولام حرفی دوحال سے خالی نہیں یا تو وہ اپنے مدخول (جس پر داخل ہورہا ہے) کی ماہیت (حقیقت) پر دلالت کرے گا یا افراد پر اگر اول ہے تو الف لام جنسی ہوگا،اگر ثانی ہے پھر دوحال سے خالی نہیں یا تو تمام افراد پر دلالت کرے گا یا بعض پر فالاول استغراقی اور اگر ثانی ہے پھر دوحال سے خالی نہیں وہ بعض افراد خارج میں متعین ہوں گے (متکلم مخاطب کے درمیان متعین ہوں گے) یا نہیں فالاول عهدٌ خارجی - والثانی عهد ذهنی اول کی مثال الرجل خیر من المرأة رجل بہتر ہے عورت سے حقیقت کے اعتبار سے چونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی عورت مرد سے بہتر ہو جیسے تمام صحابیات ورابعہ بصریہ کتنے مردوں سے بہتر ہیں۔الدینار خیر من الدراہم دینار بہتر ہے دراہم سے حقیقت کے لحاظ سے تو ان دونوں امثلہ میں الف لام جنسی کہلائے گا ثانی کی مثال جیسے عالم الغیب والشہادة اللہ ہر غیب وحاضر سب چیزوں کو جانتا ہے تو الغیب و الشهادة میں الف استغراقی ہے کہ غیب اورشہادت کے تمام افراد مراد ہیں،ثالث کی مثال جیسے کسی مدرسہ کے پڑھنے والے طلبہ سے کہا جائے جاء الرئیس مہتمم صاحب آ گئے،تو ظاہر ہے کہ مہتمم سے مراد اسی مدرسے کے مہتمم ہوں گے جس میں وہ طلبہ داخل ہیں،تو رئیس متکلم وسامعین کے درمیان متعین ہے لہٰذا الرئیس پر الف عہد خارجی ہوگا رابع کی مثال جیسے ادخل السوق مارکیٹ میں داخل ہوجا جب کہ کوئی مارکیٹ متکلم ومخاطب کے درمیان متعین نہ ہو تو السوق پر الف لام عہد ذہنی کا ہے یا جیسے اخاف ان یاکله الذئب مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں یوسف کو بھیڑیا نہ کھا جائے،تو یہاں ذئب سے مراد کوئی خاص بھیڑیا نہیں اس لیے الذئب کا الف لام عہد ذہنی کا ہے۔آپ کے سامنے الف لام کی مع امثلہ چاروں قسمیں آ گئیں اب سوال پھر باقی رہا کہ الکلمة کا الف لام کون سا ہے تو یہاں پر الف جنسی یا عہد خارجی ہے،اور وجہ یہ ہے کہ الف لام جنسی ماہیت پر دلالت کرتا ہے اور تعریف جو کی جاتی ہے وہ بھی کسی چیز کی ماہیت اور حقیقت کی ہی کی جاتی ہے،افراد کی نہیں اس لیے کہ افراد تو کسی بھی چیز کے ہوں وہ لامحدود ہوتے ہیں،جیسے انسان کے افراد زید،عمر،بکر۔اربوں کھربوں ہیں،جو لامحدود ہیں،تو افراد کے ذریعہ کن کن افراد کی تعریف کرتے پھروگے،اس لیے الف لام جنسی ہے اب رہی یہ بات جب الف ولام عہد خارجی مانوگے تو یہ اعتراض تو جب بھی ہوگا کہ افراد کی تعریف ہورہی ہے، اس لیے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ افراد کی تعریف تو ہوگی مگر کلمہ کے افراد تو غیر محدود نہیں ہیں بلکہ محدود ہیں،اور وہ تین ہیں،اسم،فعل،حرف۔اس لیے الف لام عہد خارجی بھی مان سکتے ہیں (تا) تا کا تیسرا نمبر ہے مگر ہم جنس کی مناسبت سے دوسرے نمبر پر بیان کرتے ہیں کہ تا کلمہ میں وحدت کے لیے ہے اب فوراً آپ کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوئی

وحدت ایک کو کہتے ہیں اور الکلمة میں آپ نے بتلایا کہ الف لام جنسی ہے۔ اور جنس میں کثرت وعمومیت ہوتی ہے تو پھر الکلمة کے اندر آگ اور پانی کیسے جمع ہوں گے کہ کلمہ جنس بھی ہو اور واحد بھی، مگر ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ بھائی تاء وحدت کی چار قسمیں ہیں (۱) وحدت جنسی (۲) وحدت نوعی (۳) وحدت صنفی (۴) وحدت شخصی یا فردی ان چاروں میں سے وحدت شخصی جنسی کے منافی ہے صرف جنس سے اس کا تال میل نہیں کھاتا باقی سب کی بات بنی رہتی ہے جیسے اہل عرب خوب بولتے ہیں هذا الجنس واحد وذلك الواحد جنس یہ جنس ایک ہے اور وہ ایک جنس ہے ہم نے تا کو وحدت کے لیے مان لیا، چونکہ ہمیں یہ سمجھانا تھا کہ ہماری مراد کلمہ سے خاص کلمہ ہے اور وہ نحویوں کا کلمہ ہے نہ کہ کلمہ شہادت وغیرہ مراد ہے، تیسری چیز کلم ہے، کلم کی بحث کو سمجھنے سے پہلے دو اصطلاح یاد رکھیں ایک ہے جمع، ایک ہے اسم جنس، جمع اس کو کہتے ہیں جس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہو، اور اسم جنس کہتے ہیں جو بغیر تا کے قلیل وکثیر سب پر صادق آئے جیسے درخت، ایک درخت کو بھی کہیں گے اور بہت سے درختوں کو بھی درخت کہیں گے، آمدم برسر مطلب لفظ کلم جمع ہے یا اسم جنس اس سلسلے میں دونوں ہی مذہب ہیں، ایک فریق کہتا ہے کہ اسم جنس ہے دلیل ان کی آیت قرآنیہ ہے إليه يصعد الكلم الطيب (اللہ ہی کے پاس چڑھتے ہیں پاک کلمے) تو دیکھئے اس جگہ الکلم اسم جنس ہے اگر یہ جمع ہوتا تو الطیب تاء کے ساتھ آتا چونکہ صفت ہے الکلم کی اور الکلم جمع ہے اور جمع مونث کے حکم میں ہوا کرتی ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ موصوف صفت میں مطابقت ہوا کرتی ہے۔ تو یہاں اگر الکلم جمع ہوتا تو طیب صفت طيبة یا طيبات تا کے ساتھ ہوتی، اب دوسرا فریق جو جمع کا قائل ہے ان کو جوش پیدا ہوا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے جس بات کو لے کر اعتراض کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ یہاں ایک پرزہ محذوف ہے اور وہ لفظ بعض ہے لہٰذا اب دونوں میں مطابقت ہوگئی، اصل عبارت اس طرح ہے اليه يصعد بعض الكلم الطيب، ایک بات کلمہ کے بارے میں یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ کس سے مشتق ہے سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ کلم بسکون اللام سے مشتق ہے جس کے معنی زخمی کرنے کے آتے ہیں اور کلمہ کے معنی بات چیت کے ہیں، دونوں یعنی مشتق ومشتق منہ میں مناسبت بھی ہے، وہ یہ کہ بعض بات زبان سے ایسی نکل جاتی ہے جو زخم سے بھی تیز ہوتی ہے جیسا کہ مولانا محمد اسماعیل میرٹھی نے کیا خوب کہا ہے ؎

تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا لگا جو زخم زباں کا رہا ہمیشہ ہرا

اس کے سلسلے میں مزید بحثیں اور بھی ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے مطولات کے سپرد کر دیا ہے جن کو ذوق ہو وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللفظ: لفظ کے لغوی معنی آتے ہیں پھینکنا خواہ پھینکنا منہ سے ہو یا غیر منہ سے۔ منہ سے پھینکنے کی مثال جیسے لفظت الكلمة اور غیر منہ سے پھینکنے کی مثال لفظت الرحى الدقيق (چکی نے آٹا پھینکا)۔

اصطلاح: میں لفظ کہتے ہیں ما یتلفظ به الانسان جس چیز کا بھی انسان تلفظ کر سکے، خواہ وہ تلفظ حقیقتاً ہو جیسے زید خالد۔ ضرب وغیرہ خواہ حکماً تلفظ ہو جیسے ضمائر مستترہ جیسے اِضرِب کہ انت اس میں پوشیدہ ہے اور زید ضرب میں ھو ہے، دیکھو یہ دونوں ضمیریں لفظ حقیقی نہیں ہیں کیونکہ حقیقی حرف اور صوت کے مقولہ سے ہوتا ہے اور موضوع لہ ہوتا ہے اور ان میں یہ بات نہیں ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے یہ کہا کہ ضرب واضرب میں جو ضمیر پوشیدہ ہے اس کے لیے لفظ وضع نہیں کیا گیا ہے حالانکہ اس کو ھو اور انت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ھو اور انت جو ضمیریں ہیں منفصل کی تو ان کو ضمائر مستترہ کے لیے بطور استعارہ کے لیا گیا ہے، اس لیے کہ اضرب اور ضرب کے اندر جو ضمیر ہے اس کا تلفظ محال ہے کیونکہ اس کے لیے نحویوں نے کوئی لفظ مقرر نہیں کیا اس لیے انت اور ہو کو مستعار لے کر تلفظ کرنا پڑا۔

وُضع: وضع کے لغوی معنی ہیں رکھنا اور کسی چیز کے تحت کر دینا اصطلاح میں کہتے ہیں کہ ایک شئ کو دوسری شئ کے لیے اس طور پر خاص کر دینا کہ جب شئ اول بولی جائے یا سمجھی جائے تو اس سے شئ ثانی سمجھ میں آ جائے جیسے جوں ہی لفظ زید بولا جاتا ہے تو اس سے ذات زید ہی سمجھ میں آتی ہے نہ کہ کسی اور شئ کی یا جیسے ریل گاڑی کا گائڈ جب ہری جھنڈی دکھلاتا ہے تو اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اب گاڑی چل رہی ہے اور لال کے دکھلانے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گاڑی اب رُکے گی۔ یا جیسے آپ نے بڑے شہروں (مثلاً دہلی وغیرہ) میں ہری اور لال بتی کو دیکھا ہوگا تو ہری بتی علامت ہوتی ہے کہ لائن کلیر ہے گاڑی چلایئے لال بتی سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ خطرہ ہے روڈ خالی نہیں ہے رُک جایئے۔

لمعنی: معنی کے اصطلاحی معنی ہیں ما یقصد بشئ یعنی معنی وہ چیز ہے جس سے کسی چیز کا ارادہ کیا جانا ممکن ہو خواہ وہ الفاظ کے قبیل سے ہو یا غیر الفاظ کے قبیل سے جیسے لفظ زید سے اس کی ذات کا ارادہ کیا جاتا ہے، اور دوالِ اربعہ جو لفظ نہیں ہے، ان سے بھی معنی سمجھ میں آتے ہیں اور دوالِ اربعہ یہ ہیں (۱) خطوط (۲) عقود (۳) نصب (۴) اشارات۔

خطوط کہتے ہیں کہ کسی بھی تحریر کو جو اپنے مضمون پر علامت ہوتی ہے۔ عقود جمع ہے عقد کی، عقود کہتے ہیں انگلیوں کی گرہوں کو کہ ان سے گنتی کا ارادہ کیا جاتا ہے، نصب وہ پتھر جو سڑکوں پر لگا دیئے جاتے ہیں، دوری کو پہچاننے کے لیے، اشارات جو مشارٌ الیہ کے لیے وضع کئے گئے ہیں۔ اب معنی کے لغوی معنی سنئے معنی باب ضرب یضرب سے عنی یعنی ارادہ کرنا معنی کس چیز کا صیغہ ہے اس میں تین صورتیں ہوسکتی ہیں، اول یہ کہ یہ اسم ظرف کا صیغہ ہو (دوم) مصدر میمی ہو (مصدر میمی کہتے ہیں اس اسم کو جو مصدر کے معنی میں ہو اور اس کے شروع میں میم ہو مصدر میمی کی مثال ثلاثی سے مفعل کے وزن پر آتا ہے، مضارع کا عین کلمہ خواہ مفتوح ہو یا مکسور جیسے مورد موعد ثلاثی مجرد کے علاوہ

دوسرے ابوب سے مضارع مجہول کے وزن پر آتا ہے مگر بجائے علامت مضارع کے میم مضمون لگاتے ہیں، جیسے مزدحم مصطبر وغیرہ)۔سوم احتمال یہ ہے کہ یہ مفعول کا صیغہ ہومرمی کے وزن پر کہ اصل میں معنوی تھا واؤ کو یا سے تبدیل کیا پھر یا کی مناسبت سے ضمہ کو کسرہ سے بدل لیا پھر خلاف قیاس ایک یا کو حذف کر کے کسرہ کو فتحہ سے تبدیل کیا پھر یاء کو الف سے، پھر الف کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرادیا معنیً ہو گیا یہاں ایک سوال ہے کہ وضع کے بعد معنی کا ذکر لاحاصل ہے اس لیے کہ جب کوئی چیز کسی چیز کے لیے وضع کی جاتی ہے تو کسی نہ کسی معنی کے لیے ضرور وضع کی جاتی ہے، لہٰذا وضع کے اندر معنی خود آ گئے الجواب وضع کے بعد معنی کا ذکر تجرید پر مبنی ہے اور تجرید کہتے ہیں کسی لفظ سے کچھ معنی کو خالی کر لینا، تو یہاں وضع کے اندر سے معنی کے معنی خالی کر کے اس کے بعد معنی کا ذکر مستقلاً کر دیا۔

مفرد: مفرد کہتے ہیں کہ لفظ کا جزء اپنے معنی کے جزء پر دلالت نہ کرے لفظ مفرد پر تینوں اعراب جاری ہو سکتے ہیں مجرور بھی ہو سکتا ہے اس بناء پر کہ معنی کی صفت ہو مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو مفرد معنی کے لیے (۲) مرفوع بھی ہو سکتا ہے اس وجہ سے کہ لفظ کی صفت ثانیہ ہو اب مطلب ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ مفرد ہے جو موضوع ہو کسی معنی کے لیے (۳) منصوب بھی ہو سکتا ہے اس بناء پر کہ حال ہو وضع کی ضمیر سے، ترجمہ یہ ہوگا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہو معنی کے لیے درانحالیکہ وہ لفظ مفرد ہو۔

نوٹ: مگر یاد رکھیں کہ ان تینوں صورتوں پر اعتراض ہے اول پر یہ کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی فعل یا شبہ فعل کی نسبت ہو رہی ہو کسی شیٔ کی طرف اور وہ شیٔ مقید ہو کسی قید کے ساتھ تو پہلے قید سمجھ میں آتی ہے پھر فعل کی نسبت جیسے رأیت رجلاً جواداً (میں نے کسی سخی مرد کو دیکھا) اب دیکھئے کہ رأیت فعل کی نسبت ہو رہی ہے رجلاً کی طرف اور رجلاً مقید ہے جواداً کی قید کے ساتھ تو پہلے جواد قید سمجھ میں آئیگی، بعد میں فعل کی نسبت یعنی رویت اب یہاں منطبق کیجئے کہ وضع فعل مجہول کی نسبت ہو رہی ہے معنی کی طرف اور وہ مقید ہے مفرد کی قید کے ساتھ تو اس قاعدہ کی رو سے پہلے قید مفرد سمجھ میں آئے گی بعد میں فعل کی نسبت اس لحاظ سے افراد مقدم ہو جائے گا، وضع پر حالانکہ وضع پہلے ہوتی ہے مفرد مرکب ہونا بعد کی چیز ہے۔ دوسری صورت میں جب کہ یہ لفظ کی صفت ثانیہ ہو تو یہ اعتراض ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی کی دو صفتیں ہو ایک صفت جملہ ہو اور دوسری صفت مفرد ہو، تو صفت مفرد مقدم ہوتی ہے، اور صفت جملہ بعد میں حالانکہ یہاں صفت جملہ (وضع) مقدم ہے اور صفت مفرد بعد میں تیسری صورت میں اعتراض یہ ہے کہ جب وضع کی ضمیر سے حال مانیں گے تو حال کو ذوالحال کے متصل ہونا چاہئے اور متصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شیٔ صلاحیت رکھتی ہو فاعل اور مفعول دونوں سے حال بننے کی اور آپ کا ارادہ یہ ہو کہ فاعل سے حال مانیں تو آپ پر یہ ضروری ہوگا کہ حال کو ذوالحال فاعل کے قریب لائیں تاکہ مفعول سے حال ہونے کا اشتباہ ختم ہو جائے دوسرے یہ کہ جب کسی اسم کے آخر میں ۃ اور ہمزہ نہ ہو تو آخر میں الف لکھ دیا جاتا ہے اور یہاں

ایسا کیوں نہیں کیا گیا۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں مجاز مایؤل کے اعتبار سے ایسا کیا گیا جیسے قرآن کریم میں مذکور ہے اِنّیِ اَرَانِیُ اَعۡصِرُ خمۡراً ۔ترجمہ، بے شک میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں حالانکہ وہ شراب نہیں نچوڑ رہا تھا، انگور نچوڑ کر شراب نکال رہا تھا مگر چونکہ آئندہ زمانہ میں انگوروں کی شراب ہونے والی ہے اس لیے اَعۡصرُ خَمۡرًا فرمایا۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ بعض نحاۃ کا مذہب ہے، جمہور نحاۃ کے نزدیک واجب نہیں تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ حال کو فاعل کے قریب ہی رکھیں بلکہ صاحب کشاف وغیرہ نے کہا ہے کہ مفعول کے بعد بھی ذکر کرسکتے ہیں اگر قرینہ موجود ہو اور یہاں یہ قرینہ ہے کہ افراد و ترکیب حقیقتاً لفظ کی صفت ہیں معنی کی مجازاً ہیں اور جب تک حقیقت پر عمل ہوسکتا ہو مجاز پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا وضع سے حال مانا جائے گا۔ اور رہی یہ بات کہ اخیر میں الف کیوں نہ لکھا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ منصوب قطعی کی صورت میں ہے اور یہاں منصوب قطعی نہیں بلکہ دیگر اعرابوں کا بھی احتمال ہے۔

فوائد قیود: کلمۃ کی تعریف میں وضع کی قید فصل اول ہے اس سے الفاظ مہملہ خارج ہوگئے اور وہ الفاظ خارج ہوگئے جو بالطبع دلالت کریں چونکہ وضع کو ایسے الفاظ سے اصلاً کوئی تعلق نہیں اور معنی کی قید فصل ثانی ہے اس سے حروف ہجاء خارج ہوگئے، کیونکہ ان کی وضع کی غرض ترکیب الفاظ کے لیے ہے معنی کے مقابلے میں نہیں مفرد کی قید فصل ثالث ہے اس سے مرکبات خارج ہوگئے خواہ تامہ ہوں یا ناقصہ۔

وَهِیَ مُنۡحَصِرَةٌ فی ثلثة اَقسامٍ اسم وفعل و حَرۡف.

ترجمہ: اور کلمہ منحصر ہے تین قسموں میں (اسم اور فعل اور حرف میں)۔

جب کلمہ کی تعریف سے فارغ ہوگئے اب یہاں سے کلمہ کی تقسیم شروع فرماتے ہیں چنانچہ مصنف نے فرمایا کہ کلمہ باعتبار اپنے مفہوم کے تین قسموں کے اندر منحصر ہے ان میں سے ایک اسم ہے دوسرے فعل ہے، تیسرے حرف ہے، ان تینوں پر دو دو اعراب جاری ہوسکتے ہیں، مجرور ہوں گے ثلثۃ اقسام سے بدل ہونے کی بناء پر اور مرفوع ہوں گے مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مگر مجرور پڑھنا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ حذف ماننے کی ضرورت نہیں پڑتی، تقسیم کے اندر اسم کو فعل وحرف پر اس لیے مقدم کیا کہ اسم کلام میں عمدہ ہے، مسند و مسندالیہ کی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے اور فعل کو حرف پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ فعل کلام عرب میں کلام کا ایک جزء ہوتا ہے یعنی مسند واقع ہوتا ہے اور چونکہ حرف میں ان دونوں میں سے ایک کی بھی صلاحیت نہیں اس لیے اس کو سب سے مؤخر کیا۔

نوٹ: ایک ہے عطف اور ایک ہے ربط اردو زبان میں عطف لفظ اور کو بولتے ہیں اور ربط لفظ ہے کو، اب سمجھئے کہ کبھی عطف مقدم ہوتا ہے ربط پر اور کبھی ربط مقدم ہوتا ہے عطف پر اس کے پہچاننے کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ کبھی کل کی تقسیم ہوتی ہے اپنے اجزاء کی طرف جیسے سکنجبین کہ سکنجبین کہتے ہیں شہد۔ سرکہ، اور پانی کے مجموعہ کو یہاں

یعنی نہیں کہہ سکتے کہ سکنجبین شہد ہے یا سرکہ ہے یا پانی ہے، تو یہاں عطف مقدم ہوگا (اور) ربط (ہے) پر اور کبھی کلی کی تقسیم ہوتی ہے اپنی جزئیات کی طرف جیسے انسان کلی ہے اس کی جزئیات زید عمر بکر وغیرہ ہیں، تو یہاں پر مقسم یعنی کلی کا اطلاق ہوسکتا ہے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان زید ہے عمر ہے، بکر ہے آمدم برسر مطلب یہاں ربط مقدم ہے عطف پر اس لیے کہ کلمہ کلی ہے اور یہ تینوں اس کی جزئیات ہیں۔

لانّھا اِمَّا انْ لا تدُلَّ عَلٰی معنًی فِی نَفْسِھا وھو الحرفُ او تدُلَّ عَلٰی معنًی فی نفسِھا ویقترِن مَعناھَا باحَد الازمنَۃِ الثلٰثۃِ وَھُو الفِعْلُ او تدُلَّ علٰی معنًی فِی نفسِھا ولم یقتَرِنُ معناھَا بہٖ وھُو الاسمُ.

ترجمہ ومطلب: اس سے قبل مصنفؒ نے دعوی کیا تھا کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں سائل نے سوال کیا کہ تین ہی کیوں ہیں کم وبیش کیوں نہیں اس کی دلیل بیان کرو تو یہاں سے مصنف اس کی دلیل حصر بیان فرمارہے ہیں کہ کلمہ یا تو نہیں دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں حاصل ہوں یا دلالت کرے گا اگر دلالت نہیں کرتا مستقل معنی پر تو وہ حرف ہے، اور اگر دلالت کرتا ہے معنی مستقل پر پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو کلمہ کے معنی وضع کے لحاظ سے تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقترن ہوں گے یا نہیں اگر اول ہے تو وہ فعل ہے اور اگر ثانی ہے تو وہ اسم ہے۔

معنی: مجرور ہے تقدیراً یعنی اس کا اعراب تقدیری ہے۔

فی نفسھا: کے اندر دو احتمال ہیں یہ معنی کی بھی صفت ہوسکتی ہے حاصل شبہ فعل کے متعلق ہوکر عبارت اور ترجمہ یہ ہوگا ''اِمَّا انْ لا تدُلَّ عَلٰی معنًی حاصل فِی نَفْسھا ای الکلمۃ'' یعنی یا تو یہ کہ کلمہ نہیں دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو حاصل ہوں اس کی ذات میں اور یہ بھی احتمال ہے کہ فی نفسھا ان لا تدل کے متعلق ہو اور کلمہ فی بمعنی الا ہو، اب مطلب یہ ہوگا ''انْ لا تدُلَّ عَلٰی معنًی فِی نَفْسھا الا بضمّ ضمیمۃ'' یعنی کلمہ نہ دلالت کرے معنی مستقل پر مگر ضمّ ضمیمہ کے ساتھ۔ دلیل کہتے ہیں ما یعرف بہ الشئ کو جس کے ذریعہ کوئی چیز پہچانی جائے اور حصر کہتے ہیں ما یدور بین الإثبات والنفی کو جو چیز نفی اور اثبات کے درمیان دائر ہو دلیل حصر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی دلیل حصر بنانی ہو تو پہلے اس کے اقسام کی تعریفات کو جمع کرلو، پھر ان تعریفات کے مقسم کے احوال کو بیان کرکے اثبات ونفی کے درمیان دائر کردو۔ دلیل حصر کے اندر حرف کو مقدم اور اسم کو مؤخر کیوں کیا، اس کی سب سے بہتر وجہ یہ ہے کہ اگر حرف کو مقدم نہ کریں، تو دلیل میں تکرار لازم آتا ہے جو بلاوجہ کے موزوں نہیں، لِأنھا کے اندر ہا ضمیر کا مرجع کلمہ ہے جو اسم ہے انَّ کا اور ان لاتدل خبر ہے بتاویل مصدر ہوکر۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آرہا ہے جو کہ ناجائز ہے جیسے زید ضربٌ میں ضرب

مصدر کا حمل زید پر نا جائز ہے چونکہ زید خود ضــــــرب نہیں بلکہ ضارب ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک پرلفظ محذوف ہے اور وہ ہے من صفتها اصل عبارت ہے لانها اما من صفتها ان لا تدل ای من صفة عدم دلالتها اب یہ مصدر نہیں رہا بلکہ ذات ہوگیا ذات کا حمل ذات پر ہوا جو کہ جائز ہے۔

تمرینات

کلمہ کی تینوں قسم اسم، فعل اور حرف کی تعریف دلیل حصر کے انداز میں بیان کیجئے۔ (۲) عطف اور ربط میں کیا فرق ہے بیان کیجئے (۳) دلیل حصر کس کو کہتے ہیں اور اس کے بنانے کا کیا طریقہ ہے۔ بیان کیجئے۔

مندرجہ ذیل کلمات میں اسم، فعل اور حرف کی شناخت کیجئے۔

الله یعلم ما فی الصدور – ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا

اللہ دلوں کی سب باتوں کو جانتا ہے — اگر تم اس کلام سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا

القرآن کتاب الله – بعث الله رسوله الی عباده

فَحدّ الاسمِ کلمةٌ تدُلُّ علٰی معنًی فی نفسِها غیر مُقترنٍ باحَدِ الازمنَة الثلٰثةِ اعنِی الماضِیَ والحالَ والاستقبالَ کرجل وعلمٍ.

ترجمہ: اسم کی تعریف وہ ایسا کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرے اور تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ نہ پایا جا رہا ہو اور وہ زمانہ ماضی اور حال و استقبال ہے۔ جیسا کہ رجل اور علم۔

فحد الاسم: فحدّ کے اندر جو فا ہے یہ شرط محذوف کے جواب میں ہے اصل عبارت یہ ہے اذا بَیَّنّا دلیل الحصر فحد الاسم یعنی جب ہم نے دلیل حصر کو بیان کر دیا تو اب اسم کی تعریف بیان کرتے ہیں مگر اس پر یہ سوال ہے کہ ان اقسام ثلاثہ کی تعریف تو خود دلیل حصر میں بیان ہو چکی پھر اب دوبارہ کیوں بیان کرنے لگے، اس کا جواب یہ ہے کہ دلیل حصر میں جو تعریف آئی ہے وہ تھی بطور دلالت التزامی کے چونکہ وہاں اصل مقصود تھا، کلمہ کا اقسام ثلاثہ میں منحصر کرنے کی دلیل بیان کرنا اور یہاں جو تعریف بیان کی جا رہی ہے وہ ہے دلالت مطابقی کے لحاظ سے حد کے لغوی معنی آتے ہیں روکنا تو حد کو بھی حد اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ دخول غیر کو روکتی ہے، بہر حال مصنفؒ یہاں سے اسم کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے وضع کے لحاظ سے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں حاصل ہوں اور وہ معنی ایسے ہوں جو تینوں زمانوں (ماضی، حال، مستقبل) میں سے کوئی زمانہ باعتبار وضع کے اس میں نہ پایا جائے تعریف میں اوپر یہ جو کہا کہ اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو کلمہ کے نفس میں ہوں تو معنی کا کلمہ کے نفس میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کلمہ اس معنی پر بذات خود دلالت کرے، بغیر اس کے کہ اسے کسی

دوسرے کلمہ سے ملنے کی حاجت ہو کیونکہ اسم کے معنی مستقل بالمفہوم ہیں، اس لیے اس کو کسی دوسرے کلمہ سے ملنے کی ضرورت نہیں، مثلاً کرجل وعلم جیسا کہ رجل اور علم۔ یہ دو مثالیں اسم کی بیان فرمائیں ایک کا تعلق ہے اعیان اور جُثث یعنی جاندار شئ سے اور دوسری مثال کا تعلق معانی سے ہے تو دونوں چیزوں کو ذکر کرنے کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں۔

نوٹ: ہم نے اسم کی تعریف بیان کرتے وقت وضع کی قید لگائی ہے اس لیے کہ اگر یہ ملحوظ نہ رکھی جائے تو معترض اعتراض کے لیے کھڑا ہے وہ یہ کہ فوق تحت یمین شمال خلف امام یہ ایسے الفاظ ہیں کہ ہمیشہ اضافت کے ساتھ مستعمل ہوتے ہیں تو گویا کہ یہ مضاف الیہ کے محتاج ہوئے اور جب ان میں احتیاج پائی گئی تو ان کو اسم نہ کہنا چاہئے حالانکہ یہ بالاتفاق اسم ہیں، تو اس کا جواب ہماری لگائی ہوئی قید وضع سے ہو جائے گا، اس طور پر کہ یہ الفاظ وضع کے لحاظ سے مستقل معنی پر دلالت کرتے ہیں اگر چہ عادت مضاف الیہ کے ساتھ استعمال کرنے کی ہوگئی۔ ایسے ہی ہم نے اسم کی تعریف کے دوسرے جزء عدم اقتران کے اندر بھی وضع کی قید ملحوظ رکھی ہے، تاکہ یہ اعتراض نہ ہو کہ آپ کی تعریف نہ تو جامع ہے اپنے افراد کو اور نہ ہی مانع ہے دخول غیر سے اس لیے کہ اس تعریف سے اسماء افعال خارج ہوگئے، کیونکہ اسماء افعال کے اندر زمانہ پایا جاتا ہے اور افعال مقاربہ جن کو افعال منسلخہ عن الزمان کہتے ہیں یعنی ان سے زمانہ سلب کرلیا گیا۔ داخل ہوگئے، کیونکہ اس میں زمانہ نہیں پایا جاتا جیسے عسی کاد وغیرہ تو اس قید سے یہ اعتراض ختم ہو جائے گا، چونکہ ہماری مراد عدم اقتران وضعی ہے اس لیے کہ اسماء افعال میں اصل وضع کے اعتبار سے زمانہ نہیں پایا جاتا بلکہ استعمال میں زمانہ ہے ایسے ہی افعال مقاربہ خارج رہیں گے، اس لیے کہ ان کی وضع میں زمانہ ہے اگر چہ استعمال میں نہیں۔

غیر مقترن: لفظ غیر کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں معنی کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں معنی سے حال ہونے کی وجہ سے۔

وعلامتُهُ صِحّةُ الاِخْبارِ عَنْهُ نحو زَيْدٌ قَائمٌ وَالإضافةُ نحو غُلامُ زيدٍ ودُخولُ لامِ التَّعريفِ كَالرَّجُلِ وَالجَرِّ وَالتَّنوين نحوُ بِزَيدٍ والتَّثنيَةَ وَالجَمْعُ وَالنَّعتُ وَالتَّصغِيْرُ وَالنِّداءُ فانّ كُلَّ هٰذِهٖ خَواصُّ الاسمِ وَمَعْنى الاخبارِ عَنْهُ اَنْ يكُونَ محكوماً عليه لكونهٖ فَاعِلاً اَو مفعُولًا او مُبتداً.

ترجمہ: اور اسم کی علامت مخبر عنہ کا صحیح ہونا ہے جیسے زید قائم اور مضاف ہونا ہے جیسے غلام زید اور لام تعریف کا داخل ہونا ہے جیسے الرجل اور جر اور تنوین کا آنا جیسے بزید اور تثنیہ وجمع کا ہونا اور صفت وتصغیر کا ہونا ندا کا ہونا، پس بے شک یہ سب اسم کے خاصے ہیں اور مخبر عنہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ محکوم علیہ ہو، اس کے فاعل

مفعول یا مبتداء ہونے کی وجہ سے۔

وعلامتہ: اس سے قبل مصنفؒ نے اسم کی تعریف بیان فرمائی مگر چونکہ اسم کی تعریف میں دو تین باریکیاں ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے مبتدی طلبہ کو خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو پا تا جب تک کہ اس کی کچھ علامات نہ بیان کردی جائیں، اس لیے مصنفؒ یہاں سے اسم کی علامتوں کو بیان فرما رہے ہیں تاکہ اس کی حقیقت کامل طور پر سمجھ میں آجائے اور یہ پتہ لگ جائے کہ اسم کیا ہے، فعل کیا اور حرف کیا۔

نوٹ: مصنف نے علامت واحد کا صیغہ استعمال کیا جب کہ بہت ساری علامات بیان فرمائیں گے اس لیے علامات جمع کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ علامت اسم جنس ہے، جو اپنی تمام انواع وافراد کو شامل ہے اس لیے جمع کا صیغہ لانے کی حاجت محسوس نہیں کی۔

صحة الاخبار عنه: فرماتے ہیں کہ اسم کی ایک علامت اس کا مخبر عنہ بننا صحیح ہو یعنی یہ کہ مسندالیہ بنانا صحیح ہو اب رہی یہ بات کہ مسندالیہ ہونا اسم کی علامت کیوں ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسندالیہ اس معنی مستقل بالمفہومیت کی تعیین کے لیے ہے جس پر لفظ مطابقة دلالت کرے اور یہ معنی صرف اسم کے اندر پائے جاتے ہیں فعل وحرف کے اندر نہیں، اس لیے کہ فعل اگرچہ معنی مستقل پر دلالت تو کرتا ہے مگر مطابقة نہیں بلکہ تضمناً اور رہا آپ کا حرف تو وہ تو معنی مستقل ہی نہیں رکھتا، لہٰذا مخبر عنہ (مسندالیہ ہونا) اسم کی علامت قرار پایا جیسے زید قائم میں زید مسندالیہ ہے اور قائم اسم فاعل مسند ہے۔

والاضافة کغلام زید: یہاں اضافت سے مراد مضاف ہے بہرحال مصنفؒ فرماتے ہیں کہ کسی شئ کا مضاف بتقدیر حرف جر ہونا یہ بھی اسم کی علامت ہے، سوال مضاف ہونا کیوں اسم کی علامت ہے الجواب اضافت کے تین مقصد ہوتے ہیں اضافت معنوی میں تعریف مقصود ہوتی ہے یا تخصیص اور اضافت لفظی میں تخفیف اور یہ تینوں چیزیں اسم ہی کے ساتھ خاص ہیں پس ان پر دلالت کرنے والا بھی اسم ہی کے ساتھ خاص ہوگا۔

نوٹ: ہم نے مضاف بتقدیر حرف جر ہونا اسم کی علامت مانا ہے جیسے غلام زید کہ دراصل غلام لزید تھا رہا مضاف بذکر حرف جر یہ فعل کے اندر بھی پایا جاتا ہے جیسے مررت بزید کے اندر مررت مضاف ہے بواسطہ حرف جر کے زید کی طرف۔

ودخول لام التعریف کالرّجل: اور لام تعریف کا داخل ہونا بھی اسم کی علامت ہے، جیسے کہ الرجل، اور وجہ لام تعریف کے اس کی علامت ہونے کی یہ ہے، لام رفع ابہام کے لیے ہوتا ہے اور رفع ابہام کی ضرورت اسم کو ہوتی ہے نہ کہ فعل وحرف کو، فعل کو اس وجہ سے نہیں کہ فعل خبر ہوتا ہے اور خبر کو واضع نے وضع کیا ہے کہ وہ نکرہ ہو، اور رہا حرف تو وہ تو معنی مستقل ہی نہیں رکھتا جس سے اس کو ان معنی مستقل کی تعریف وتعیین کی طرف اشارہ

نے کی ضرورت واقع ہو۔

نوٹ: مصنفؒ نے بتلایا کہ صرف لام تعریف اسم کا خاصہ ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوجانا چاہئے کہ علاوہ ازیں جتنے بھی لام ہیں وہ اسم کا خاصہ نہ ہوں گے، جیسے لام ابتداء اور لام جواب اور لام امر۔

سوال: ہم اب تک نحو میر وغیرہ میں پڑھتے چلے آئے کہ الف ولام دونوں تعریف کے لیے مستعمل ہیں، دونوں اسم کی علامت ہیں آج صاحب ہدایۃ النحو نے بتلایا کہ صرف لام ہی تعریف کے لیے آتا ہے جو اسم کی علامت بنتا ہے؟

الجواب: دراصل اس سلسلے میں اختلاف ہے امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ حرف تعریف صرف لام ہے، اور الف کو لایا گیا ابتداء بالسکون کے متعذر رہونے کی وجہ سے، امام خلیلؒ فرماتے ہیں کہ دونوں ہیں، اور امام مبرد فرماتے ہیں کہ حرف تعریف صرف الف ہے اور لام کو جو لاتے ہیں وہ حرف تعریف اور ہمزۂ استفہام کے درمیان فرق کرنے کے لیے اور مصنفؒ کے نزدیک چونکہ سیبویہ کا مسلک مختار ہے اس وجہ سے فرمایا لام التعریف۔

والجر والتنوین: ان دونوں کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں دخول پر عطف کر کے اور مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں لام پر عطف مان کر، مطلب یہ ہے کہ جر اور تنوین کا لاحق ہونا بھی اسم کی علامت ہے جیسے بزید ان دونوں کے اسم کی علامت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جر اثر ہے حرف جر کا اور حرف جر خاص ہے اسم کے ساتھ لہٰذا حرف جر کا اثر بھی خاص ہوگا اسم کے ساتھ ورنہ اثر اور مؤثر کے درمیان انفصال (جدائی) لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے اس وجہ پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس کے ساتھ موثر خاص ہو، اثر بھی اس کے ساتھ خاص ہو، جیسے أنْ مصدریہ اور لن یہ دونوں فعل کے ساتھ خاص ہیں اور ان دونوں کا اثر نصب ہے حالانکہ نصب فعل کے ساتھ خاص نہیں وہ اسم کے اندر بھی پایا جاتا ہے تو اثر اور موثر کے درمیان انفصال تو پایا گیا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اثر اور مؤثر میں انفصال تو ہوسکتا ہے مگر جب کہ اثر کے مؤثرات مختلف ہوں مثلاً نصب جیسا کہ نصب اثر ہوسکتا ہے ان لن کا ایسے ہی ان کے علاوہ مثلاً حروف مشبہ بالفعل کا بہرحال جب کہ اثر کا مؤثر خاص ہو تو دونوں ایک ہی کے ساتھ خاص ہوں گے تو یہاں جر کا جو مؤثر ہے وہ صرف حرف جر ہے، یعنی حرف جر صرف اسم کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس کا مؤثر بھی اسم کے ساتھ خاص ہوگا۔

التنوین: تنوین کہتے ہیں اصطلاح میں اس نون ساکن کو جو کلمہ کی آخری حرکت کے تابع ہو مگر تاکید فعل کے لیے نہ ہو تنوین بھی صرف اسم کی علامت ہے اس لیے کہ تنوین اپنے مابعد انفصال کو چاہتی ہے اور فعل اپنے فاعل کے ساتھ اتصال کو چاہتا ہے اور اتصال وانفصال میں منافات (تضاد) ہے اس لیے تنوین اسم کا خاصہ قرار پائی۔

نوٹ: تنوین کی پانچ قسمیں ہیں اول تمکن جو اسم کے متمکن یعنی منصرف ہونے پر دلالت کرے جیسے

اسی تنوین کو تنوین صرف بھی کہتے ہیں (۲) تنوین تنکیر وہ ہے جو اسم کے نکرہ ہونے پر دلالت کرے جیسے صہ ای اسکت سکوتاً ما فی وقتٍ مّا کسی بھی وقت میں خاموش رہ اور اگر صہ بغیر تنوین کے ہو تو معنی ہوں گے اُسکت السکوت الآن ابھی خاموش رہ (۳) تنوین عوض جو مضاف الیہ کے عوض میں آئے جیسے یومئذ حینئذ کہ دراصل یوم اذ کان کذا وحین اذ کان کذا تھا (۴) تنوین مقابلہ ہے جو جمع مؤنث سالم کے اندر ہوتی ہے جمع مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں جیسے مسلمات (۵) تنوین ترنم وہ ہے جو اشعار اور ابیات کے آخر میں آتی ہے جیسے

اَقِلِّی اللّوم عاذل والعتابن   وقولی اِن اصَبتُ لقد اصَابَن

کم کردے اے عاذلہ ملامت اور عتاب کو اور کہہ دے تو اگر میں ٹھیک کہوں کہ البتہ ٹھیک کہا، آپ کو یاد رہے کہ ان پانچ قسموں میں سے پہلی چار اسم کے ساتھ خاص ہیں، اخیر کی پانچویں فعل کے اندر بھی پائی جاتی ہے جیسا کہ آپ نے شعر میں ملاحظہ فرمایا۔

والتثنية والجمع والنعت: تثنیہ اور جمع ہونا بھی اسم کی علامت ہے اس لیے کہ فعل اس ماہیت پر دلالت کرتا ہے جو قلت وکثرت سے خالی ہو، اور فعل میں قلت وکثرت نہیں پائی جاتی اور بظاہر آپ کو جو فعل تثنیہ وجمع نظر آتا ہے وہ تثنیہ وجمع فعل نہیں ہوتا بلکہ فاعل ہوتا ہے جو ضمیر بارز ہے۔ اور نعت بھی اسم کی علامت ہے چونکہ نعت آتی ہے کسی چیز کی تعریف وتخصیص یا توضیح کے لیے اور یہ سب چیزیں اسم میں پائی جاتی ہیں فعل ان سے خالی ہوتا ہے اس لیے یہ اشیاء ثلثہ اسم کی علامت ہیں۔

والنداء: اور نداء بھی خاص ہے اسم کے ساتھ اس لیے کہ ندا اثر ہے حرف نداء کا اور حرف نداء خاص ہے اسم کے ساتھ لہٰذا اثر بھی خاص ہوگا، اسم کے ساتھ ورنہ تو وہی اثر کا مؤثر سے مخالف ہونا لازم آئے گا اور یہ ممتنع ہے۔

فانّ کل هذه خواصُ الاسم: فرماتے ہیں کہ یہ سب اسم کے خاصے اور علامتیں ہیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ علامتوں میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا پھر اس عبارت کی کیا ضرورت باقی رہ گئی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان علامتوں میں سے بہت سی تو مشہور ہیں، استعمال کے لحاظ سے اور بہت سی مشہور نہیں ہیں ظاہر کے لحاظ سے تو بعض طلبہ کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ یہ اسم کی علامتیں نہیں ہیں تو اس وہم کو دفع کرنے کے لیے صراحتاً کہنا پڑا کہ یہ سب اسم کی علامتیں ہیں۔

وَمَعْنی الاخبَارِ عَنْهُ اَنْ یکُونَ محکوماً عَلیه لکونهٖ فَاعِلاً اَو مفعُولًا او مُبتداً.

اسم کی علامتوں کے شروع میں اخبار عنہ کا جو لفظ آیا تھا یہاں سے مصنف اس کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ اخبار عنہ محکوم علیہ یا مسند الیہ کو کہتے ہیں پھر یہ محکوم علیہ کبھی فاعل ہوتا ہے اور کبھی مفعول مالم یسم فاعلہ ہوتا ہے اور کبھی مبتداء ہوتا ہے اور ایسے ہی حال تمیز موصوف وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جو کلمہ کسی جملہ میں فاعل

یا ابتداء ہو یا مفعول مالم یسم فاعلہ وغیرہ ہو وہ اسم ہی ہو گا فعل اور حرف نہ ہو گا۔

ویُسَمّٰی اسمًا لسُمُوِّہٖ عَلٰی قسیمیہ لا لِکونہٖ وسمًا علی المعنٰی.

ترجمہ: اسم کو اسم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے دو قسیم پر بلند ہوتا ہے نہ کہ اسم کو اسم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے معنی کے لیے علامت ہوتا ہے۔

یہاں سے اسم کی وجہ تسمیہ بیان فرماتے ہیں کہ اسم مشتق ہے سمو سے اور سموٌ کے معنی ہیں بلندی کے تو اسم کو اسم بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اپنے دونوں قسیم یعنی فعل و حرف پر بلند ہوتا ہے اس لیے کہ یہ مسند الیہ اور مسند دونوں ہوتا ہے اور فعل صرف مسند اور حرف نہ مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ یعنی اسم ایک ایسی نوع ہے جو اکیلا بغیر فعل و حرف کے ملائے مرکب ہو جاتا ہے اور فعل و حرف سے جب تک کلام نہیں بنتا جب تک کہ اس کے ساتھ دوسرا کلمہ اسم کو نہ ملایا جائے، اب رہی یہ بات کہ سمو سے اسم کیسے بنا تو اس سلسلے میں یہ یاد رکھیں کہ سمو سے واؤ کو حذف کر دیا اور سین کی حرکت میم کو دے دی اب ابتداء بالسکون کے محال ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصلی شروع میں لے آئے اسم ہو گیا یہ مذہب نحاۃ بصرہ کا ہے آگے لا لکونہ سے کوفیین کے مذہب کو بیان فرما کر اس کی تردید فرما رہے ہیں۔ بہر حال کوفیین فرماتے ہیں کہ اسم وسم سے ماخوذ ہے جس کے معنی علامت کے ہیں، تو اسم کو اسم بھی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنے مسمی کے لیے علامت ہوتا ہے پھر وسم سے اسم کیسے بنا تو کہتے ہیں کہ وسم سے واؤ کو حذف کر کے ہمزۂ وصلی شروع میں لے آئے، مگر چونکہ یہ مذہب ضعیف ہے اس لیے مصنف نے لالکونہ فرما کر تردید فرمائی، وہ اس طرح کہ اگر اسم کو اسم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اپنے مسمی کے لیے علامت ہوتا ہے، تو فعل کو بھی اسم کہنا چاہئے، چونکہ وہ بھی اپنے مسمّٰی کے لیے علامت ہوتا ہے۔

نوٹ: یہ تین الفاظ ہیں ایک مُقسم (۲) قسم جس کی جمع اقسام آتی ہے (۳) قسیم، مُقسم کہتے ہیں جس کی تقسیم کی جاتی ہو جیسے کلمہ ہے اس کی تین قسمیں ہیں، تو کلمہ کو مُقسم کہیں گے اور شئ کی قسم وہ کہلاتی ہے جو اس چیز سے خاص ہو جس کی وہ قسم ہے جیسے اسم قسم ہے کلمہ کی اور کلمہ سے خاص ہے اور شئ کی قسیم وہ چیز کہلاتی ہے جو کہ دوسری شئ کے مقابلہ میں ہو اور وہ مقابل شئ مذکور کے ساتھ امر عام کے تحت داخل ہو جیسے کہ اسم خاص ہے کلمہ سے اور مقابلہ میں ہے حرف و فعل کے اور حرف و فعل کے ساتھ کلمہ کے تحت داخل ہے تو اسم کلمہ کی قسم ہوا اور حرف و فعل کا قسیم ہوا۔

مندرجہ ذیل جملوں کی ترکیب بیان کیجئے ساتھ ہی علامت اسم کی بھی تعیین کیجئے: **تعلیمُ القرآن واجبٌ، قرء ماجدٌ، الرجل خيرٌ من المرأة، مدرسة احياء العلوم الصديقية مدرسة كبيرة، الأستاذان عطوفان، تلاميذ المدرسة صالحون، رئيس المدرسة رجلٌ صالحٌ، بسم الله الرحمن الرحيم، أعوذ بالله من الشيطن الرجيم، يا بنى، اقم الصلوة، قُلَيْمُ زيد جميل** ۔ نیز اسم کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے

ساتھ ہی مقسم، اقسام، قسیم کی تعریف بھی بیان کیجئے۔

وحدُّ الفِعْلِ كَلمةٌ تدُلُّ على معنًى في نفسِها دلالةً مقترِنةً بزمَانٍ ذٰلکَ المعنٰی کضَربَ یَضرِبُ اِضْرِبْ.

ترجمہ ومطلب: جب مصنفؒ اسم کی تعریف اور اس کی علامتوں کے بیان سے فارغ ہو گئے، تو اب یہاں سے فعل کی تعریف بیان فرما رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ فعل ایسا کلمہ ہے جو دلالت کرے مستقل معنی پر اور وہ دلالت ایسی ہو جو مقترن ہو اس معنی مستقل کے زمانہ کے ساتھ یعنی کہ کلمہ کے معنی کسی دوسرے کلمہ کے ملائے بغیر ہی سمجھ میں آ جائیں اور ان معنی میں تینوں زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ بھی پایا جا رہا ہو، جیسے ضرب کے اندر زمانہ ماضی ہے، یضرب کے معنی میں زمانہ حال ہے اور اضرب کے اندر خالص زمانہ استقبال ہے۔

نوٹ: فعل کی تعریف میں بھی وضع کی قید ملحوظ رکھیں تا کہ وہ اعتراض نہ ہو کہ اسماء افعال اس تعریف میں داخل ہو گئے، اور افعال مقاربہ خارج ہو گئے، تو وضع کی قید سے یہ اعتراض ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ اسماء افعال کے اندر وضع کے لحاظ سے زمانہ نہیں پایا جاتا ہے اور افعال مقاربہ میں بلحاظ وضع زمانہ پایا جاتا ہے، اس لیے اسماء افعال فعل کی تعریف سے خارج اور افعال مقاربہ داخل ہی رہیں گے۔

وعلامته اَنْ يصح الاخبار به لاعنه۔

یہاں سے فعل کی علامتوں کو بیان فرماتے ہیں، بیان کیا کہ ایک علامت یہ ہے کہ کسی شیٔ کا مخبر بہ بننا صحیح ہو مخبر عنہ بننا صحیح نہ ہو اس عبارت کو سمجھنے کے لیے دو باتوں کا جاننا ضروری ہے اول مخبر بہ و مخبر عنہ کے معنی مخبر بہ کہتے ہیں جس کے ذریعہ خبر دی جائے اور مخبر عنہ جس کے بارے میں خبر دی جائے، جیسے **زید ن العالم** کے اندر زید کے بارے میں عالم ہونے کی خبر دی جا رہی ہے تو زید مخبر عنہ اور العالم مخبر بہ ہے، اس کو محکوم علیہ و محکوم بہ بھی کہتے ہیں، اور مسند و مسند الیہ بھی دوسری بات یہ سمجھیں کہ مخبر بہ (مسند) کی دو قسمیں ہیں ایک مخبر بہ وہ ہے جس میں مخبر عنہ کے بھی بننے کی صلاحیت ہو اور ایک وہ ہے جس میں صرف مخبر بہ بننے کی صلاحیت ہے مخبر عنہ بننے کی صلاحیت نہیں جیسے **زیدن العالم** عالم مخبر بہ ہے مگر اس میں یہ بھی صلاحیت ہے کہ یہ کسی وقت مخبر عنہ بن جائے، جیسے العالم مقبول عند اللہ کے اندر عالم مخبر عنہ بن گیا، دوسرے کی مثال جیسے کتب زید کتب مخبر بہ ہے یہ صرف مخبر بہ ہی بن سکتا ہے مخبر عنہ نہیں اب آپ سمجھیں مصنفؒ کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ چیز جو صرف مخبر بہ بن سکتی ہو مخبر عنہ بننا بالکل صحیح نہ ہو وہ فعل کی علامت ہے۔

ودخول قد: فرماتے ہیں کہ قد کا کسی کلمہ پر داخل ہونا بھی فعل کی علامت ہے اور وجہ یہ ہے کہ قد وضع کیا گیا ہے اس لیے کہ اگر وہ ماضی پر داخل ہو تو فعل ماضی کو حال کے قریب کر دے، اور اگر مضارع پر داخل ہو تو تقلیل (قلت) کے معنی پیدا کر دے، یا اس لیے موضوع ہوا کہ تحقیق کے معنی پیدا کر دے، اور آپ جانتے ہیں کہ یہ تینوں

چیزیں فعل میں ہی پائی جاتی ہیں،لہٰذاقدفعل کی علامت قرار پایا۔

والسین وسوف : اورسین وسوف کا داخل ہونا بھی فعل کی علامت ہے اس لیے کہ سین آتا ہے۔استقبال قریب کے لیےاورسوف استقبال بعید کے لیےاوراستقبال فعل میں ہوتا ہےلہٰذادونوں فعل کی علامت قرار پائے۔

نوٹ: سین کی چھ قسمیں ہیں(۱)برائے طلب استخرجتہ میں نے اس کا نکالنا طلب کیا(۲)کسی چیز کوکسی صفت پر پانے کےواسطےجیسے استعظمته میں نے اس کوعظیم صفت پر پایا(۳)برائے تحویل(بدلنے کےواسطے) جیسے استحجر الطین مٹی پتھر سے تبدیل ہوگی(۴)برائے استقبال جیسے سیضرب(۵)سین زیادت جیسے اسطاع یسطیع بمعنی فرمانبرداری کرنامطیع ہونا۔یہ اقسام پنجگانہ جوآپ کے سامنے بیان کی گئیں یہ سب فعل کے ساتھ خاص ہیں(۶)وہ سین جوک ٔمؤنث کے آخرمیں لاحق ہوتا ہےجیسے مَرَرْتُ بِکَس اس سین کا نام سین سکتہ اورسین وقف بھی ہوتا ہے یہ چھٹی قسم اسم کے ساتھ خاص ہےاب یادرکھیں کہ چونکہ سین کی چھ قسمیں ہیں جن میں سے آخری اسم کے ساتھ خاص ہے اسی وجہ سے سین کومعرف باللام لائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ جوسین فعل کی علامت ہےوہ یہ پانچ قسمیں ہیں۔

والجزم: اورجزم کالاحق ہونا بھی فعل کی علامت ہےجیسے لم یَضْرِب وَلَمَّا یضرب لِیَفْعَل وَلا تَفْعَلْ وَاِنْ تَفْعَلْ اَفْعَلْ اب رہا یہ سوال کہ جزم فعل کی علامت کیوں ہےتواس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ جزم اثر ہے جازم کااوروہ خاص ہےفعل کے ساتھ لہٰذااثربھی خاص ہوگافعل کے ساتھ ورنہ اثرومؤثر کے درمیان تخلف لازم آئے گا جوکہ ناجائز ہے۔

والتصریفُ الی الماضِی والمُضَارِع،اورماضی ومضارع کے صیغوں کی طرف گردان کا ہونا بھی فعل کی علامت ہےوجہ ظاہر ہے۔

وکونُہٗ امرا او نَهْيًا.

اورفعل کاامرونہی ہونا سوال مصنف نے الامروالنہی کیوں نہ کہا کہ اس سے عبارت بھی مختصرہوجاتی الجواب یہ طویل عبارت اس لیے اختیار کی کہ چونکہ امرونہی فعل مضارع سے مشتق ہوتے ہیں توتصریف امرونہی کی طرف نہیں ہوگی،بلکہ مضارع کی طرف ہوگی پھراس سے مشتق ہوں گے۔

واِتّصالُ الضمائِرِ البارزَۃ المرفوعَۃ.

اورضمیربارزمرفوع متصل کاہونا بھی فعل کی علامت ہےجیسے''ضربت ضربنا''اوروجہ یہ ہے کہ یہ سب فاعل کی ضمیریں ہوتی ہیں اورفاعل فعل کاہوتا ہے یافروع فعل کافروع فعل سے مراد ہے شبہ فعل یعنی اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ وغیرہ۔

نــوٹ: فاعل اگرچہ فعل وفروع فعل دونوں کا ہوتا ہے مگر ضمیر بارز صرف فعل کے ساتھ خاص ہے اور وجہ خصوصیت یہ ہے کہ اگر فروع فعل کو بھی ضمیر بارز دی جائے تو فعل کے ساتھ مساوات لازم آئے گی تو اس وجہ سے ایک درجہ نیچے رکھا ہاں البتہ ضمیر مستتر چونکہ عام ہے اس لیے اس کو دونوں کے ساتھ وابستہ کردیا۔

وتــاء التــانيث الســاكنة، اس عبارت کا عطف ہے ضمائر کے اوپر تو مطلب یہ ہوگا کہ تاء تانیث ساکنہ کا متصل ہونا بھی فعل کی علامت ہے جیسے ضربت اور رہی تاء متحرکہ تو وہ اسم کے ساتھ خاص ہے اور خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ کلام میں اسم خفیف ہے اور فعل ثقیل اور خفیف ثقیل کا تقاضہ کرتا ہے اور ثقیل خفیف کا لہٰذا تاء متحرکہ اسم کو عطاء کی گئی اور ساکنہ کے ساتھ فعل کو نوازا گیا تاکہ اعتدال قائم رہے۔

ونون التاكيد.

اور تاکید کے دونوں نون ثقیلہ وخفیفہ بھی فعل کے ساتھ خاص ہیں اور وجہ خصوصیت یہ ہے کہ ان دونوں کی وضع اس لیے ہوئی ہے تاکہ امر اور مضارع میں تاکید کے معنی پیدا کریں۔

فاِنَّ كُلَّ هٰذهِ خَواصُّ الفِعْل.

فرماتے ہیں کہ جتنی علامات ہم نے مندرجہ بالا عبارت میں بیان کیں یہ سب فعل کے خواص ہیں، اس سلسلے میں یہ بحث کہ جب علامات سب بیان کردیں تو اس جملہ کے اعادہ کی کیا ضرورت ہے تو یہ بحث ہم اسم کی تعریف میں بیان کرچکے ہیں، وہیں پر ملاحظہ فرمائیں یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

وَمعنى الاخبارِ بهٖ ان يكون محكومًا بهٖ.

آپ یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ تمام افعال اخبار بہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لہٰذا جب یہ سب میں صلاحیت نہیں تو سب کے سب فعل کی علامت بھی قرار نہیں دیئے جاسکتے، جیسا کہ امر ونہی استفہام شرط وجزاء چونکہ امر ونہی اخبار کی قسم میں سے نہیں ہیں، بلکہ از قبیلۂ انشاء ہیں، اس لیے مصنف اخبار بہ کے ایسے معنی بیان کررہے ہیں جو تمام افعال کو شامل ہوں اور وہ معنی یہ ہیں کہ مراد اخبار بہ سے محکوم بہ ہے اور یہ بات چونکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ افعال بھی محکوم بہا ہوتے ہیں یعنی ان کی بھی کسی نہ کسی چیز کی طرف اسناد کی جاتی ہے مثلاً اضرب میں ضرب کی اسناد ضمیر انت مخاطب کی طرف ہے۔

ويُسمّٰى فعلاً باسمِ اصْلِهٖ وهُو المَصْدرُ لانَّ المَصْدَر هو فعلُ الفاعِلِ حقيقةً.

تــرجــمــه: اور فعل کا نام فعل رکھا جاتا ہے اپنی اصل کے نام کے ساتھ اور وہ مصدر ہے اس لیے کہ مصدر حقیقت میں فاعل کا فعل ہے۔

تشريح: یہاں سے مصنفؒ فعل کی وجہ تسمیہ بیان کررہے ہیں مگر اس سے قبل آپ یہ سمجھیں کہ فعل دو قسم

کلمہ ہے ایک لغوی دوم اصطلاحی فعل کے لغوی معنی ہیں کردن کرنا یعنی یہ کہ فعل مصدر ہے اور فعل اصطلاحی کہتے ہیں کسی چیز کو ایک معنی مصدری (حدث) دوم نسبت زمانی سوم نسبت کسی معین فاعل کی طرف اب سمجھئے کہ فعل اصطلاحی کو فعل اس لیے کہتے ہیں کہ یہ فعل لغوی کو شامل ہے یعنی حقیقت میں فعل مصدر ہی کو کہتے ہیں مگر وہ فعل اصطلاحی کا ایک جزء ہے تو اس جزء کے نام سے کل کو موسوم کردیا یہی بات مصنف نے اپنے ان الفاظ میں بیان فرمائی کہ فعل کا فعل نام رکھا جاتا ہے اپنی اصل یعنی مصدر کے نام سے اس لیے کہ مصدر حقیقت میں فاعل کا فعل ہے۔

تمرین:

مندرجہ ذیل جملوں کی ترکیب بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ واضح کیجئے کہ ہر جملہ میں علامات فعل میں سے کون سی علامت پائی جارہی ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُوْنَ، سَيَعْلَمُ الكُفَّارُ، سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔

فسوف ترى اذا انكشف الغبار، كلا سوف تعلمون. ليتذكر الانسان ما سعى،

تجھے عنقریب معلوم ہوجائے گا جب غبار چھٹ جائے گا۔

اشكروا نعمة الله ، لاتحزن عليهم، آپ ان پر مغموم نہ ہوں۔ نصرت من احسن اليک.

عرفتِ ما انا بصاحب هذا، لتسئلن يومئذ عن النعيم.

اس نے پہچان لیا کہ میں اس کام کا آدمی نہیں ہوں۔ اس دن تم سے ضرور بالضرور نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ نیز فعل کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

وحَدُّ الحرفِ كلمَةٌ لا تدُلُّ علىٰ معنًى فى نفسِهَا بَل تدُلُّ علىٰ مَعْنًى فِى غيرها نحو مِن فانَّ مَعْنَاهَا الابتداءُ وهى لا تدل عليه الا بعدَ ذكرِ ما منهُ الابتداءُ كالبصرةِ والكوفةِ مثلاً تقولُ سِرتُ مِن الْبَصرة الى الكوفةِ.

یہاں سے مصنفؒ کلمہ کی تیسری قسم حرف کی تعریف بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ حرف وہ کلمہ ہے جو نہ دلالت کرے معنی مستقل پر بلکہ اپنے معنی پر دوسرے کلمہ کے ساتھ مل کر دلالت کرے گویا کہ اپنے معنی کے دینے میں دوسرے کلمہ کا محتاج ہو۔ مثال سے اس کی وضاحت ہوجائے گی (نحو من) مثال کے سمجھنے سے قبل ایک فارمولہ سمجھ لیجئے وہ یہ کہ ابتداء کی دو قسمیں ہیں ایک ابتدائی کلی دوم ابتدائی جزئی۔ ابتداء کلی کہتے ہیں، اُس ابتداء کو جو کسی قید مثلاً بصرہ کوفہ وغیرہ کی قید کے ساتھ مقید نہ ہو بلکہ ابتداء کے معنی بذات خود دے جیسے لفظ ابتداء بمعنی شروع کرنا تو لفظ ابتداء سے شروع کرنے کے معنی سمجھ میں آرہے ہیں، بغیر کسی اور کلمہ کو ملائے ہوئے تو گویا کہ یہ ابتداء تو مستقل بالمفہومیت ہے۔ دوسرے ہے ابتداء جزئی۔ ابتداء جزئی کہتے ہیں اس ابتداء کو جو کسی قید کی محتاج ہو مثلاً ابتداء کے معنی دینے میں

بصرہ وکوفہ کی قید کی محتاج ہو اس قسم کی ابتداء مستقل بالمفہومیت نہیں کہلاتی ہے، یعنی بغیر دوسرے کلمہ کو ملائے معنی سمجھ میں نہیں آتے، مصنفؒ کی عبارت میں ابتداء کے یہی معنی مراد ہیں، اب عبارت کو سمجھئے کہ مثلاً لفظ مِنْ کہ اس کے معنی ابتداء کے ہیں اور یہ مِن ابتداء کے معنی پر اس وقت دلالت کرے گا جب کہ اس چیز کو ذکر کیا جائے، جس سے ابتداء کی جارہی ہے مثلاً بصرہ سے یا کوفہ سے یعنی متعلق کو ذکر کرنے کے بعد ابتداء کے معنی سمجھ میں آئیں گے مثلاً ''سِرتُ مِن البَصرۃ الی الکوفۃِ'' تو اس مثال میں بصرہ سے ابتداء ہوئی سیر کی اور کوفہ پر منتہی ہوئی۔

نوٹ: حرف کی اس تعریف کے اوپر اعتراض ہوتا ہے کہ اس تعریف کے لحاظ سے اسماء لازم الاضافت بھی حروف کی تعریف میں داخل ہوجاتے ہیں چونکہ وہ بھی اپنے متعلق کے ذکر کئے بغیر اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتے تو ان کو بھی حرف کہنا چاہئے جیسے اولو مال وغیرہ۔ الجواب اصل بات یہ ہے کہ واضع نے حروف کو وضع کرتے وقت اس کے متعلق کے ذکر کی شرط لگائی ہے اسماء لازم الاضافت کو وضع کرتے وقت اس کے متعلق کے ذکر کی شرط نہیں لگائی ہے اور یہی حال ہے اسماء موصولات اور اسماء اشارات وضمائر غائب کا کہ یہ تینوں بھی وضع کے لحاظ سے اپنے معنی پر دلالت کرتے ہیں اگرچہ استعمال کے لحاظ سے دلالت نہیں کرتے۔

وعلامتُهٗ ان لا یصِحَّ الاخبار عنهُ ولا بهٖ وان لا یقبلَ عَلاماتِ الأسماء ولا علاماتِ الافعالِ

ترجمہ: اور اس کی علامت یہ ہے کہ نہ صحیح ہو اس کا مخبر عنہ بننا اور نہ مخبر بہ اور یہ کہ نہ قبول کرے وہ اسم کی علامات کو اور نہ افعال کی علامات کو۔

یہاں سے حرف کی علامت بیان فرماتے ہیں۔ حرف کی علامت یہ ہے کہ نہ صحیح ہو اس کا محکوم علیہ اور محکوم بہ بننا اور یہ کہ وہ نہ قبول کرے اسم کی علامتوں کو اور نہ فعل کی علامتوں کو۔ ظاہر ہے کہ جو کلمہ ایسا ہو کہ اسماء وافعال کی کوئی علامت قبول نہ کرتا ہو تو وہ حرف ہی ہوسکتا ہے۔

وللحرف فی کلامِ العَرب فوائدُ.

ترجمہ: اور حرف کے کلام عرب میں بہت سے فائدے ہیں۔

تشریح: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جو نہ مسند ہو اور نہ مسند الیہ اور نہ اسم وفعل کی کوئی علامت قبول کرتا ہو تو وہ تو بیکار ہے اس سے بحث کرنا بے فائدہ ہے، تو مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ یہ الگ بات ہے کہ وہ نہ مسند الیہ ہوتا ہے اور نہ مسند مگر حرف کے علاوہ ازیں کلام عرب میں بہت سے فوائد ہیں۔

کالرَّبُط بیْنَ الاسمین نحو زیدٌ فی الدار .

جیسا کہ ربط پیدا کر دیتا ہے دو اسموں کے مابین جیسا کہ مثال مذکور میں زید کا ربط و تعلق دار کے ساتھ قائم ہوا۔ فی حرف کے ذریعہ سے اس لیے کہ اگر بغیر فی کے زید الدار کہا جاتا تو زید کا گھر میں استقرار (ٹھہرنا) سمجھ میں نہ آتا۔

او الفِعلَیْن نحو اُرِیدُ أن تضرِبَ.

دوسرا فائدہ یہ کہ مثلاً یہ ربط پیدا کر دیتا ہے دو فعل کے درمیان جیسے اُرید اَن تضرب مثال مذکور میں حرف أن نے اُریدُ و تضرب دونوں کے درمیان یہ ربط پیدا کر دیا کہ تضرب کو مصدر کے معنی میں کر کے اُرید کا مفعول بنا دیا۔

او اسمٍ و فعلٍ کضربتُ بالخشبةِ.

یا جیسا کہ ربط پیدا کر دیتا ہے ایک اسم اور ایک فعل کے درمیان جیسے مثال مذکور میں بـــاء نے خشبة کو ضربت کے متعلق کر دیا کہ وہ مارنا لاٹھی سے ہے اگر با کو نہ لاتے تو یہ مفہوم ادا نہ ہو سکتا تھا۔

او الجملَتَیْن نحو ان جَاءَ نی زیدٌ اکرمتُهٗ.

یا جیسا کہ ربط پیدا کر دیتا ہے حرف دو جملوں کے درمیان جیسے مثال مذکور میں حرفِ اِنْ نے دو جملوں کے درمیان شرط و جزاء کے معنی پیدا کر دیئے۔

وغیرِ ذٰلکَ مِنَ الفوائِدِ التی تَعْرِفُها فی القِسمِ الثالِثِ انْ شاء اللّٰہُ تعالیٰ.

فرماتے ہیں کہ یہ تو چند فوائد نمونے کے طور پر ہم نے بیان کر دیئے اس کے علاوہ بھی بے شمار فائدے ہیں کہ جن کو آپ حروف کی بحث جو تیسری قسم ہے اس میں پڑھ لیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ مثلاً حروف تنبیہ ہیں کہ ان کا فائدہ یہ ہے کہ مخاطب کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ ہوشیار رہو جو بات میں کہہ رہا ہوں اس میں سے کوئی چیز فوت نہ ہونے پائے، یا جیسا کہ حروف ایجاب نعم بلی وغیرہ ان کا فائدہ یہ ہے کہ کلام سابق کو ثابت کیا جاتا ہے ان کے ذریعہ سے کلام خواہ مثبت ہو یا منفی وغیرہ وغیرہ۔

ویسمّٰی حَرْفًا لوقوعِهٖ فِی الکَلامِ حَرفًا ای طرفًا.

یہاں سے حرف کی وجہ تسمیہ بیان فرماتے ہیں کہ حرف کے لغوی معنی طرف کے آتے ہیں جیسا کہ اہل عرب کہتے ہیں جلست حرف الوادی أیْ طرف الوادی، میں وادی کے کنارہ بیٹھا تو حرف کو حرف اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ بھی طرف میں واقع ہوتا ہے یعنی اسم و فعل کی جانب مقابل میں واقع ہوتا ہے۔

اذ لیس مَقصودًا بالذاتِ مِثل المُسْند و المسند الیه.

یہاں سے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حرف کو حرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ

طرف میں واقع ہوتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ درمیان کلام میں بھی آتا ہے جیسے ارُیدان تضرب تو اس کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ طرف سے مراد مقابل ہے اور مقابل سے مراد کلام میں عمدہ واقع ہونا ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ حرف فعل واسم کی جانب مقابل واقع ہوتا ہے اس طور پر کہ وہ دونوں کلام میں عمدہ واقع ہوتے ہیں یعنی مسند اور مسند الیہ ہوتے ہیں، اور حرف کلام میں عمدہ واقع نہیں ہوتا ہے کہ نہ مسند بنے اور نہ مسند الیہ جو کلام میں مقصود بالذات ہے۔

تمرینات: حرف کی علامات بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ حرف کی وجہ تسمیہ بھی بیان فرمائیے۔

فصل الکلامُ لفظٌ تضَمَّن کلِمتَیْن بالاسنادِ.

ترجمہ: کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو شامل ہو اسناد کے ساتھ۔

یہاں سے مصنف علم نحو کے دوسرے موضوع کلام کو بیان فرماتے ہیں کلام کے لغوی معنی آتے ہیں ما یتکلم بہ جس سے تکلم کیا جائے، قلیلا کان او کثیراً مھملاً کان او موضوعاً یعنی وہ تکلم خواہ تھوڑا ہو جیسے زید یا زیادہ جیسے زید قائم مہمل ہو یا موضوع مہمل جیسے دیز مقلوب زیدٍ، موضوع جیسے ضرب زیدٌ اور اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ نے بیان فرمائی ہے کہ کلام وہ لفظ ہے جو شامل ہو، دو کلموں کو اسناد کے ساتھ وہ کلمے عام ہیں خواہ حقیقی ہوں یا حکمی، لفظی ہوں یا تقدیری، دو ہوں یا دو سے زیادہ حقیقی کی مثال جیسے ضرب زیدٌ، حکمی کی مثال جسے جسق مھملٌ اور دیز مقلوب زید اس لیے کہ جسق مہمل ہذا اللفظ مہمل کی تاویل میں ہو کر مسند الیہ ہو گیا، اور دیز مقلوب زید ھذا اللفظ مقلوب زید کی تاویل میں ہے، اور تقدیری کی مثال جیسے اضرب کہ اس میں انت مقدر ہے اور دو سے زیادہ کی مثال جیسے درس الاستاذ الطلاب فی الفصل فی وقت المدرسة۔

نوٹ: مصنفؒ نے ما تضمن کلمتین کیوں کہا اگر تعریف یوں کرتے الکلام ما ترکب من کلمتین تب بھی حاصل یہی ہوتا۔ الجواب: مصنفؒ نے جو تعریف کی وہ بہت جامع مانع ہے اس لیے کہ ترکیب کے لیے دو کلمے حقیقی کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے وہ کلام جو ایک کلمہ حقیقی اور دوسرا حکمی سے مرکب ہو وہ کلام کی تعریف سے خارج ہو جائے گا اور تضمن کے لیے دو کلمے حقیقی کا ہونا ضروری نہیں جیسا کہ آپ سابقہ عبارت میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

نوٹ: عرف عام میں دو لفظ بولے جاتے ہیں ایک کلام اور ایک جملہ اب آیا ان دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں اس سلسلے میں اختلاف ہے چنانچہ صاحب تسہیل اور بعض نحاۃ کا قول یہ ہے کہ کلام خاص ہے اور جملہ عام ہے، دلیل ان کی یہ ہے کہ کلام میں اسناد لذاتہ ہوتی ہے اور جملہ میں تعمیم ہوتی ہے خواہ اسناد مقصود لذاتہ ہو یا مقصود لغیرہ۔ اسناد مقصود لذاتہ کہتے ہیں اس کو کہ جس کی وجہ سے کلام پیش کیا گیا ہو، اور حکم اس اسناد پر ہو، اور اسناد مقصود لغیرہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے کلام نہ چلایا گیا ہو، بلکہ دوسری اسناد کے لیے وسیلہ ہو، جیسے زیدٌ ابوہ قائم کہ اس میں دو اسناد

یعنی ایک زید اور قیام اب کے درمیان اور یہی اسناد یہاں مقصود بالذات ہے اور دوسری اسناد ہے ابوہ قائم کے درمیان تو یہ اول اسناد کے اعتبار سے کلام ہے اور دوسری کے لحاظ سے ابوہ قائم جملہ ہے مگر کلام نہیں ۔ بہرحال خلاصہ یہ نکلا کہ ہر کلام جملہ ضرور ہوگا مگر ہر جملہ کے لیے کلام کا ہونا ضروری نہیں ہے، اور صاحب مفصل اور صاحب لباب اور صاحب کافیہ یہ فرماتے ہیں کہ دونوں مترادف ہیں اس لیے کہ ان حضرات نے جو کلام کی تعریف کی ہے اس میں بالاسناد کے بعد مقصود لذاتہ کی قید نہیں لگائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام اور جملہ دونوں برابر ہیں ۔ بہرحال حاصل یہ ہے کہ جنہوں نے اسناد کے ساتھ مقصود لذاتہ کی قید لگائی ان کے نزدیک کلام خاص اور جملہ عام اور جنہوں نے نہیں لگائی ان کے نزدیک دونوں مترادف ۔

فوائد قیود: کلام کی تعریف میں لفظ جنس ہے تضمن کلمتین فصل اول ہے اس قید سے مفرد نکل گیا بالاسناد فصل ثانی ہے، اس قید سے مرکبات غیر کلامیہ یعنی مرکب ناقص خارج ہوگیا یہ بھی یاد رکھیں کہ بالاسناد میں باء برائے سببیت ہے بالاسناد ای بسبب الاسناد ترکیب عبارت یوں ہوگی الکلام مبتدا الفظ موصوف تضمّن کلمتین صفت اور بالاسناد جار مجرور حاصلاً محذوف کے متعلق اور حاصلاً صفت تضمناً محذوف کی اور وہ مفعول مطلق تضمن کا ۔

وَالاسنادُ نسبةُ اِحدَی الکلمتَین الی الاُخریٰ بحیثُ تُفِیدُ المخاطَب فائدة تامّةً یَصِحُ السَکوتُ علیها نحو زیدٌ قائمٌ وقام زیدٌ ویُسَمّٰی جُملةً.

ترجمہ: اسناد کہتے ہیں دو کلموں میں سے ایک کا ملانا دوسرے کی طرف اس طور پر کہ وہ نسبت (ملانا) فائدہ دے مخاطب کو مکمل فائدہ کہ صحیح ہو متکلم کا سکوت اس فائدہ پر جیسے زید قائم و قام زید اور اس کا دوسرا نام جملہ بھی ہے۔

تشریح: یہ ہے کہ متکلم نے جب کوئی کلام پیش کیا تو ایسا ہونا چاہئے کہ جب وہ اپنے کلام سے خاموش ہوجائے تو سامع کو انتظار باقی نہ رہے، جیسے زید قائم اور قام زیدٌ جب متکلم نے کہا تو سامع سمجھ گیا کہ یہ کلام پورا ہوگیا۔ مثال اول میں دوسرے جزء قائم کی نسبت ہے اول جزء کی طرف اور مثال ثانی میں جزء اول کی نسبت ہے ثانی کی طرف۔

نوٹ: اسناد کی اس تعریف پر یہ سوال قائم ہوتا ہے کہ آپ نے اسناد کی جو تعریف کی کہ دو کلموں میں سے ایک کی اسناد دوسرے کی طرف اس طور پر ہو کہ مخاطب کو فائدۂ تامہ حاصل ہوجائے اور مثال پیش کی قام زید تو قام زید کے بعد بھی کہاں مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہوا انتظار اب بھی باقی ہے اس لیے کہ یہ انتظار ہے کہ زید کہاں کھڑا ہے اور کب کھڑا تھا، یعنی زمان، مکان، اور حالت وغیرہ کا اب بھی محتاج ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری مراد نسبة احدیٰ الکلمتین سے صرف مسند اور مسند الیہ ہے یعنی مثلاً قام زیدٌ میں قیام کی نسبت زید کی طرف اس طرح

یہی ہے کہ مخاطب کو ایسا انتظار نہیں رہا جیسا کہ مسند بولنے کے بعد مسند الیہ کا رہتا ہے یا مسند الیہ بولنے کے بعد مسند کا رہتا ہے۔

فوائد قیود: نسبة احدى الكلمتين إلى الاخرى، جنس ہے اور فائدة تامه فصل ہے اس قید سے نسبت اضافی اور نسبت توصیفی خارج ہوگئی۔

نوٹ: یہ ضرور یاد رکھیں کہ فائدہ تامہ کے بعد جو لفظ یصح السکوت علیھا آیا ہے یہ اسناد کی تعریف میں شامل نہیں بلکہ یہ فائدہ تامہ کی تفسیر ہے یا یہ کہہ لو کہ فائدة تامه کا بیان ہے وہ اسطور پر کہ سوال ہوا کہ فائدہ تامہ کسے کہتے ہیں تو اس کی وضاحت کر دی کہ فائدہ تامہ کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز پر متکلم کا سکوت صحیح ہو۔ ویسمی جملة مصنف فرماتے ہیں کہ اسناد کا نام جملہ بھی ہے اس سلسلے میں مکمل بحث کلام کی تعریف میں آچکی ہے، فلیراجع هناک.

فعُلِمَ اَنَّ الكَلَام لا يحصُلُ اِلَّا مِن اسمَيْن نحو زيدٌ قائمٌ ويُسَمّٰى جُملةً اِسمِيّةً او مِن فعلٍ واسمٍ نحو قام زيدٌ ويُسمّٰى جملةَ فِعليَّةً اذْ لايُوجَدُ المُسْنَدُ والمُسنَدُ اِلَيْهِ مَعاً فى غيرِهِمَا وَلابدّ للكلامِ منهما.

ترجمه: کلام یا تو صرف دو اسموں سے بنے گا جیسے زید قائم اور اس کا نام جملہ اسمیہ رکھا جاتا ہے، یا کلام بنے گا ایک فعل اور ایک اسم سے جیسے قام زید اور اس کا نام جملہ فعلیہ ہوتا ہے اس لیے کہ مسند اور مسند الیہ ایک ساتھ ان دونوں کے علاوہ میں نہیں پائے جاتے اور کلام بننے کے لیے ان دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔

تشریح: یہاں سب سے پہلے یہ بات یاد رکھیں کہ فَعُلِمَ کے اندر جو فاء ہے وہ شرط محذوف کے جواب میں ہے اصل عبارت ہے ای اذا کان الاسناد ما خوذا فی تعریف الکلام فعلم، تو مصنفؒ کی عبارت کا حاصل ہوگا کہ جب آپ یہ پڑھ چکے کہ کلام کی تعریف میں اسناد کی قید ماخوذ ہے تو اس سے آپ کو یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ کلام صرف دو ترکیبوں سے مرکب ہوگا یا تو دو اسموں سے جیسے زید قائم مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا نام جملہ اسمیہ بھی ہے اس لیے کہ اس کا جزء اول اسم ہے اگرچہ دوسرا بھی اسم ہے، لیکن دوسرے جز کا جملہ اسمیہ ہونے کے لیے اسم ہونا ضروری نہیں ہے جیسے زید قام کہ اس کا جزء ثانی فعل ہے۔ او من فعل و اسم یا کلام مرکب ہوگا ایک فعل و ایک اسم سے جیسے قام زید اس جملہ کو جملہ فعلیہ کہتے ہیں اس لیے کہ اس کا جزء اول فعل ہے اذ لا یوجد المسند والمسند الیه۔ سابق عبارت میں مصنفؒ نے دعویٰ کیا تھا کہ کلام صرف دو ہی ترکیبوں سے مرکب ہوتا ہے اس پر سوال پیدا ہوا کہ باقی اور ترکیبوں سے کلام کیوں نہیں بنتا تو یہاں سے اس کا جواب دیا کہ باقی اور سے اس لیے نہیں بنتا کہ باقی سب تراکیب میں مسند اور مسند الیہ ساتھ ساتھ نہیں پائے جاتے کہیں مسند ہے مسند الیہ نہیں کہیں مسند الیہ ہے مسند غائب ہے اور کلام بننے کے لیے دونوں کا ساتھ ساتھ پایا جانا ضروری ہے اور وہ تراکیب جن

کلام نہیں بنتا چار ہیں، اس لیے کہ کلام دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے اور کلمے تین ہیں، اسم و فعل و حرف اب تین کو دو سے ضرب دینے سے چھ قسمیں بن جائیں گی دو تو یہی جن سے کلام مرکب ہوتا ہے (۱) دو اسم سے (۲) ایک فعل اور ایک اسم سے (۳) دو فعل سے (۴) دو حرف سے (۵) ایک اسم اور ایک حرف سے (۶) ایک فعل و ایک حرف سے۔ نمبر تین میں دیکھیں کہ صرف مسند ہے (۴) میں نہ مسند ہے نہ مسند الیہ (۵) مسند الیہ ہے مسند غائب ہے (۶) میں صرف مسند ہے۔ اس لیے صرف دو ترکیب سے کلام بنتا ہے۔

نوٹ: اسی مذکورہ تقریر سے یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے کہ کلمہ کی تقسیم بغیر حصر کے بیان فرمائی اور کلام کی حصر کے ساتھ وجہ اس کی یہی ہے کہ کلمہ کی تقسیم میں تین کے علاوہ کسی اور قسم کا احتمال نہیں ہے اور کلام کی تقسیم میں چونکہ عقلی لحاظ سے دو کے علاوہ مزید چار تراکیب کا احتمال تھا اس وجہ سے کلام کی تقسیم حصر کے ساتھ بیان فرمائی۔

نوٹ: مصنفؒ نے جو کہا کہ کلام دو اسموں سے مرکب ہو جاتا ہے ہر طرح کے دو اسموں سے مرکب نہیں ہوتا بلکہ دو اسم جن سے مرکب ہوتا ہے اسماء افعال کے علاوہ ہیں اس لیے کہ دو اسم فعل سے کلام نہیں بنے گا۔ ایسے ہی جو یہ کہا کہ ایک فعل و اسم سے تو فعل سے افعال ناقص کے علاوہ مراد ہیں، اس لیے کہ افعال ناقصہ اور ان کے اسم سے کلام نہیں بنتا تاوقتیکہ ان کی خبر نہ لائی جائے۔

لا بُدَّ ۔ بُدّ کے معنی چارۂ کار، عوض، بدلہ، حفاظت کی جگہ، بھاگنے کی جگہ ای لا مفرَّ للكلام منهما یعنی کلام کے لیے ان دونوں سے مفر نہیں یعنی بھاگنے کی جگہ نہیں اہل عرب کہتے ہیں بَدَّه بدًّا ای فرقه اس کو جدا کر دیا اس جملہ کی ترکیب بھی ملاحظہ ہو، لا برائے نفی جنس بد مصدر اس کا اسم للكلام متعلق بد کے اور خبر ثابت محذوف ہے ای لا بد ثابت للكلام اور مصنف کا قول منهما خبر ہے مبتداء محذوف کی ای البد للنفی منهما۔

فان قيل قد نوقِضَ بالنّداءِ نحو يا زيدُ قُلنا حرفُ النداءِ قائم مقامَ اَدْعُوْ و اَطْلُبُ وهو الفعلُ فلا نقضَ عَلَيهِ.

ترجمہ: پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ کی بیان کردہ بات ٹوٹ جاتی ہے حرف نداء سے جیسے یا زید تو ہم کہیں گے کہ حرف نداء قائم مقام ہے ادعوا یا اَطْلُبُ کے اور یہ فعل ہیں لہٰذا اب اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

تشریح: یہاں سے ایک اعتراض کا جواب دے رہے ہیں اعتراض یہ ہے کہ آپ نے بتلایا کہ ایک اسم و حرف سے کلام نہیں بنتا آپ کا یہ دعویٰ صحیح نہیں اس لیے کہ مثلاً یا زید کے اندر یا حرف نداء اور زید منادی اسم ہے ان دونوں سے کلام مرکب ہو رہا ہے تو آپ کا دو اسموں یا ایک فعل اور ایک اسم میں حصر کرنا صحیح نہیں رہا۔ اس کا مصنفؒ نے یہ جواب دیا کہ یا زید کے اندر یا حرف ندا قائم مقام ہے اَدعوا یا اَطْلُبُ فعل کے اس لیے کہ یا زید کی تقدیر عبارت ہے اَدعوا زیدًا یا اَطْلُبُ زیداً تو اَدعوا اور اَطْلُبُ فعل ہوئے لہٰذا آپ کا اعتراض ختم ہو گیا۔ لیکن

اب اس جواب کے اوپر یہ اعتراض ہوگا کہ جب ادعـوا کے قائم مقام ہوا تو ادعـوا فعل بافاعل ہے پھر تو کلام صرف کلمہ یا سے تمام ہوجانا چاہئے زید کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی، حالانکہ ایسا نہیں اس لیے کہ کلام یا زید کا مجموعہ ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے فعل ادعـوا مقدر اور پوشیدہ ہے اور حرف اس کے قائم مقام ہے ایسے ہی اسم ظاہر زید بھی ضمیر جو أدعـوا کے اندر مستتر ہے اور کلام کے اندر عمدہ ہے اس کا نائب ہے تو جب زید ضمیر کا نائب ہوا تو اسی کا حکم قبول کرلیا، لہٰذا تنہا کلمہ یا سے کلام پورا نہ ہوگا۔صاحب درایۃ النحو نے تو جواب یہ دیا کہ آپ نے جو کہا کہ بغیر زید کے کلام تمام ہوجانا چاہئے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بغیر زید کے کلام تمام ہوجائے گا، اور کلمۂ یـاء کے بعد زید کا تذکرہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فعل فاعل کے بعد تمام مفاعیل کا جیسے ضَرَبْتُ زَيْداً کے اندر ضربتُ کے بعد زیدًا کا انتهى الكلام على الكلام بتفصيله۔

تمرین:

کلام کی تعریف بیان فرمایئے، نیز کلام کے متحقق ہونے کی کتنی صورتیں ہوسکتی ہیں، مع امثلہ بیان فرمایئے، نیز اگر کلام اور جملہ میں کچھ فرق ہو تو واضح فرمایئے۔اور اسناد کی تعریف بھی مع مثالوں کے بیان فرمایئے۔

ذیل میں تمرین کے لیے چند جملے دیئے جارہے ہیں ان میں مسند اور مسند الیہ کی شناخت اور وجہ شناخت بیان فرمایئے، نیز یہ بھی بتلایئے کہ کون سا جملہ اسمیہ ہے اور کون سا جملہ فعلیہ۔اَللهُ واحـدٌ – مـحـمّـد رسـولٌ – كَذّبَت ثَمُودُ المرسَلِين – قاتِلُوهم حتىٰ لا تكُونَ فِتنةٌ – وَلا تَنَازَعُوا – اللهُ يَبسُطُ الرِّزقَ.

وَاذَا فرغنا من المقدِّمَةِ فلنَشْرعُ فى الاقسامِ الثلثة واللهُ المُوَفِّق والمعِينُ.

حضرت مصنفؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور تین اقسام پر مرتب کیا تو بحمداللہ مقدمہ کی بحث بخیر وعافیت پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے، اس لیے اب مقدمہ سے فارغ ہوکر تینوں قسموں یعنی اسم وفعل وحرف کی بحث کو شروع کرنے کا ارادہ کررہے ہیں اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اپنی مخلوق کے امور کو پورا کرنے کی اور وہی مدد کرنے والا ہے، ان امور کی درستگی پر، لہٰذا جب اس کی ذات ایسی ہے تو جب کتاب کو ہم نے شروع کیا ہے اس کے پورا کرنے کی توفیق بھی وہی دے گا، اور وہی کتاب کو صحیح صحیح لکھنے میں مدد کرے گا۔

نـوٹ: کلمہ اذا مستقبل کے لیے آتا ہے خواہ ماضی پر داخل ہو یا مضارع پر لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ جب ہم فارغ ہوں گے مقدمہ سے حالانکہ مقصود مصنفؒ کا یہ ہے کہ ہم بحمداللہ مقدمہ سے فارغ ہوگئے، یعنی زمانۂ ماضی مراد ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر وبیشتر اذا مستقبل ہی کے لیے آتا ہے مگر گاہے ماضی کے لیے بھی آجاتا ہے لہٰذا فـلا اشـكـال عـلـيـه فلنشرع کے اندر فا جزائیہ ہے تو گویا کہ شروع کرنا یہ شرط کی جزاء ہے اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ مقدمہ سے فارغ ہونے کے بعد ضروری نہیں ہے کہ تینوں اقسام کو شروع کردیا ہو ممکن ہے کہ مصنف نے مقدمہ

فارغ ہو کر کوئی دوسرا کام شروع کر دیا ہو اس کا جواب ویسے اجمالاً ہم نے ترجمہ کے اندر دیدیا ہے، تاہم خلاصۂ جواب یہ ہے کہ یہاں اردنا محذوف ہے اصل عبارت ہے واذا فرغنا من المقدمة فاردنا الشروع تو گویا کہ جزاء ارادہ ہے یعنی مقدمہ سے فارغ ہونے کے بعد ارادہ کے لازم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ واللہ الموفق والمعین۔ یہاں خبر کو معرف باللام ذکر کیا جب کہ خبر کا حق تنکیر ہے وجہ معرف باللام ذکر کرنے کی یہ ہے کہ قاعدہ ہے جب خبر معرف باللام ہو تو حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو یہاں اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور وہی مدد کرنے والا ہے اس کے علاوہ کوئی نہ موفق ہے نہ معین توفیق کے لغوی معنی آتے ہیں کسی کا کسی کام میں مدد کرنا اور اصطلاحی معنی آتے ہیں اسباب خیر کا مہیا کر دینا بعض نے یہ معنی بیان کئے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کی خواہش کے مطابق اسباب کا فراہم کر دینا تا کہ بندہ اپنی خواہش کو سرانجام دے سکے۔

القسم الاول فی الاسمِ وقد مرّ تعریفُهٗ ۔مصنف فرماتے ہیں کہ ان تین قسموں میں پہلی قسم اسم کے بیان میں ہے فرماتے ہیں کہ اسم کی تعریف اور اس کی بعض علامات مقدمہ کے اندر بیان کی جاچکی ہیں یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

وھو یَنْقَسِمُ الی المُعرب وَالمبنی. یہاں سے اسم کی تقسیم بیان فرماتے ہیں کہ اسم منقسم ہوتا ہے معرب و مبنی کی طرف۔ان دونوں کی اصطلاحی تعریف تو حضرت المصنفؒ خود بیان فرمائیں گے اس سے قبل آپ ان کے لغوی معنی اور وجہ تسمیہ ملاحظہ فرمائیں، معرب اعراب سے ماخوذ ہے جس کے دو معنی آتے ہیں اول اظہار جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، **الثَّیِّب تُعْرِب عن نفسها ای تفصح** یعنی ثیبہ عورت اپنے نفس کو صاف بیان کر دیتی ہے (۲) **ازالۂ فساد** جیسے اہل عرب کا قول **عربت معدته اذا فسدت** یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ معدہ خراب ہو جاتا ہے،تو معرب معنی اول کے لحاظ سے اسم ظرف کا صیغہ ہے تو معرب کو معرب اس واسطے کہتے ہیں کہ معرب معانی ثلاثہ یعنی فاعلیت مفعولیت اضافت کے اظہار کی جگہ ہے اور معنی ثانی کے لحاظ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے **ای مزال فساده والتباسه باظهار المعنى المعتورة عليه** یعنی فساد و التباس کو دور کیا ہوا معانی ثلاثہ کو ظاہر کر کے جو پے در پے آتے ہیں اسم معرب پر، وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اسم معرب معانی ثلاثہ کے التباس کے فساد کو دور کرتا ہے۔

مبنی مشتق ہے بناء سے اور بناء کے معنی ہیں استقرار اور عدم تغیر کے تو مبنی کو مبنی بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے اندر بتدیلی نہیں ہوتی، کوئی سا بھی عامل آجائے اسم مبنی اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے مبنی اسم مفعول کا صیغہ ہے اصل میں یہ مبنوی تھا، واؤ اور یا دونوں جمع ہو گئے، واؤ ساکن تھا اس لیے واؤ کو یا سے بدل دیا پھر یا کا یا میں ادغام کیا پھر یا کی مناسبت کی وجہ سے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا۔

فلنَذکر احکامَہٗ فی بابین و خاتمۃٍ.

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسم کے احکام ہم دو بابوں میں بیان کریں گے، باب اول اسم معرب کے بیان میں اور باب دوم اسم مبنی کے بیان میں اور معرب ومبنی کے علاوہ جتنے بھی اسم کے احکام ہیں ان تمام کو ہم خاتمہ کے اندر بیان فرمائیں گے۔

الباب الاول فی الاسم المُعرب وفیہ مُقَدِّمۃٌ وثلٰثۃُ مقاصِدَ وخاتِمۃٌ.

ترجمہ و مطلب: پہلا باب اسم معرب کے بیان میں اور اس پہلے باب میں ایک مقدمہ ہے اور تین مقاصد اور ایک خاتمہ پھر مقدمہ کے اندر چار فصلیں ہوگی، فصل اول اسم معرب کی تعریف کے بیان میں اور دوسری اس کے حکم کے بیان میں اور تیسری اصناف اعراب کے بیان میں اور چوتھی فصل ہے اسم معرب کی تقسیم باعتبار منصرف وغیر منصرف کے بیان میں اور وہ جو تین مقاصد ہیں اول مرفوعات کے بیان میں دوسرا منصوبات کے بیان میں تیسرا مجرورات کے بیان میں اور خاتمہ ہے توابع کے بیان میں۔

امّا المقدّمۃ ففیھا فُصُولٌ.

فرماتے ہیں کہ بہرحال مقدمہ تو اس کے اندر چار فصلیں ہیں **فصل فی تعریف اسم المعرب** فصل کی صفت اول محذوف ہے مطلب یہ کہ پہلی فصل ہے اسم معرب کی تعریف کے بیان میں۔

نوٹ: مصنفؒ نے اسم کی دو قسموں میں سے سب سے پہلے اسم معرب کو کیوں بیان کیا مبنی کو کیوں نہیں۔ الجواب یا تو اس وجہ سے اسم معرب کو مبنی پر مقدم کیا کہ اسم معرب کی تعریف وجودی ہے یعنی اس کی تعریف میں حرف نفی نہیں ہے یا اس وجہ سے کہ الفاظ کو وضع کرنے کا مقصد مافی الضمیر کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اور وہ کامل طور سے اعراب سے ہوتا ہے اس لیے کہ اعراب کے ذریعہ پتہ چل جاتا ہے کہ یہ فاعل ہے یا مفعول یا علاوہ ازیں۔ نیز مصنف نے معرب کی تعریف کو مقدم کیا اعراب کی تعریف پر جب کہ اعراب کو معرب پر مقدم کرنا چاہئے تھا اس لیے کہ معرب اعراب سے ماخوذ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ معرب ذات کلمہ پر دلالت کرتا ہے اور اعراب صفت کلمہ پر اور جیسے ذات مقدم ہوتی ہے صفت پر ایسے ہی دال بر ذات بھی مقدم ہوگا دال بر صفات پر۔

فصل فی تعریفِ الاسمِ المعرب وھُو کلّ اسمٍ رُکّب مَعَ غیرہ ولا یشبَہُ مبنِیّ الاصلِ.

یہاں سے مصنف اسم معرب کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ اسم معرب ہر وہ اسم ہے جو مرکب ہو، اپنے غیر کے ساتھ اور نہ مشابہ ہو مبنی اصل کے اسی کو آپ دلیل حصر کے ساتھ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اسم دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں۔ اگر مرکب ہوگا اپنے غیر کے ساتھ تو پھر دو حال سے خالی نہیں وہ مبنی اصل کے ساتھ مشابہت، رکھے گا یا نہیں رکھے گا، اگر نہیں رکھے گا تو معرب ورنہ دونوں صورتوں میں مبنی ہوگا۔ تو گویا

کہ اسم معرب کے لیے دوشرطیں ہیں ایک وجودی اور ایک عدمی وجودی مرکب مع غیرہ ہے، اور عدمی لایشبہ مبنی الاصل ہے جیسے زَیْدٌ، قَامَ زَیْدٌ، کے اندر اپنے عامل کے ساتھ مرکب بھی ہے اور مشابہت بھی نہیں رکھتا ہے مبنی اصل کے ساتھ۔

نوٹ: ترکیب سے مراد وہ ترکیب ہے جس کے ساتھ معرب کا عامل متحقق ہو، عامل خواہ لفظی ہو یا معنوی اس تعریف کے لحاظ سے غلام زید میں غلام خارج ہو جائے گا اس لیے کہ اگر چہ یہ مرکب تو ہے مگر اپنے عامل کے ساتھ نہیں، یعنی غلام زید کے لیے تو عامل ہے مگر یہ خود اپنے عامل کے ساتھ مرکب نہیں عامل لفظی کی مثال جیسے قام زید کے اندر قام عامل لفظی ہے اور معنوی کی مثال مبتدا اور خبر ہیں کہ ان کا عامل معنوی ہوتا ہے اور معنوی عامل تاثیر میں لفظی ہی کی طرح ہوتا ہے۔ لا یشبہ مبنی الاصل، کے اندر مبنی کی اضافت اصل کی طرف اضافت بیانیہ ہے اصل عبارت ہے، ای لایشبہ مبنیاً ھو اصل المبنیات۔

فوائد قیود: تعریف میں کل اسمِ جنس ہے جو مقصود و غیر مقصود سب کو شامل ہے مرکب مع غیرہ فصل اول ہے اس قید سے احتراز ہو گیا اس سے جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب نہ ہو جیسا کہ اصوات، واعداد جیسے احد، اثنان، ثلٰث اور اسماء معدودہ جیسے الف، با، تا، ثا، جیم، زید، عمر، بکر وغیرہ اور لایشبہ مبنی الاصل فصل ثانی ہے اس سے اس اسم سے احتراز ہے جو اپنے عامل کے ساتھ تو مرکب ہو مگر مشابہت مبنی اصل کے ساتھ رکھتا ہو، جیسے ھٰؤلاء وغیرہ قام ھٰؤلاء کے اندر اس لیے کہ ھٰؤلاء مبنی اصل میں سے حرف کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جیسے حروف اپنے معنی پر دلالت کرنے میں غیر کے محتاج ہیں، ایسے ہی یہ بھی مشارٌ الیہ کا محتاج ہے، دفع ابہام کے اندر۔

اعنی الحرفَ والامرَ الحاضرَ وَالماضِیَ.

یہاں سے مبنی اصل کو بیان فرما رہے ہیں کہ مبنی اصل تین چیزیں ہیں ایک جملہ حروف دوم فعل ماضی سوم امر حاضر، امر کے ساتھ حاضر کی قید لگا کر امر غائب کو خارج کر دیا چونکہ وہ بالاتفاق معرب ہے۔

نوٹ: مبنی اصل کی تعریف مبنی اصل کہتے ہیں کہ جس کو واضع نے اصل مبنی ہی کے لیے وضع کیا ہو جیسا کہ حروف اور ماضی وامر حاضر اس پر سوال یہ ہے کہ ان تین ہی کو مبنی اصل کے لیے کیوں وضع کیا۔ الجواب چونکہ ان میں علت اعراب نہیں پائی جاتی اور علت اعراب تین چیزیں ہیں فاعلیت مفعولیت اضافت۔

تذکرۂ خصوصی: مصنفؒ نے اور اسی طرح دیگر مصنفین نے مبنی اصل جو ان تین چیز کو قرار دیا یہ بر بناء مشہوریت ہے ورنہ تو بعض علماء نے ان تین کے علاوہ جملہ کو بھی مبنی اصل قرار دیا ہے اس لیے کہ جملہ من حیث الجملہ کبھی بھی مفرد کی جگہ نہیں آتا اور نہ کوئی اس کا محل اعراب ہوتا ہے اس لیے وہ بھی مبنی اصل ہے بعض علماء نے کہا کہ

جملہ مبنی اصل تو نہیں ہے بلکہ مبنی اصل کی فرع ہے اس لیے کہ مبنی اصل کا تو کوئی اعراب ہوتا ہی نہیں نہ لفظاً نہ تقدیراً نہ محلاً اوررہا جملہ تو وہ محلا معرب ہوتا ہے اس لیے وہ من مبنیات الاصل نہ ہوگا، اور محقق شیخ رضی نے یہ تحقیق بیان کی ہے کہ جملہ قبل العلمیۃ نہ اعراب کے ساتھ متصف ہوتا ہے اور نہ بناء کے ساتھ چونکہ یہ دونوں چیزیں کلمہ کے عوارض میں سے ہیں نہ کہ کلام کے۔

نحو زيدٌ فى قَامَ زيدٌ لا زيد وحدَه لعدم التركيب.

یہ مثال تو ہم بیان کر چکے ہیں یہاں صرف ترکیب سن لیجئے مصنف کا قول نحو خبر ہے **هو** مبتداء محذوف کی اور **هو** کا مرجع اسم معرب ہے اور **فى قام زيد** جار مجرور صفت ہیں زید کی، تقدیری عبارت ہے **هو اى الاسم المعرب نحو زيد لكائن فى قام زيد** اور **لا زيد وحده** معطوف ہے، نحو پر جو خبر ہے مبتداء محذوف کی اور **وحده** حال ہے زید سے مگر **وحده** کے حال بننے پر سوال یہ پیدا ہوگا کہ حال تو نکرہ ہوتا ہے اور **وحده** ترکیب اضافی کی وجہ سے معرفہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وحدہ نکرہ کی تاویل میں ہے اس کی تقدیری عبارت ہے **متوحدًا اى منفردًا.**

ولا هٰؤُلاءِ فى قام هٰؤُلاءِ لوُجودِ الشِّبهِ ويُسمّٰى مُتَمكِّنًا.

اسم معرب کا دوسرا نام اسم متمکن بھی ہے، متمکن کے معنی جگہ دینے والا تو اسم معرب کو اسم متمکن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اعراب کو جگہ دیتا ہے اسی مناسبت سے اسم مبنی کو اسم غیر متمکن کہیں گے، چونکہ مبنی اعراب کو جگہ نہیں دیتی۔

فصلٌ حكمُهٗ انْ يختلفَ آخرهٗ باختِلافِ العوامِلِ اختلافًا لفظِيًّا نحو جاء نى زيدٌ ورأيتُ زيدًا ومَرَرْتُ بزيد او تقديريًّا نحو جاء نى مُوسىٰ ورأيتُ موسىٰ ومررتُ بموسىٰ.

ترجمه: اس کا حکم یہ ہے کہ مختلف ہوجائے اس کا آخر عوامل کے اختلاف کی وجہ سے خواہ وہ اختلاف لفظی ہو جیسے "جاء نى زيدٌ ورأيتُ زيداً ومررتُ بزيد" یا وہ اختلاف تقدیری ہو جیسے "جاء نى مُوسىٰ ورأيتُ موسىٰ ومررتُ بموسىٰ"۔

اسم معرب کی تعریف سے فارغ ہوکر اس کے حکم کو بیان فرماتے ہیں حکم کے لغوی معنی آتے ہیں ہو الأثر المرتب علی الشیٔ وہ اثر جو کسی چیز پر مرتب ہو اور اصطلاح میں حکم کے بہت سے معنی آتے ہیں (۱) نسبت تامہ خبریہ (۲) محکوم علیہ (۳) محکوم بہ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں مراد حکم کے لغوی معنی ہیں۔ بہر حال مصنفؒ یہاں سے اسم معرب کا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ حکم اس کا یہ ہے کہ مختلف ہوجائے اس کا آخر عوامل کے اختلاف کی وجہ سے پھر وہ اختلاف عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری، پھر ہر ایک ان میں سے حقیقی ہو یا حکمی اختلاف لفظی حقیقی کی مثال جیسے "جاء نى زيدٌ ورأيتُ زيداً ومررتُ بزيدٍ" کہ دال آخری حرف ہے اس کی حرکات عوامل کے مختلف ہونے سے بدل رہی ہیں

اختلاف لفظی حکمی کی مثال جیسے ''جاء نی أحمدُ ورأیتُ أحمدَ ومررتُ بأحمد '' کہ اس کی آخری حالت میں احمد اسم کا آخر مختلف ہوا حکماً اس لیے کہ اس کی حالت جری حالت نصبی کے تابع ہے اختلاف تقدیری حقیقی کی مثال جیسے ھذا عصاً ورأیت عصا وضربت بعصاً اور اختلاف تقدیری حکمی کی مثال جیسے جاء نی موسی ورأیت موسی ومررت بموسی تو ان دونوں میں اعراب تقدیری ہے اور وجہ تقدیری کی یہ ہے کہ ان دونوں کے آخر میں الف ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرتا اگر حرکت آ جائے تو الف الف نہیں رہے گا بلکہ ہمزہ ہو جائے گا۔

نوٹ: آخـرہٗ سے پہلے لفظ صفت مقدر ہے ای صفت آخرہ یعنی آخری حرف کی جو ایک صفت ہے فاعلیت مفعولیت وغیرہ وہ بدلتی ہے خود آخری حرف نہیں بدلتا، جیسا کہ آپ نے امثلۂ مذکورہ میں دیکھا کہ مثلاً زید میں آخری حرف دال ہے جو بدستور باقی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آخر کے مختلف ہونے کا مطلب بھی سمجھیں تو آخر کے مختلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم معرب ایسی صفت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے، جس کے ساتھ اس سے قبل نہیں تھا، تذکرہ خصوصی مصنف نے جو آخرہ کی قید لگائی ہے اس قید سے اس اختلاف کو نکال دیا جو آخر کے علاوہ ہو جیسا کہ لفظ امرأٌ اور ابنم ہے کہ امرأٌ میں راء ہمزہ کے تابع ہے اور ابنم میں نون میم کے تابع ہے جیسا کہ آپ یوں کہیں جاء نی إمرأ وابنم لہٰذا را اور نون کا اختلاف در حکم معرب نہیں ہوگا۔ ابنم ابن کے معنی میں ہے بمعنی بیٹا میم اس میں زیادہ ہے۔ باختلاف العوامل باء برائے سبب ہے اس قید سے خارج کر دیا اس اسم کو جس کا آخر مختلف تو ہوتا ہو مگر عوامل کی وجہ سے نہیں جیسا کہ من استفہامیہ کے آخر کا اختلاف جیسا کہ آپ یوں کہیں مـن انـت اور من الرجل کہ من کا آخر مختلف تو ہوا مگر عوامل کی وجہ سے نہیں لہٰذا یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔

نوٹ: یہاں ایک مشہور اعتراض ہوتا ہے کہ عوامل جمع ہے عامل کی اور عوامل جمع کثرت کا صیغہ ہے جس کا اطلاق کم از کم تین پر ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسم معرب کا آخر اس وقت مختلف ہوگا جب کہ کم از کم تین عامل آئیں، حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عوامل تو جمع کثرت کا صیغہ ہے مگر اس پر الف لام جنسی بھی تو داخل ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب جمع پر الف لام جنسی داخل ہو جاتا ہے تو اس کی جمعیت باطل ہو جاتی ہے لہٰذا آپ کا اعتراض ختم، مگر پھر ذہن میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ اس کی کیا ضرورت تھی کہ پہلے جمع کثرت کا صیغہ لائے، پھر الف لام سے اس کی جمعیت کو باطل کیا۔ الجواب، اس کی وجہ یہ ہے کہ عوامل جمع کثرت کا صیغہ لا کر یہ بتلا دیا کہ اسم معرب کے عوامل بہت سارے ہیں، اور پھر الف لام سے جمعیت باطل کر کے یہ بتلایا کہ اسم معرب کے آخر کو بدلنے کے لیے صرف ایک عامل کافی ہے، نیز ملاحظہ ہو کہ مصنف کی عبارت میں اختلافاً منصوب ہے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے اور لفظیاً منصوب ہے مفعول مطلق کی صفت ہونے کی وجہ سے۔

الاعرابُ ما به یختلف آخِرُ المُعرَب.

ترجمہ: اعراب وہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے معرب کا آخر بدل جائے۔

یہاں سے حضرت المصنفؒ اعراب کی تعریف بیان فرماتے ہیں تعریف سے قبل کچھ باتیں سمجھ لیجئے تا کہ تعریف کا سمجھنا آسان ہوجائے (ا) ما سے مراد حرکات ثلاثہ اور حروف علت ساکن ہے، بہ کے اندر با برائے سبب ہے، اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ اعراب وہ حرکت اور وہ حرف علت ساکن ہے کہ جس کے ذریعہ سے اسم معرب کا آخر تبدیل ہوجائے جیسے جاء نی زید کے اندر ضمہ نے آ کر زید کے آخر کو بدل دیا اور رَأیتُ ابَاکَ کے اندر الف حرف علت ساکن نے آ کر اب اسم معرب کے آخر کو تبدیل کر دیا۔

نوٹ: اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جیسے حرکت وحرف علت ساکن کے ذریعہ اسم معرب کا آخر بدلتا ہے ایسے ہی عامل کے ذریعہ سے بھی مختلف ہوتا ہے جیسے ضرب زید میں ضرب نے آ کر زید کے آخر کو بدل دیا پھر تعریف اعراب اور عامل میں کیا فرق رہا۔ الجواب، اعراب اسم معرب کے آخر کو بدلنے کے لیے سبب قریب ہے اور معنی مقتضی (فاعلیت ومفعولیت واضافت) سبب بعید بیک واسطہ اور عامل سبب بعید بدو واسطہ اس کو آپ مثال سے یوں سمجھئے کہ ضوب زید میں ضرب عامل ہے اس نے آ کر معنی مقتضی یعنی فاعلیت کا تقاضہ کیا اور فاعل نے آ کر اعراب اور اعراب نے آ کر اسم معرب کے آخر کو تبدیل کیا تو اس میں آپ دیکھئے کہ اعراب نے براہ راست اسم معرب کے آخر کو بدلا پھر معنی مقتضی نے اعراب کے واسطے سے اور عامل نے ان دونوں کے واسطہ سے یہی فرق ہے اعراب وعامل ومعنی مقتضی میں۔

كالضمّة والفتحة والكَسرة والواو والالفِ والياء.

یہاں سے اعراب کی تفصیل بیان فرمائی ان میں سے ضمہ وفتحہ وکسرہ اعراب بالحرکت ہیں اور واؤ الف یاء اعراب بالحروف ہیں۔

نوٹ: ضمہ فتحہ کسرہ یہ تینوں جس وقت تا کے ساتھ ہوں تو معرب ومبنی دونوں کی حرکات پر ان کا اطلاق ہوگا اور اگر بغیر تا کے ہوں تو صرف مبنی کی حرکت پر اطلاق ہوگا جیسا کہ رفع نصب جر کا اطلاق خالص معرب کی حرکات کے لیے ہوتا ہے۔

واعرابُ الاسم علیٰ ثلٰثةِ انواعٍ رفع ونصبٌ وجر.

یہاں سے فرماتے ہیں کہ اسم معرب کے اعراب کی صرف تین قسمیں ہیں رفع، نصب، جر جیسا کہ ماقبل میں بتلایا گیا۔ اس پر سوال یہ ہے کہ تین ہی قسمیں کیوں ہیں؟ الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اعراب علامت ہے ان معانی کے لیے جو اسم معرب پر آتے ہیں، اور وہ بھی تین ہیں لہٰذا جو ان معانی پر دلالت کریں وہ بھی تین ہی ہوں گے اس

لیے کہ اگر اعراب تین سے زیادہ ہوں تو دو اعرابوں کے درمیان ترادف لازم آئے گا اور اگر تین سے کم ہوں تو شرکت لازم آئے گی اور یہ دونوں ہی خلاف اصل ہیں۔

نوٹ: ان تینوں کی وجہ تسمیہ، رفع کو رفع اس لیے کہتے ہیں کہ رفع کے معنی بلند ہونے کے آتے ہیں تو رفع کو بھی رفع اس لیے کہتے ہیں کہ رفع کے تلفظ کے وقت نیچے کا ہونٹ بلند ہو جاتا ہے یا اس لیے کہتے ہیں کہ رفع اپنے دونوں بھائیوں سے مرتبہ میں بلند ہے اس لیے کہ رفع علامت ہے عمدہ چیز کے لیے یعنی فاعلیت کے لیے، اور نصب کے معنی قائم ہونے کے آتے ہیں تو نصب کو نصب اس لیے کہتے ہیں کہ نصب کے تلفظ کے وقت دونوں لب اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں یا نصب کو نصب اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ فضلہ کو نصب دیتا ہے یعنی اس کو قائم رکھتا ہے جس کی کلام میں ضرورت نہیں پڑتی اور جر کے معنی کھینچنا، جر کو جر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ جر کے تلفظ کے وقت لب زیریں نیچے کی طرف کو کھنچ آتا ہے یا اس وجہ سے کہ جر کا عامل یعنی جار فعل کے معنی کو کھینچ کر اسم تک پہنچا دیتا ہے۔

والعامِلُ مابهٖ رفعٌ او نصبٌ اَو جرٌّ ومحل الاعراب مِنَ الاسم هُو الحَرف الاخيرُ مثال الكُلِّ نحو قام زيدٌ فقام عامِلٌ وزيدٌ معرَبٌ والضمة اِعرابٌ والدّالُ محل الاعراب.

ترجمہ: اور عامل وہ شئ ہے کہ جس کے ذریعہ سے رفع، نصب اور جر آوے اور محل اعراب اسم میں وہ حرف اخیر ہے، ان سب کی مثال یہ ہے کہ جیسے قام زید اس میں قام عامل ہے اور زید معرب اور ضمہ اعراب اور دال محل اعراب۔

عامل کے لغوی معنی آتے ہیں کارندہ کے کام کرنے والا اور اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ عامل وہ شئ ہے جس کے ذریعہ سے رفع اور نصب اور جر آئے خواہ وہ عامل لفظی ہو یا معنوی، مصنفؒ کی تعریف میں لفظی اور معنوی کی قید نہیں ہے یہ قید ہم نے اس لیے لگائی تا کہ عامل کی تعریف میں معنی ابتداء بھی داخل ہو جائیں جیسے **زید قائم** دونوں مبتداء و خبر ہیں، ان دونوں کا عامل اگرچہ لفظی نہیں مگر معنوی ضرور ہے، **ومحل الاعراب من الاسم هو الحرف الأخير**، یہاں سے مصنفؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عامل وغیرہ کی وجہ سے اسم معرب پر جو اعراب داخل ہوگا اس کا محل آخری حرف ہوگا، حرف اول اور اوسط محل اعراب نہ ہوگا خواہ وہ معرب اسم ہو یا فعل مگر یہاں سوال یہ کہ مصنفؒ نے اسم کی قید کیوں لگائی جب کہ معرب فعل مضارع بھی ہوتا ہے؟ الجواب: اسم کی قید اس لیے لگائی کہ بحث ہی اسم کی چل رہی ہے، اور رہا فعل تو اس کا بیان مستقل طور پر فعل کی بحث میں ہی آئے گا۔

نوٹ: مصنفؒ نے ضمیر فصل **هو** کیوں زیادہ کی؟ الجواب **هو** کو زیادہ کیا تا کہ حصر کے معنی دے جس کے نتیجہ میں یہ معلوم ہو جائے کہ محل اعراب صرف حرف اخیر ہے نہ کہ اس کے علاوہ۔ مثال الکل نحو قام زید جب مصنفؒ

اسم معرب، اعراب، عامل، محل اعراب کو بیان کر چکے اب یہاں سے مسئلہ کو مزید منقح اور واضح کرنے کے لیے ان سب کے لیے مثال بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ جیسے قام زید ہے اس میں قام عامل ہے اور زید معرب اور ضمہ اعراب اور دال محل اعراب ہے۔

واعلم انّہٗ لا یُعربُ فی کلامِ العرب الا الاسم المتمکنُ والفعلُ المُضارِعُ وسیجئُ حکمُہٗ فی القِسم الثانی ان شاء اللّٰہُ تعالیٰ.

یہاں سے مصنفؒ اس بات کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ عربی کلام میں معرب کی صرف دو ہی قسمیں ہیں ایک اسم متمکن (۲) فعل مضارع جو نونِ تاکید اور نون جمع مؤنث سے خالی ہو اور فعل مضارع کی مکمل بحث تفصیل کے ساتھ دوسری قسم یعنی فعل کی بحث میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ فانتظرہ۔

نوٹ: لفظ اعلم کے ذریعہ سے کبھی سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہوتا ہے کبھی فائدہ جدیدہ بیان کرنا مدنظر ہوتا ہے اور کبھی اول کلام میں سامعین کو شوق ورغبت دلانا مقصود ہوتا ہے کہ جو کلام آ رہا ہے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اور ظاہر بات ہے کہ جب کلام شوق وطلب کے بعد آتا ہے تو وہ اوقع فی الذھن ہوتا ہے۔

تمرین:

مُعرب کی تعریف اور اس کا حکم بیان فرمائیے، نیز تقدیراً اعراب کی مثال کو وضاحت کے ساتھ سمجھائیے، اعراب اور عامل کی تعریف بیان فرمائیے، نیز دونوں کی تعریف بظاہر ایک جیسی لگتی ہے دونوں میں کیا فرق ہے اس کو اس طرح سمجھائیے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ ہو جائیں۔

اسم متمکن کس اسم کو کہتے ہیں یہ بھی بیان فرمائیے۔

ذیل میں کچھ مشقی جملے دیئے جارہے ہیں ان کی ترکیب، معرب اور مبنی کی شناخت اور وجہ شناخت بیان فرمائیے:

اَللّٰہُ اِلٰھُنا (اللہ ہمارا معبود ہے) لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَنْصُرُہٗ (اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا)

اَلنِّسَآءُ یَسْجُدْنَ (عورتیں سجدہ کررہی ہیں) جَآءَ الْمُعَذِرُوْنَ (معذرت کرنے والے آئے)

ذَبْذَبَ ھٰؤُلَاءِ (یہ لوگ تذبذب کا شکار ہوئے) أَقِمِ الصَّلٰوۃَ (نماز قائم کیجیے)

لَا تَظْلِمُوْا انْفُسَکُمْ (اپنے اوپر ظلم نہ کرو) قَالَ ھٰذا (اس نے کہا) جَآءَ ھٰؤُلاءِ (وہ لوگ آئے)

نَصَرَ الَّذِیْنَ خَافُوْا مَقَامَ رَبِّھِمْ (ان لوگوں نے مدد کی جنہیں اپنے رب کے سامنے پیشی سے ڈر لگا)۔

فصل فی اَصنَافِ اِعرابِ الاسمِ وھی تسعۃُ اَصنافٍ الاولُ ان یکون الرفعُ بالضمَّۃِ والنصبُ بالفتحۃ والجرُّ بالکسرۃ ویُختصُّ بالمفردِ المُنصرفِ الصَّحِیح وھو عِندَ النُحاۃِ مَا لایکونُ فی آخرہٖ حَرفُ علۃٍ کزیدٍ وبالجاری مَجری الصّحیح

وهـو مـا يـكـونُ فی آخِره واوٌ او ياء ما قبلَهما ساكنٌ كدَلوٍ وظَبيٍ وبالجمع المكسّر المـنـصـرف كرجالٍ تقولُ جاء نِی زيدٌ ودلوٌ وظبیٌ ورجالٌ ورأيت زيدًا ودلوًا وظبياً ورجالاً ومررتُ بزيد ودلوٍ وظبيٍ ورجالٍ.

ترجمه : یہ فصل ہے اسم کے اعراب کی اقسام کے بیان میں وہ نو قسمیں ہیں، اول یہ کہ رفع ضمہ کے ساتھ ہواور نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ اور خاص ہے یہ اعراب مفرد منصرف صحیح کے ساتھ اور نحویوں کے نزدیک وہ ہے کہ جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو اور خاص ہے یہ اعراب جاری مجریٰ صحیح کے ساتھ اور وہ وہ ہے کہ جس کے آخر میں واؤ یا یاء ہو جن کا ماقبل ساکن ہو، جیسا کہ دلوٌ اور ظبیٌ اور جمع مکسر منصرف کے ساتھ جیسا کہ رجال کہے گا تو جاء نی زید و ظبی ورجال ورأيت زيداً ودلواً ظبيًا ورجالاً و مررتُ بزيد ودلوٍ وظبيٍ ورجال۔

اس سے قبل مصنف نے انواع الاعراب کہہ کر اعراب کی قسمیں بیان فرمائی تھیں باعتبار ذات کے اب یہاں سے اعراب کی اقسام بیان فرماتے ہیں باعتبار محل کے یعنی کہ کونسا اعراب کہاں دیا جائے اس لیے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اعراب کی کل چوبیس قسمیں ہیں۔ وہ اس طور پر کہ شروع میں اعراب کی تین قسمیں ہیں (۱) رفع (۲) نصب (۳) جر۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں (۱) اعراب بالحرکت (۲) اعراب بالحرف اب تین کو دو میں ضرب دینے سے چھ قسمیں ہوگئی، پھر ان چھ میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں حقیقی وحکمی اب چھ کو دو میں ضرب دینے سے بارہ ہوگئیں، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں لفظی وتقدیری، اب بارہ کو دو میں ضرب دینے سے کل چوبیس ہوگئیں، اور محل اعراب نو ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ اعراب حقیقی وحکمی کی تعریف بھی سمجھ لیں تا کہ مکمل مضمون بسہولت سمجھ میں آ جائے۔ اعراب حقیقی کہتے ہیں، اس اعراب کو جس کی کوئی حالت کسی کے تابع نہ ہو اور حکمی کہتے ہیں جس کی کوئی حالت دوسرے اعراب کے تابع ہو جائے، اب سنئے مصنف نے فرمایا کہ اعراب کی نو قسمیں ہیں ان میں سے اول یہ ہے کہ حالت رفع میں ضمہ ہو اور حالت نصبی میں فتحہ اور حالت جری میں کسرہ اسی اعراب کا نام اعراب بالحرکت حقیقی ہے، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ اعراب دیا جائے گا مفرد منصرف صحیح کو، اور جاری مجریٰ صحیح کو اور جمع مکسر منصرف کو اول کی مثال زید ثانی کی دلوٌ اور ظبی اور ثالث کی رجالٌ اب حالت رفعی میں آپ یوں پڑھیں گے جیسے جاء نی زيد ودلو وظبی ورجال، اور حالت نصبی میں رأيت زيداً ودلواً وظبيا ورجالاً اور حالت جری میں مررت بزيد ودلو وظبی ورجال، دیکھئے یہاں تینوں محل میں تینوں اعراب برابر تقسیم ہو گئے، کوئی حالت کسی کے تابع نہیں ہوئی، اب ان میں سے ہر ایک کی مختصر تعریف بھی سن لیجئے۔

مفرد منصرف صحیح مفرد تین چیز کے مقابلے میں آتا ہے اول تثنیہ وجمع کے، دوم مضاف ومشابہ مضاف کے، سوم مرکب وجملہ کے، یہاں مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ تثنیہ وجمع نہ ہو اور منصرف سے مراد یہ ہے کہ وہ غیر منصرف نہ

صحیح کی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ صحیح نحویوں کے نزدیک وہ ہوتا ہے کہ جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو جیسا کہ زید، مصنفؒ نے عندالنحاۃ کی قید لگا کر صرفیوں کی تعریف کو خارج کر دیا جس کو آپ پنج گنج وغیرہ میں پڑھ چکے ہو کہ صحیح وہ ہے کہ کلمہ کے حروف اصلی (فاء وعین ولام کلمہ) میں نہ حرف علت ہو اور نہ ہمزہ ہو اور نہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہوں تو گویا کہ صرفیوں ونحویوں کے صحیح کے درمیان عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے۔

''وبالجاری مَجری الصّحیح'' جاری مجریٰ صحیح وہ ہوتا ہے جو صحیح تو نہ ہو مگر صحیح کے قائم مقام ہو اور قائم مقام صحیح وہ کہلاتا ہے کہ جس کے آخر میں حروف علت میں سے واؤ، یاء ہو اور ماقبل ان کا ساکن ہو، جمع مکسر کہتے ہیں کہ جس جمع میں واحد کا وزن سلامت نہ رہے، زیادتی وکمی کی وجہ سے، پھر تغیر اس میں خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً، جمع مکسر کے ساتھ منصرف کی قید لگا کر احتراز ہے جمع مکسر غیر منصرف اور جمع سالم سے۔

نوٹ: اعراب بالحرکت کو نحویوں نے اصل مانا ہے اور اعراب بالحروف کو فرع اب سوال یہ ہے کہ ان تینوں کو اعراب بالحرکت اصل کیوں دیا؟

الجواب: چونکہ مفرد بھی اصل ہے تثنیہ وجمع کے مقابلہ میں اس لیے کہ دونوں مفرد سے بنتے ہیں لہٰذا اصل کو اصل اعراب دے دیا اور رہی قسم دوم وہ چونکہ قائم مقام صحیح ہے اس وجہ سے اس کو بھی صحیح والا اعراب دے دیا مگر یہاں ایک سوال یہ ہوگا کہ جب تثنیہ وجمع کے مقابلے میں مفرد اصل ہے تو اس لحاظ سے تو جمع مؤنث سالم کو اعراب بالحرف دیا جاتا چونکہ جمع بھی فرع ہے اور اعراب بالحرف بھی فرع الجواب ہونا تو ایسا ہی چاہئے تھا مگر چونکہ جمع مونث سالم میں حرف آخر اعراب بالحرف کی صلاحیت نہیں رکھتا اس وجہ سے بدرجۂ مجبوری اعراب بالحرکت حکمی دینا پڑا اور جمع مکسر منصرف کو اس وجہ سے اصلی اعراب دیا کہ یہ بھی بحکم مفرد ہے لہٰذا مفرد کے ساتھ لاحق کر کے اصلی اعراب دے دیا گیا۔

الثانی ان یکونَ الرفعُ بالضمةِ والنصبُ والجرُّ بالکسرةِ ویُختصُّ بجمعِ المؤنث السّالم تَقولُ هُنَّ مُسلِماتٌ ورأیتُ مُسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ.

اصناف اعراب اسم میں سے دوسری قسم یہ ہے کہ رفع ضمہ کے ساتھ ہو اور نصب وجر کسرہ کے ساتھ یعنی دوسری قسم اعراب بالحرکت حکمی کی ہے جس میں حالت نصبی جری کے تابع ہے یہ قسم خاص ہے جمع مونث سالم کے ساتھ جیسے ''هُنَّ مُسلِماتٌ ورأیتُ مُسلماتٍ ومررتُ بِمسلمات'' ان امثلہ میں آپ نے بخوبی غور کر لیا ہوگا کہ حالت نصبی جری کے تابع ہے، تعریف جمع مؤنث سالم جمع مؤنث سالم کہتے ہیں اس جمع کو کہ جس کے آخر میں الف اور تا ہو خواہ وہ مفرد من لفظه ہو یا من غیر لفظه؟ مفرد من لفظہ کی مثال جیسے مسلمات کہ اس کا مفرد مسلمة ہے اور مفرد من غیر لفظه کی مثال جیسے اولات جمع ذات کی جیسا کہ اولو جمع ہے ذُو کی من غیر لفظه۔

نوٹ: جمع مونث سالم کی حالت نصبی جری کے تابع کیوں ہے؟

الجواب: اس وجہ سے کہ جمع مونث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی اوراس کی حالت نصبی جری کے تابع ہے اس وجہ سے اس کی بھی حالت نصبی حالت جری کے تابع کردی گئی، ورنہ فرع کی فوقیت اصل پر لازم آتی مگر اس جواب پر اعتراض یہ ہوگا کہ فرع کی فوقیت تو اصل پر اب بھی باقی ہے چونکہ جمع مذکر سالم کا اعراب بالحرف ہے اوراس کا اعراب بالحرکت ہے جو کہ اصل ہے الجواب ہم نے مانا کہ اعراب بالحرکت اصل ہے، بہ نسبت اعراب بالحرف کے لیکن یہ اصل کا قاعدہ مفرد کے اندر ہے نہ کہ جمع کے اندر چونکہ جمع کے اندر تو اعراب بالحرکت اعراب بالحروف کے درجہ میں ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی چیز کسی غیر کے قائم مقام ہوتی ہے تو وہ بھی اس غیر ہی کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا دونوں برابر ہوگئے۔ فلا إشكال عليه۔

الثالثُ اَنْ یکونَ الرفعُ بالضمةِ والنصب والجرُّ بالفتحة ویُختصُّ بغیر المنصرف کعُمَر تقولُ جاء نی عُمَرُ ورأیت عُمَر ومَرَرْتُ بعُمَرَ.

قسم ثالث یہ ہے کہ حالت رفع میں ضمہ ہو اور حالت نصبی وجری میں فتحہ اور یہ اعراب مخصوص ہے غیر منصرف کے ساتھ یعنی غیر منصرف کا اعراب بھی اعراب بالحرکت حکمی ہی ہے اس میں حالت جری حالت نصبی کے تابع ہے جیسے جاء نی عُمَرُ ورأیت عُمَر ومَرَرْتُ بعُمَرَ۔

نوٹ: اس کی حالتِ جری کو نصبی کے تابع کیوں کیا؟

الجواب: اس وجہ سے کیا کہ یہ مشابہت رکھتا ہے فعل کے ساتھ وجود فرعیتین میں جیسے فعل دو چیز کا محتاج ہے ایک معنی مصدری دوم نسبت الی فاعل ما کا ایسے ہی غیر منصرف بھی فرع ہے دو چیز کے اندر (جس کو ہم بالتفصیل غیر منصرف کے بیان میں ہی ذکر کریں گے) (انشاء الله تعالیٰ) اور فعل پر کسرہ نہیں آتا، لہٰذا غیر منصرف پر بھی کسرہ نہ آئے گا۔

الرابع ان یکون الرفع بالواوِ والنصبُ بالالفِ والجرُّ بالیاءِ ویُختصُّ بِالاسْمَاء الستة مکَبَّرَةً موحَّدةً مضافةً الیٰ غیر یاءِ المتکلّم وھی اخوکَ وابوکَ وھَنُوکَ وَحمُوکِ وفُوکَ وذُو مالٍ تقول جاء نی اخوکَ ورایتُ اخاکَ ومَرَرْتُ باخِیکَ وکذا البَواقی.

جب مصنفؒ اعراب بالحرکت لفظی کے بیان سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے اعراب بالحرف لفظی کو بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ ان اصناف تسعہ میں سے چوتھی قسم یہ ہے کہ حالتِ رفعی میں واوٗ کے ساتھ ہو اور حالتِ نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں یاء کے ساتھ، فرماتے ہیں کہ اعراب کی یہ قسم خاص ہے اسماء ستہ کے ساتھ جب کہ وہ مکبرہ ہوں اور مفرد ہوں اور یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں اور وہ اسماء ستہ یہ ہیں اخــــوکَ

وابوکَ وهَنوکَ وَحمُوکِ وفُوکَ وذُو مالٍ ان اسماءستہ کا اعراب اعراب بالحرف حقیقی لفظی ہوگا جیسے آپ مثال میں یوں کہہ سکتے ہیں جاء نی اخوکَ ورایتُ اخاکَ ومَرَرتُ باخِیکَ۔ اسماءستہ کی باقی امثلہ کو بھی اس پر قیاس کر لیجئے۔

نوٹ: مصنفؒ نے اسماءستہ کے ساتھ مکبّرہ کی قید لگائی، اس لیے کہ اگر وہ بجائے مکبرہ کے مصغرہ ہوں تو پھر ان کا اعراب بالحرکت ہوگا، جیسے آپ اُخَیٌ کی تصغیر اُخَیٌّ نکال کر یوں کہیں جاء نی اُخَیُّکَ ورَأیتُ اُخَیَّکَ ومَرَرتُ باُخَیِّکَ اور اسماءستہ کے ساتھ دوسری قید لگائی ہے موحّدہ کی اس لیے کہ اگر یہ تثنیہ وجمع ہوں گے تو ان کا اعراب تثنیہ وجمع کا اعراب ہوگا جیسے ''جاء نی ابوان ورایتُ ابوین ومَرَرتُ بَاَبَوَیْنِ'' تیسری قید لگائی ہے مضافۃ کی کہ یہ اسماء مضاف ہوں اگر یہ مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحرکت ہوگا جیسے ''جاء نی اخٌ ورایتُ اَخًا ومَرَرتُ بِاَخٍ'' پھر عام ہے کہ مضاف خواہ اسم ظاہر کی جانب ہوں جیسے ابوالقاسم وابوالحسن اور خواہ اسم ضمیر کی طرف ہوں پھر ضمیر بھی خواہ غائب کی ہو یا مخاطب کی یا جمع متکلم کی۔ ہاں ان میں سے ذُو مستثنیٰ ہے کہ وہ ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے اور اگر اسم ضمیر کی طرف مضاف ہو تو یہ شاذ ہے جیسے ''انما یعرف ذا الفضل من الناس ذوہ'' وہ بے شک صاحب فضل کو صاحب فضل ہی پہچانتا ہے۔ چوتھی قید لگائی ہے الی غیر المتکلم کی کہ وہ مضاف بھی غیر یاءِ متکلم کی طرف ہوں اس لیے کہ اگر یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اعراب بالحرکت تقدیری ہوگا جیسے جاء نی غلامی ورأیت غلامی ومررت بغلامی کے اندر۔ دوسری بات یہاں یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ان پانچوں میں سے حم کو ک ضمیر مؤنث کی طرف مضاف کیا اور باقی کو مذکر کی طرف اس کی وجہ یہ ہے کہ ان چار کو مذکر، مؤنث جس کی طرف چاہیں مضاف کر دیں مگر حم صرف مؤنث ہی کی طرف مضاف ہوگا اس لیے کہ حم کہتے ہیں دیور کو اور دیور صرف عورت کا ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ ملاحظہ فرمائیں کہ ان چھ میں سے شروع کے چار ناقص واوی ہیں جیسا کہ تثنیہ کے صیغے اس بات پر دال ہیں کہ ''ابوان واخوان وهنوان وحموان'' اور ان میں سے پانچواں فوک ہے جس کی اصل فوہ بروزن فعل ہے بفتح الفاء وسکون العین تو معلوم ہوا کہ یہ اجوف واوی ہے اس کا لام کلمہ ہاء ہے جیسا کہ آپ نے ابھی اس کی اصل میں غور کیا پھر ہاء کو حذف کر دیا بعدہ واؤ کو میم سے بدل دیا فَمٌ ہو گیا۔ سوال پھر واؤ کو کیوں میم سے تبدیل کیا؟ الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر میم سے نہ بدلیں تو پھر اعراب عین کلمہ پر آئے گا اور عین کلمہ واو ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ واؤ کے ماقبل فتحہ ہے لہٰذا واؤ کو الف سے تبدیل کرنا ضروری ہو جائے گا پھر الف التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا، اب معرب ایک حرف پر باقی رہ جائے گا جب کہ اسم معرب یک حرفی کبھی بھی نہیں ہوتا پھر جب یاءِ متکلم یا اس کے علاوہ کی طرف مضاف کریں گے، تو تبدیل کرنے کی جو علت تھی (خوف السقوط عند اجتماع الساکنین) زائل ہو جائے گی پھر یہ اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے گا، اور آ

فوك کہیں گے، ترکیب عبارت مکبرۃ حال ہے، اسماء ستہ سے اور موحدہ حال ثانی، مضافۃ حال ثالث ہے اس کا نام ہے حال مترادفہ اور حال مترادفہ کہتے ہیں کہ ایک ذوالحال سے پے در پے دو یا دو سے زیادہ حال ہوں، ایک حال متداخلۃ ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ ایک ذوالحال سے ایک حال ہے پھر اس حال سے دوسرا حال ہے وھَلُمَّ جرًّا۔

الخَامِسُ اَنْ يكُوْنَ الرفعُ بالالفِ والنصبُ والجرُّ بالياءِ المفتوح ما قبلها ويُختَصُّ بالمثنّٰى وكِلا مضافاً الىٰ مضمَرٍ واثنانِ واثنتانِ تقول جاء نى الرّجُلان كلاهما واِثنانِ واِثنتانِ ورأيتُ الرَّجُلين كلَيْهِما واثنَيْن واثنتَيْن ومررتُ بِالرّجُلين كلَيْهما واثنين واثنتين.

جب مصنفؒ اعراب بالحرف حقیقی کے بیان سے فارغ ہوگئے اب یہاں سے اعراب حکمی کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ ان اقسام تسعہ میں سے پانچویں قسم یہ ہے کہ حالت رفعی میں الف کے ساتھ اور حالت نصبی وجری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ اور یہ اعراب صرف تثنیہ وکلا اور اثنان واثنتان کے ساتھ خاص ہے، یہاں سب سے پہلے تثنیہ کی تعریف یاد رکھیں، چنانچہ تثنیہ وہ اسم ہے کہ الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسور اس کے مفرد کے اخیر میں ملا ہوا ہو، جیسے رَجُلٌ سے رَجُلان ورَجُلَيْنِ اس جگہ مصنفؒ کی عبارت پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ کلا وکلتا ایسے ہی اثنان واثنتان تثنیہ ہیں یا نہیں اگر تثنیہ ہیں تو ان کو علیحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر نہیں ہیں تو ان کو تثنیہ کے بیان میں کیوں ذکر کیا؟ الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ تثنیہ کی تین قسمیں ہیں ایک حقیقی دوم صوری سوم معنوی حقیقی وہ ہے کہ جو دو پر دلالت کرے اور اس کا مفرد بھی ہو جس کے اخیر میں الف اور یاء ماقبل مفتوح ہو اور نون مکسورہ زیادہ کیا گیا ہو اور صوری وہ ہے کہ جس کی صورت تثنیہ کی ہو، اس کا مفرد نہ ہو، اور معنوی یہ ہے کہ نہ اس کا مفرد ہو اور نہ صورت تثنیہ کی ہو، مگر معنی تثنیہ کے ہوں تو اب جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ان دونوں کو علیحدہ طور پر اس لیے بیان کیا گیا کہ کہیں کسی کو یہ وہم نہ ہو جائے کہ یہ بھی حقیقتاً تثنیہ ہیں، چونکہ کلا معنیً تثنیہ ہے اور اثنان واثنتان صورتاً تثنیہ ہیں وکلا مضاف الی مضمر اور کلا کا یہ اعراب اس وقت ہوگا جب کہ یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو۔ اس پر سوال یہ ہے کہ کلا کے ساتھ یہ قید کیوں لگائی؟ الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ کلا ذوجہین ہے صورتاً مفرد ہے معنیً تثنیہ تو دونوں جانب کی رعایت کرنا ضروری تھا اس لیے شکل یہ اختیار کی کہ جب یہ مُظہر کی طرف مضاف ہو تو جانب مفرد کی رعایت کرتے ہوئے اعراب بالحرکت تقدیری دیا گیا اور جب اسم مضمر کی طرف اضافت کی گئی تو جانب تثنیہ کی رعایت کرتے ہوئے اعراب بالحرف سے نوازا گیا۔ سوال کلتا بھی تو تثنیہ ہے اس کو کیوں چھوڑ دیا؟ الجواب: کلا چونکہ مذکر ہے اور مذکر اصل ہے تو اصل پر اکتفاء کرتے ہوئے فرع کو چھوڑ دیا اثنان و اثنتان سابق جواب پر یہ اعتراض ہوگا کہ اثنان بھی تو مذکر ہے، جو کہ اصل ہے پھر اثنتان مؤنث کو کیوں بیان کر دیا اصل پر ہی اکتفا کر لیتے۔ الجواب: اس کی وجہ

ہے کہ اثنان واثنتان اسماء اعداد میں سے ہیں، اور اسماء اعداد کے اندر تذکیر وتانیث کا حکم چونکہ تمام اسماء کے خلاف ہے اس لیے اس جگہ مصنفؒ نے لفظ مذکر ومؤنث دونوں کو صراحتاً بیان کر کے یہ بتلا دیا کہ باب اعراب کے اندر مذکر ومؤنث کا حکم تمام اسماء کے موافق ہے۔

السادسُ ان یکون الرفعُ بالواو المضمومِ ما قبلَھا والنصبُ والجرُّ بالیاءِ المکسورِ ما قبلَھا وَیُختصُّ بجمع المذکر السَّالِم نحو مُسلمُونَ واُولُو وعِشرُونَ مَعَ اخَواتِھَا تقولُ جاء نی مُسلِمونَ وعِشرُونَ واولو مَالٍ ورأیت مُسلمین وعِشرینَ واُولی مالٍ ومَررْتُ بمُسلِمینَ وعِشرِینَ واولی مالٍ واعلم اَنَّ نونَ التثنیة مکسورةً ابداً ونونَ جمعِ السَّلامة مفتوحةٌ ابداً وکلاھُمَا تَسقطان عند الاضافة تقول جاء نی غلاما زیدٍ ومُسلمُو مِصر.

ترجمہ: چھٹی قسم یہ ہے کہ رفع واؤ ما قبل مضموم کے ساتھ ہو اور نصب اور جر یاء ما قبل مکسور کے ساتھ اور یہ اعراب خاص ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ جیسے مسلمون اور اُولو وعشرون اپنے اخوات کے ساتھ کہے گا تو جاء نی مُسلِمونَ وعِشرُونَ واولو مَالٍ ورأیت مُسلمین وعِشرینَ واُولی مالٍ ومَررْتُ بمُسلِمینَ وعِشرِینَ واولی مالٍ اور جاننا چاہئے کہ تثنیہ کا نون ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور جمع سالم کا نون ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے، اور وہ دونوں اضافت کے وقت ساقط ہو جاتے ہیں، جیسے جاء نی غلاما زیدٍ ومُسلمُو مِصر۔

تشریح: ان اصناف تسعہ میں سے چھٹی قسم یہ ہے کہ حالت رفعی میں واؤ ما قبل مضموم کے ساتھ ہو، اور حالت نصبی میں یاء ما قبل مکسور کے ساتھ اور اعراب کی یہ صنف خاص ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ جمع مذکر سالم کہتے ہیں اس اسم کو کہ جس اسم مفرد کے اخیر میں واؤ ما قبل مضموم یا یاء ما قبل مکسور اور نون مفتوح ملا ہوا ہو جیسے مسلم سے مسلمون اور سنةٌ سے سنون اور ارض سے ارضون اور اُلو وعشرون تا تسعون وغیرہ کا اعراب بھی یہی ہوتا ہے۔

نوٹ: اُلو وعشرون وغیرہ کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت یہاں بھی وہی ہے جو بیان تثنیہ میں کلا و اثنان کی تھی مختصر یہ کہ چونکہ یہ دونوں حقیقۃً جمع نہیں بلکہ اولو معنیٰ جمع ہے ذوکی من غیر لفظہ اور عشرون وغیرہ نہ حقیقۃً جمع ہیں نہ معنیً بلکہ ان کی صورت جمع کی ہے اس لیے ان کو جمع مذکر سالم کے ساتھ لاحق کر کے علیحدہ طور پر بیان کیا گیا۔ اگر کوئی یہاں یہ اعتراض کرے کہ عشرون تو عشرٌ کی جمع نظر آتی ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اگر عشرون کو عشر کی جمع مانو گے تو عشرون کا اطلاق ثلثون یعنی تیس پر لازم آئے گا، اس لیے کہ اقل جمع تین ہے تو تین عشرہ تیس ہوں گے، اور یہ باطل ہے اس لیے عشرون عشرٌ کی جمع نہیں ہو سکتی۔ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ تثنیہ وجمع کو اعراب حکمی

کیوں دیا؟ الجواب قلتِ اعراب کی وجہ سے اس لیے کہ اعراب کل چھ ہیں، رفع، نصب، جر، واؤ الف یاء۔ اور محلی اعراب نو ہیں، اس طور پر کہ تین مفرد کی حالتیں (رفعی، نصبی، جری) تین تثنیہ کی تین جمع کی تو تقسیم اس طرح کر دی گئی کہ رفع نصب جر تو مفرد کی تین حالتوں کو دے دیا گیا چونکہ مفرد بھی اصل اور یہ اعراب بھی اصل تو اصل کو اصل دے دیا گیا اب اعراب تین بچے اور محل اعراب چھ تو واؤ جمع کی حالت رفعی کو دے دیا گیا چونکہ فعل کے اندر بھی جمع میں واؤ آیا ہے جیسے فعلوا، اور تثنیہ کی حالت رفعی کو الف دیا گیا چونکہ فعل میں تثنیہ کے اندر الف ہی استعمال ہوا ہے جیسے فعلا اب صرف یا باقی رہی وہ تثنیہ کی دونوں حالت اور جمع کی دونوں حالت کو دیدی گئی اور فرق تثنیہ وجمع کے درمیان اس طور پر کر دیا گیا کہ تثنیہ میں یاء کے ماقبل فتحہ اور جمع میں یاء کے ماقبل کسرہ اب اگر کوئی کہے کہ اس کے برعکس کر دیتے تو کیا حرج ہوتا؟ الجواب: تثنیہ چونکہ کثیر ہے اس اعتبار سے کہ یا اور نون کے ساتھ جاندار اور غیر جاندار مذکر ومؤنث سب کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور فتحہ خفیف ہے تو کثیر خفیف کا تقاضہ کرتا ہے اس لیے فتحہ تثنیہ کو دیا گیا اور جمع قلیل ہے اس لحاظ سے کہ یاء ونون کے ساتھ صرف مذکر ذی روح کے لیے ہی آتی ہے اور کسرہ ثقیل ہے لہٰذا ثقیل قلیل کو دے دیا۔

واعلم اَنَّ نونَ التثنية مكسورةٌ الخ۔

یہاں سے حضرت المصنفؒ ایک فائدہ جدیدۃ بیان فرمارہے ہیں کہ تثنیہ کا نون تینوں حالتوں میں مکسور ہوتا ہے اور جمع کا نون ہمیشہ مفتوح اور وجہ اختصاص کی یہ ہے کہ نون مبنی ہے چونکہ حرف ہے اور اصل بناء میں سکون ہے، اور ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو کسرہ کی دی جاتی ہے اس لیے تثنیہ کا نون مکسور ہوتا ہے اب رہا جمع کا نون تو اسی قاعدہ کے پیش نظر وہ بھی مکسور ہونا چاہئے تھا مگر ایسا اس لیے نہ کیا تا کہ دونوں کے نون کے درمیان التباس لازم نہ آئے اس لیے جمع کا نون مفتوح ہوتا ہے اور نون جمع کو ضمہ اس لیے نہ دیا کہ وہ ثقیل ہے پہلے ہی یاء ماقبل مکسور ہو چکی جو کہ ثقیل ہے۔

نوٹ: مصنفؒ نے نون جمع سلامت کہا اس قید سے نون جمع مکسر کو خارج کرنا مقصود ہے اس لیے کہ وہ مکسور اور مضموم دونوں ہی ہوتا ہے جیسے نون شیاطین، اور **ابداً** منصوب ہے ظرفیت کی بنا پر ای **فی الاحوال الثلث** **وكلاهُمَا تَسقطان عند الاضافة** ۔ یہاں سے اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع دونوں کا نون بوقت اضافت ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ تنوین حالتِ اضافت میں ساقط ہو جاتی ہے اور نون عوض میں ہے تنوین کے تو جب بوقت اضافت تنوین ساقط ہوگئی تو نون بھی گر جائے گا جیسے آپ تثنیہ میں یوں کہیں جاء نی غلاما زید اور جمع کے اندر مسلمو مصر۔

نوٹ: مصنفؒ نے بیان کیا کہ یہ نون بوقت اضافت ساقط ہو جاتا ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ جب تثنیہ وجمع باللام استعمال ہوں تو نون ساقط نہ ہوگا جیسے الزّید ان، الزّیدون کے اندر۔

السابعُ ان یکون الرفع بتقدیر الضمةِ والنصبُ بتقدیر الفتحة والجرُّ بتقدیر الکسرة ویُختصُّ بالمقصُور وھو ما فی آخِرہٖ الِفٌ مقصورۃ کعَصَا وبالمُضَافِ الٰی یاء المتکلّم غَیر جمع المذکر السَّالِم کغُلامِی تقُول جَاءَ نِی عصًا وغلامِی ورأیتُ عصًا وغُلامِی ومررتُ بعَصًا وغلامِی.

ترجمه و مطلب: جب مصنفؒ اعراب لفظی کے بیان سے فارغ ہوگئے اب یہاں سے اعراب تقدیری کو بیان فرمارہے ہیں اور چونکہ اعراب تقدیری کے چار مواضع ہیں جن میں سے پہلے دو تو ایسے ہیں جہاں اعراب کا لفظوں میں آنا متعذر ہے اس لیے اعراب تقدیری ہوگا اور دو مواضع ایسے ہیں جہاں اعراب تقدیری صرف استثقال یعنی ثقل کی وجہ سے آتا ہے۔ اس تمہید کے بعد مصنف کی عبارت کا خلاصہ مع ترجمہ سمجھئے۔ چنانچہ مصنفؒ نے فرمایا کہ ان اقسام تسعہ میں سے ساتویں قسم یہ ہے کہ رفع ضمہ کی تقدیر کے ساتھ ہو اور نصب فتحہ کی تقدیر کے ساتھ اور جر کسرہ کی تقدیر کے ساتھ اور اعراب کی یہ قسم خاص ہے اسم مقصور کے ساتھ اور اس اسم کے ساتھ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس حال میں کہ وہ مضاف الی یاء المتکلم جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو، اور اسم مقصورہ وہ اسم معرب ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو پھر وہ الف مقصورہ خواہ لفظوں میں باقی ہو جیسے کہ عصٰی موسٰی وغیرہ یا لفظوں میں باقی نہ ہو جیسا کہ عصًا بالتوین۔ اسم مقصورہ میں لفظوں میں اعراب کا آنا اس وجہ سے متعذر ہے کہ اس کے آخر میں الف ہے جو حرکت کو قبول نہیں کرسکتا اس لیے کہ اگر حرکت کو قبول کرلے تو وہ الف نہیں رہے گا بلکہ ہمزہ ہو جائے گا، وبالمضاف الی یاء المتکلم اس جملہ کا عطف ہو رہا ہے بالمقصور پر مطلب عبارت کا یہ ہے کہ ایسے ہی یہ قسم خاص ہے اس اسم کے ساتھ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو یہاں اعراب کا آنا اس وجہ سے متعذر ہے کہ مثلاً غلامی کے اندر اعراب کے آنے سے پہلے ہی یاء کی مناسبت کی وجہ سے یاء کا ماقبل کسرہ چاہتا ہے اور محل اعراب میم ہے اس لیے اگر عوامل کے آنے کے بعد دوسرا اعراب جاری کریں گے تو محل واحد پر بیک وقت دو اعرابوں کا جمع کرنا لازم آئے گا، اس وجہ سے اعراب کا لفظوں میں ظاہر کرنا متعذر ہے لہٰذا تینوں حالتوں میں اعراب بالحرکت تقدیری ہوگا جیسے جَاءَ نِی عصًا وغلامِی ورأیتُ عصًا وغُلامِی ومررتُ بعَصًا وغلامِی.

الثامِنُ اَنْ یکونَ الرفع بتقدیر الضمَّةِ والجرُّ بتقدیر الکسرة والنصبُ بالفتحة لفظاً ویُختصُّ بالمنقُوصِ وھو ما فی آخرہٖ یَاءٌ ما قبلها مکسورٌ کالقاضِی تقول جَاءَ نی القاضِی ورأیتُ القاضِیَ ومَرَرْت بالقاضِی.

ترجمه ومطلب: اس سے قبل مصنفؒ نے اعراب بالحرکت تقدیری حقیقی کو بیان فرمایا اب یہاں سے اعراب بالحرکت تقدیری حکمی کو بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ ان اقسام تسعہ میں سے آٹھویں قسم یہ ہے کہ

حالت رفعی میں ضمہ مقدر ہوگا اور جری میں کسرہ مقدر اور حالت نصبی میں فتحہ لفظاً مذکور ہوگا یہ اعراب مخصوص ہے اسم منقوص کے ساتھ اور اسم منقوص کہتے ہیں اس اسم معرب کو کہ جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو، جیسا کہ قاضی اس آٹھویں قسم میں حالت رفعی اور جری میں اعراب تقدیری آیا ہے، یا کے اوپر حرکت کے ثقیل ہونے کی وجہ سے یعنی کہ اعراب کو لفظوں میں ظاہر تو کر سکتے ہیں مگر یاء پر چونکہ ضمہ اور کسرہ ثقیل ہوتا ہے اس وجہ سے تقدیری اعراب ہوگا، بر خلاف حالت نصبی کے چونکہ فتحہ اخفُ الحرکات ہے وہ یاء پر ثقیل نہیں اس وجہ سے اس حالت میں اعراب لفظی ہوگا، جیسے کہ آپ کہیں جَاءَ القاضِی ورأیتُ القاضِیَ و مَرَرْت بالقاضِی.

التاسع ان یکون الرفعُ بتقدیر الواو وَالنصبُ والجرُّ بالیاء لفظًا ویُختَصُّ بجمع المذکر السالم مضافاً الی یاء المتکلّم تقُول جاء نی مسلِمِیَّ تقدیرہٗ مُسْلِمُوْیَ اجتَمَعَتِ الواوُ والیاء والاُولٰی منھما سَاکِنَۃ فقلبت الواو یاءً واُدغِمَتِ الیاءُ فی الیاءِ واُبدِلَتِ الضَّمَّۃُ بالکسرۃ لمناسبۃ الیاءِ فصار مسلِمِیَّ ورأیتُ مُسلِمِیَّ ومَرَرْتُ بِمُسلِمِیَّ.

ترجمہ و مطلب: جب حضرت المنصفؒ اعراب بالحرکت تقدیری کے بیان سے فارغ ہو گئے اب یہاں سے اعراب بالحرف تقدیری کو بیان کر کے اصناف تسعہ کی بحث کو ختم فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ نویں قسم یہ ہے کہ رفع واؤ کی تقدیر کے ساتھ ہو اور نصب و جر یاء لفظی کے ساتھ ہو، اور اعراب کی یہ آخری کڑی خاص ہے، جمع مذکر سالم کے ساتھ جب کہ وہ جمع مذکر سالم مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسا کہ آپ یوں کہیں جاء نی مسلمی کہ یہاں واؤ مقدر ہے اس لیے کہ اس کی اصل مسلموی تھی، اب واؤ اور یاء دو حرف علت جمع ہو گئے اور قاعدہ یہ ہے کہ ان دو میں پہلا جو بھی ساکن ہو اس کو دوسرے والے سے تبدیل کر دو، لہٰذا یہاں چونکہ پہلے واؤ ہے جو کہ ساکن ہے اس کو یاء سے بدل دیا پھر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا پھر میم کے ضمہ کو یاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے بدل دیا لہٰذا مسلمیّ ہو گیا۔

نوٹ: یہاں حالت رفعی میں اعراب مقدر کیوں نصبی و جری میں کیوں نہیں۔

الجواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ حالت رفعی میں تو یہ مسلمون تھا اور نصبی و جری میں مسلمین تھا تو چونکہ حالت رفعی میں تعلیل کی گئی اور اس کے ساتھ ساتھ ادغام بھی کیا گیا، اور بر خلاف حالتِ نصبی و جری کے کہ ان میں صرف ادغام کیا گیا اور آپ جانتے ہیں کہ تعلیل کی وجہ سے کلمہ اپنی حقیقت سے خارج ہو جاتا اور ادغام کی وجہ سے اپنی حقیقت سے خارج نہیں ہوتا بلکہ علی حقیقتہٖ باقی رہتا ہے اس وجہ سے اس صنف کا اعراب حالتِ رفعی میں تقدیری ہوگا اور حالت نصبی و جری میں لفظی ہوگا۔

فائدہ: بعض نحویین نے یہاں اعراب کی اور بھی شکلیں بیان کیں، جن کی طرف مصنف مختصر الہدایۃ نے توجہ نہیں فرمائی ان میں ایک شکل یہ کہ جس کی طرف ماقبل میں بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ کبھی اعراب بالحرف بھی احوال

ثلاثہ میں تقدیری ہوتا ہے مثلاً جیسا کہ جمع مذکر سالم جب کہ معرف باللام کی طرف مضاف ہو اور جیسا کہ اسماء ستہ مکبرہ جب کہ وہ بھی معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے جاء نی مسلمو القوم ورأيت مسلمی القوم ومررت بمسلمی القوم اور جاء نی أبو القاسم ورأيت أبا القاسم ومررت بابی القاسم تیسرا موضع یہ بیان کیا کہ تثنیہ کے اندر رفع الف کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے مگر یہ اس وقت ہے جب کہ یہ مضاف ہو معرف باللام کی طرف جیسے جاء نی غلاما الرّجل صاحب درایۃ النحو فرماتے ہیں کہ یہ مذکورہ اقسام علامہ تفتازانیؒ نے اپنی کتاب الموسوم بالارشاد کے اندر بیان فرمائی ہیں۔

تمرین:

اعراب حقیقی اور حکمی کس کو کہتے ہیں، اعراب تقدیری کا کیا مطلب ہے، پھر اعراب لفظی بالحرکت حقیقی کن اسماء پر آتا ہے، اور اعراب لفظی بالحرکت کن اسماء پر، اور اعراب بالحرف حقیقی کس جگہ اور حکمی کس جگہ آتا ہے۔ اور اعراب تقدیری کے محل وقوع کون کون سے اسماء ہیں مع امثلہ بیان فرمایئے۔ نیز وہ کون سا اسم ہے جہاں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوتا ہے ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بیان فرمایئے، نیز وہ کون سا اسم ہے جہاں نصب لفظی اور رفع وجر تقدیری ہوتا ہے، نیز وہ کون سا اسم ہے جہاں صرف رفع تقدیری اور باقی دو اعراب لفظی آئے ہیں مع امثلہ بیان فرمایئے اور وجہ بھی تحریر فرمایئے۔

خط کشیدہ الفاظ میں غور کرنے کے بعد بتلایئے کہ اسم متمکن کی سولہ اقسام میں سے کون سی قسم ہے اور اس کا اعراب کیا ہے:

الولد سر لأبيه . أولاد فاطمة صالحون ، رمى الجمار واجبٌ ، دلو العرب أكبر من دلو أهل الهند ، الحسنات يذهبن السيئات (نیکیاں برائیوں کی مٹادیتی ہیں) النساء المؤمنات يُدنِيْنَ عليهن من جلابيبهنّ (مومنہ عورتیں نیچے لٹکالیتی اپنے اوپر تھوڑی سی چادریں) قال عمرؓ ، قال يوسف لأبيه ، أبونا شيخ كبير ، هو ذو علم وحسن ، دخل معه السجن فتيان (یوسفؑ کے ساتھ جیل میں دو جوان داخل ہوئے) المؤمنون إخوة، يتذكر أولو الألباب (عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں) أمتنا اثنتين وأحييْتَنا اثنتين (تو ہم کو موت دے چکا دوبارہ اور زندگی کی دے چکا دوبارہ) لاتتخذوا الهين اثنين (تم دو دو معبود نہ بناؤ) إما يبلغن عندك الكبر أحدُهما أو كلاهما (جب تمہارے والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں کے دونوں کے بوڑھاپے کو پہنچ جائیں) كلتا الجنتين اتَتْ أكلها (دونوں باغ اپنا پھل لائے ہیں) واعدنا موسى اربعين ليلة، إنا نبشرك بغلام ن اسمه يحيىٰ (ہم آپ کو ایک ایسے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا) ذلك عيسى ابن مريم، رب اشرح لى صدرى (ا

اب میرا سینہ کھول دیجئے) کفیت أذی یا من یعدّ محاسنی علانیتی هذا ولم ندر باطنی (اے وہ شخص جو میری خوبیاں گنا رہا ہے تو مجھے ستانے میں حد اور بس کردی، یہ میرا ظاہر ہے اور باطن کی تجھے خبر نہیں ہے) مررت بالوادی، بلغ مرسلی رسالتی (میرے رسولوں نے میرا پیغام پہنچا دیا)۔ حکم القاضی۔

فصل الاسمُ المعرب علی نوعین مُنْصَرِفٌ وهو ما لیس فیه سببانِ او واحِدٌ یقومُ مَقَامَهُمَا مِن الاسباب التّسعة کزید ویُسَمّی الاسمَ المتمکّنَ.

ترجمہ: اسم معرب کی دو قسمیں ہیں اول منصرف اور منصرف وہ ہے کہ جس میں نو اسباب میں سے دو سبب یا ایک جو دو کے قائم مقام ہو وہ نہ ہو جیسے زید اور منصرف کا نام اسم متمکن بھی ہے۔

تشریح: اس سے قبل مصنفؒ نے اصناف اعراب کے اندر منصرف وغیر منصرف کا تذکرہ فرمایا تھا ضمناً اب یہاں سے مستقل طور پر منصرف وغیر منصرف کی تعریف بیان فرما رہے ہیں ساتھ ہی ان دونوں کے حکم کو بھی بیان فرمائیں گے۔ اس لیے فرمایا کہ اسم معرب کی دو قسمیں ہیں، اول منصرف، منصرف کے لغوی معنی آتے ہیں زیادتی کے چونکہ یہ صرف سے ماخوذ ہے اور صرف کے معنی زیادتی کے آتے ہیں تو منصرف کو منصرف بھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ زیادتی پر مشتمل ہوتا ہے زیادتی پر مشتمل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسرہ اور تنوین کو جگہ دیتا ہے اس لیے اس کا دوسرا نام متمکن بھی ہے یعنی کسرہ اور تنوین کو جگہ دینے والا۔ یہ تو تھی لغوی تحقیق، اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں غیر منصرف کے اسباب تسعہ میں سے (جس کا بیان آگے آرہا ہے) دو سبب نہ پائے جائیں اور نہ ایک وہ سبب پایا جائے جو دو سبب کے قائم مقام ہو۔ سبب سے مراد وہ چیز ہے کہ جب وہ کلام میں حاصل ہو تو متکلم پر واجب ہے کہ اس کے مناسب جو احکام ہیں ان کو اختیار کرے۔ اور ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام دو سبب مل کر کرتے ہوں اس کو تنہا ایک سبب کردے۔ منصرف ترکیبی اعتبار سے مجرور ہے، نوعین سے بدل ہونے کی وجہ سے اور اس کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

نوٹ: منصرف کی اس تعریف پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ تعریف عدمی ہے اور تعریف کا حق یہ ہے کہ وہ وجودی ہو اس لیے کہ یہ معرّف (بالکسر) ہے اور معرف کے لیے ضروری ہے کہ وہ وجودی ہو، چونکہ عدمی شئ معرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لیے کہ جو چیز موجود ہی نہیں ہے بنفسہ اس کے ذریعہ غیر کو کیسے پہچانا جاسکتا ہے؟

الجواب: آپ کو یقیناً یہ بات معلوم ہوگی کہ تعریف سے مقصود کسی چیز کو کسی چیز سے تمیز دینا ہوتا ہے اور یہ بات معدوم سے بھی ممکن ہے۔ لهٰذا فلا اعتراض علیه۔

وحُکمُهٗ ان یّدخُلَهُ الحرکاتُ الثلٰث مع التّنوین تقولُ جَاءَ نِی زیدٌ ورأیتُ زَیداً ومَرَرْتُ بزیْدٍ.

یہاں سے منصرف کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ حکم اس کا یہ ہے کہ اس پر رفع، نصب، جر تینوں حرکات داخل ہو جائیں اور تنوین کی ضرورت ہو تو وہ بھی داخل ہو سکے، جیسے آپ یوں کہیں جاء نی زیدٌ ورأیتُ زیداً ومَرَرْتُ بزیدٍ.

وغیرُ مُنصَرِفٍ وھُو مَافِیْهِ سَبَبَان او وَاحِدٌ مِّنْهَا یقومُ مقامَهما.

ترجمہ ومطلب: اسم معرب کی دوسری قسم غیر منصرف ہے جس کی تعریف یہ بیان کی گئی کہ غیر منصرف وہ اسم معرب ہے کہ جس میں اسباب تسعہ میں سے دو سبب ایسے پائے جائیں جو کسی اسم میں جمع ہو کر اثر انداز ہوں اور ان دو سببوں کی شرائط بھی پائی جائیں یا ان اسباب تسعہ میں سے ایک سبب ایسا پایا جائے جو دو سبب کے قائم مقام ہو اور وہ سبب جمع منتہی الجموع ہے اور تانیث بالألف المقصورہ والممدودۃ ہے جیسے حُبلٰی وحمراء ہم نے یہ جو کہا کہ ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو اس میں تعمیم ہے خواہ وہ حقیقتاً دو کے قائم مقام ہو خواہ حکماً ہو۔ حقیقتاً کی مثال جیسے مصابیح، مساجد وغیرہ۔ اور حکماً کی مثال جیسے سراویل کہ سراویل چونکہ جمع منتہی الجموع کے ہموزن ہے اس وجہ سے اس میں جمع حکماً پائی گئی جس کی وجہ سے اس کو بھی دو سبب کے قائم مقام مان لیا گیا۔ ورنہ تو سرے سے جمع ہی نہیں ہے۔

والاسبابُ التِّسعَةُ ھی العدلُ والوصفُ والتانیثُ والمعْرفَةُ والعُجمةُ والجمعُ والترکِیبُ والالفُ والنونُ الزائِدتانِ ووزنُ الفِعلِ.

یہاں مصنفؒ ان اسباب تسعہ کی تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ وہ اسباب تسعہ عدل وصف، تانیث معرفہ عجمہ، جمع ترکیب وزن فعل اور الف نون زائدتان ہیں۔

نوٹ: اسباب منع صرف کی تعداد کے سلسلے میں اختلاف ہے ایک تعداد تو یہی ہے جس کو صاحب کتاب اور دیگر جمہور علماء نے بھی اختیار کیا (۲) یہ ہے کہ اسباب منع صرف دو ہیں، ایک حکایت، دوم ترکیب۔ حکایت کا مطلب یہ ہے کہ فعلیت کو اسمیت کی طرف منتقل کرنا جیسے وزن فعل میں لفظ یشکر واحمد کو اسمیت کی طرف منتقل کر دیا تو جس چیز نے فعل سے اسم کی طرف منتقل کیا وہ حکایت ہی تو ہے اور جیسے اسمیت کی طرف منتقل ہونے سے قبل کسرہ نہیں آتا تھا، ایسے ہی بعد الانتقال بھی نہیں آئے گا، اور باقی جتنے بھی اسباب منع صرف ہیں وہ ترکیب میں داخل ہیں، لہٰذا کل دو ہوئے (۳) یہ ہے کہ دس ہیں اور دسواں سبب وہ ہے جو کہ مشابہہ ہوتا نیث مقصورہ کے الف کے جیسا کہ ارطیٰ جس وقت کہ یہ علم ہو (۴) چوتھا قول یہ ہے کہ گیارہ ہیں، دس تو مذکورہ اور گیارہواں وصف اصلی کا اعتبار کرنا علمیت کے زائل ہونے کے بعد اس کو آپ لفظ احمر کے ذریعہ سمجھئے کہ احمر غیر منصرف ہے وزن فعل اور وصف کی وجہ سے اور وصف میں نکارت ہوتی ہے اب احمر کو علم بنا دیا اور علم میں تعیین ہوتی ہے لہٰذا اب وصفیت ختم ہوگئی اب یہ غیر منصرف ہے وزن فعل اور علم کی وجہ سے اب کسی وجہ سے علمیت کو بھی زائل کر دیا، تو اس میں ہو گیا اختلاف، امام سیبویہ

کہا کہ وصفیت چونکہ علمیت کی وجہ سے زائل ہوئی تھی اوراب علمیت خود زائل ہوگئی، لہٰذا وصفیت پھر لوٹ آئے گی تو گیارہویں سبب سے مراد یہی وصفیت ہے (۵) یہ ہے کہ تیرہ ہیں گیارہ تو مذکورہ اور بارہویں (۱۲) تانیث کے دونوں الف کا تانیث کے لیے لازم ہونا اور تیرہویں (۱۳) جمع کا لزوم۔

وحُکمُہٗ اَن لا یدخُلَہُ الکسرۃ والتَّنوِینُ.

اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر نہ کسرہ داخل ہوگا اور نہ تنوین اور وجہ عدم دخول کی یہ ہے کہ غیر منصرف مشابہت رکھتا ہے فعل کے ساتھ وجود فرعیتین کے اندر اس کو آپ یوں سمجھئے کہ غیر منصرف میں دو علتیں ہوتی ہیں اور ہر علت کسی نہ کسی چیز کی فرع ہوتی ہے تو جب اسم کے اندر دو علتیں واقع ہوں گی تو اسم کے اندر دو فرع بھی حاصل ہوں گی تو وہ فعل کے ساتھ اس حیثیت سے مشابہ ہو جائے گا کہ فعل کے لیے بھی بہ نسبت اسم کے دو فرع ہیں ان دو میں سے ایک فعل کا فاعل کی طرف محتاج ہونا افادہ کے لحاظ سے دوسری معنی مصدری کا محتاج ہونا اشتقاق کے لحاظ سے اور آپ کو معلوم ہے کہ فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتے، لہٰذا غیر منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین داخل نہ ہوں گے، یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ تنوین سے مراد ہماری تنوین تمکن ہے جو کلمہ کے اصلی حالت پر برقرار رہنے پر دلالت کرے، لہٰذا اگر اس کے علاوہ کوئی اور تنوین غیر منصرف پر آ جائے اس سے ہماری مراد پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

فائدہ: ہم نے یہ جو کہا ہے کہ علت کے لیے ایک فرع ہوتی ہے اس کو بھی سمجھ لیجئے مثلاً عدل ہے یہ معدول عنہ کی فرع ہے چونکہ عدل میں معدول عنہ سے عدول کیا جاتا ہے تو معدول عنہ اصل ہوا، یعنی کسی اسم کا اپنی حالت پر برقرار رہنا اصل ہوتا ہے اور نہ رہنا فرع ہوتا ہے لہٰذا عدل معدول عنہ کی فرع ہوا۔ وصف موصوف کی فرع ہے چونکہ وصف بغیر موصوف کے نہیں پایا جاتا اور تانیث تذکیر کی فرع ہے اس لیے کہ پہلے مثلاً قائمٌ بولا جاتا ہے پھر تا بڑھا کر قائمۃ اور تعریف تنکیر کی فرع ہے کہ پہلے رجل بولا جاتا ہے پھر الرّجل اور عجمہ کلام عرب میں عربیت کی فرع ہے اس لیے کہ ہر کلام میں اصل یہ ہے کہ اس میں دوسری زبان کا لفظ نہ ملے۔ اور جمع واحد کی فرع ہے اس لیے کہ واحد سے ہی جمع بنتی ہے تو پہلے واحد ہے پھر جمع اور ترکیب افراد کی فرع ہے اس لیے کہ پہلے مفرد معلوم ہوتا ہے بعد میں مرکب ذہن میں آتا ہے اور الف نون زائدتان اس اسم کی فرع ہیں، جس پر یہ زیادہ کئے جائیں، جیسے عثمان عثم پر الف نون زیادہ کر کے بنا تو عثمان عثم کی فرع ہوا، اور وزنِ فعل وزن اسم کی فرع ہے اس لیے کہ ہر نوع میں اصل یہ ہے کہ اس میں ایسا وزن نہ ہو جو کسی دوسری نوع کے ساتھ خاص ہو تو جب کسی نوع میں دوسری نوع کا وزن پایا جائے گا تو دوسری نوع کا وزن نوع اول کے لیے جو کہ (اصل ہے) فرع ہوگا۔

ویکونُ فی مَوضعِ الجرّ مفتُوحاً ابدًا تقولُ جاء نی اَحمَدُ ورأیتُ اَحمَد وَمَرَرْتُ بِاحمدَ.

مطلب یہ ہے کہ غیر منصرف حالت جری میں ہمیشہ مفتوح ہوگا۔ جیسے جاء نی اَحْمَدُ ورأیتُ اَحْمَدَ وَمَرَرْتُ باحمدَ.

تمرین:

اسم منصرف اور غیر منصرف کی تعریف بیان کیجئے (۲) دونوں کا حکم بیان کیجئے (۳) غیر منصرف کے کل کتنے اسباب ہیں (۴) اگر اس کے سلسلے میں کوئی اختلاف ہو تو وہ بھی بیان کیجئے (۵) غیر منصرف کے وہ کون سے اسباب ہیں جو دو سبب کے قائم مقام ہیں؟

امّا العَدْلُ فهو تغيّر اللفظ مِنْ صِيْغتِه الأصلية الٰى صيغة أُخرٰى تحقيقاً أو تقديرًا.

جب مصنف غیر منصرف کی تعریف کے بعد اسباب تسعہ کو باعتبار تعداد کے بیان کر چکے ہیں یعنی مجملاً بیان کر چکے اب یہاں سے ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بیان فرماتے ہیں باعتبار تعریف و شرائط کے اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے العدل کے شروع میں أمّا تفصیلیہ لائے، عدل کے لغوی معنی بہت سے آتے ہیں (۱) عدل بمعنی اعراض جب کہ صلہ عَن آئے زیدٌ عدَلَ عنِ الدَّرس (۲) صرف کرنا جب کہ صلہ فی آئے جیسے زید عدل فی المال (۳) انصاف جب کہ صلہ بین آوے جیسے زید عدل بین الرجلین (۴) بُعد دوری جب کہ صلہ مِن آوے جیسے زید عدل من الوطن (۵) رجوع کرنا جب کہ صلہ الی آوے عدل کی اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرمائیں گے مگر تعریف سے پہلے چند باتیں سمجھ لیجئے جس سے تعریف کا سمجھنا آسان ہو جائے (۱) صیغہ کہتے ہیں حروف کو حرکات و سکنات کے ساتھ ترتیب دے کر جو ہیئت و شکل بنتی ہے تو حروف و حرکات و سکنات مادّہ ہوئے اور ان کو ترتیب دے کر جو صورت تیار ہوئی اس کو صیغہ کہتے ہیں (۲) مراد صیغہ سے مادّہ و صورت دونوں نہیں بلکہ صرف صورت ہے (۳) اصلیۃ کے اندر تا برائے تانیث نہیں بلکہ برائے نسبت ہے (۴) مراد اصلیہ سے وہ صیغہ اصلیہ ہے جس میں قلب مکانی و تخفیف نہ ہو یعنی تعلیل نہ ہو۔ اب سمجھئے تعریف کا خلاصہ عدل وہ لفظ کا منتقل ہونا اپنی اصلی صورت سے دوسری صورت کی طرف یعنی لفظ اپنے پہلے صیغہ سے خارج ہو کر دوسرے صیغہ میں داخل ہو جائے، جو اوّل کے مغائر ہو اور صیغۂ ثانیہ کسی اصل اور قاعدہ کے تحت داخل نہ ہو، جس طرح کے پہلا صیغہ قاعدہ کے تحت داخل تھا۔

نوٹ: اس تعریف میں آپ کو تین باتیں حاصل ہوئیں ایک تو یہ کہ عدل میں لفظ کا خروج اپنے ہی صیغۂ اصلیہ سے ہوتا ہے مطلق صیغہ اصلیہ سے نہیں جیسا کہ اسماء مشتقات میں مثلاً قائل مقول یہ صیغہ اصلیہ یعنی مصدر سے تو نکلے ہیں لیکن مصدر ان کا اپنا اصلی صیغہ نہیں ہے کیونکہ مصدر و مشتقات دونوں کے معنی الگ الگ ہیں اور عدل میں پہلے صیغہ اور دوسرے صیغہ دونوں کے معنی متحد ہوتے ہیں (۲) دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عدل میں مادہ یعنی حروف اصلی (ف، ع، ل) باقی رہتے ہیں صرف صورت بدلتی ہے اس لحاظ سے اسماء محذوفۃ الاعجاز یعنی جن کا دوم کلمہ حذف

گیا ہو جیسے یـدٌ اور دمٌ دونوں اپنے اصلی صیغہ یـدوٌ ودمـوٌ سے نکل کر دوسری شکل میں داخل ہو گئے مگر یہاں صورت تبدیل ہوگئی اور مادّہ بھی (۳) تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صیغۂ اولیٰ سے خارج ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے صیغہ میں داخل ہو جائے اور دوسرا صیغہ پہلے کے مغائر ہو اور صیغۂ ثانیہ کسی قاعدہ کے تحت داخل ہو، جیسا کہ پہلا تھا، اس لحاظ سے مغیرات قیاسیہ یعنی جن کے اندر تعلیل ہوئی ہو، جیسے مقول ومبیع یہ عدل کی تعریف سے خارج رہیں گے اس لیے کہ اگر چہ ان میں ایک صیغہ سے دوسرے صیغہ کی طرف انتقال بھی ہے اور مادّہ بھی برقرار ہے کہ صیغہ ان کا مقول ومبیو ع ہے مگر چونکہ دونوں صیغے قاعدہ کے ماتحت ہیں اس لیے کہ صیغہ اصلیہ ثلاثی مجرد اسم مفعول کے وزن پر ہے اور ثانیہ اس لیے کہ وہ قاعدہ صرفیہ کے ماتحت ہے۔

تـحـقیقاً أو تقدیرًا - سے عدل کی تقسیم کی طرف اشارہ فرمایا کہ عدل کی دو قسمیں ہیں ایک عدل تحقیقی دوم عدل تقدیری، عدل تحقیقی کہتے ہیں اس کو جس کی اصل پر غیر منصرف ہونے کے علاوہ کوئی اور دلیل ہو کہ یہ اسم فلاں اسم سے معدول ہے اور عدل تقدیری وہ ہے کہ جس کی اصل پر غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ کوئی اور دلیل نہ ہو کہ فلاں اسم سے کیوں معدول ہے۔اور ان دونوں کو آپ مثال سے **ویـجـتـمـع مع العلمیة ومع الوصفیت** کے اندر سمجھیں گے۔

ولا یـجتَمِعُ مع وزن الفِعل اَصْلاً ویجتَمِع مَعَ العلَمِیَّة کعُمَرَ وزُفَر ومع الوَصفِ کثُلاث ومَثلَث واُخَرَ وجُمَعَ.

تـرجـمـه: اور عدل وزن فعل کے ساتھ بالکل جمع نہیں ہوتا ہاں علمیت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ عمر اور زُفر اور وصف کے ساتھ جیسے ثلٰث مثلث واُخرُ وجُمعُ۔

یہاں سے مصنفؒ اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ جب کسی اسم کو غیر منصرف پڑھیں اور وہاں آپ نے ایک سبب عدل کو مان لیا باقی آٹھ اسباب میں سے عدل کے ساتھ دوسرا کون سا مانیں گے مصنفؒ نے جواب دیا کہ عدل وزن فعل کے ساتھ تو بالکل جمع نہیں ہوگا اس لیے کہ عدل کے چھ اوزان متعین ہیں جن کو شاعر نے شعر میں پیش کیا اوزان عدل را بتمامی تو شش شمـر ، مـفعَلُ فُعَلُ ، مثالهما مَثْلَثُ عُمَرُ ، فَعَلِ است ہمچو اَمَس فُعَالُ است چوں ثُلاثُ ۔ دیگر فَعَالِ داں تو قَطَامِ وفَعَلُ سَحَرُ یہ چھ اوزان ہیں، ان میں سے کوئی سا وزن بھی فعل کے وزن پر نہیں، لہٰذا عدل فعل کے ساتھ بالکل جمع نہ ہوگا خواہ عدل تحقیقی ہو یا تقدیری **ویـجـتـمـع مع العلمیّة کعمر وزُفـر** ۔فرماتے ہیں کہ عدل علمیت کے ساتھ جمع ہو جائے گا، جیسا کہ عمر وزفر کہ یہ دونوں غیر منصرف ہیں علمیت وعدل تقدیری کی وجہ سے اس لیے نحویوں نے جب یہ دیکھا کہ اہل عرب ان کو اپنے کلام میں غیر منصرف پڑھتے ہیں جب کہ ان میں علمیت کے علاوہ ظاہر میں کوئی دوسرا سبب ہے بھی نہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ غیر منصرف پڑھنے کے لیے دوسرا

نے چاہئیں تو اس لیے نحویوں نے اپنے قاعدہ کو بچانے کے لیے عدل کو مان لیا پھر نحویوں سے پوچھا گیا کہ یہ کس سے معدول ہیں، یعنی ان کا معدول عنہ کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ عمر کا عامر ہے اور زفر کا زافر ہے اور دلیل اس پر اہل عرب کے غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کچھ نہیں یہیں سے آپ کو وہ بات بھی سمجھ میں آ گئی جس کا ہم نے تحقیقاً اور تقدیراً میں وعدہ کیا تھا۔

ویجتمع مع الوصفیة: فرماتے ہیں کہ ایسے ہی عدل وصفیت کے ساتھ بھی جمع ہو جائے گا **کثلث ومثلث** یہ دونوں بھی غیر منصرف ہیں وصفیت وعدل کی وجہ سے اس لیے کہ اہل عرب ان کو بھی اپنے کلام میں غیر منصرف پڑھتے ہیں تو نحویوں کو پھر پوچھا گیا کہ اس کا معدول عنہ کیا ہے تو انہوں نے بتلایا کہ ثلثة ثلثة مثلثة مثلثة ہے دلیل معلوم کی تو بتلایا ثلث مثلث کے معنی میں تکرار ہے چونکہ دونوں کے معنی تین تین کے ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ معنی کا تکرار دلالت کرتا ہے لفظ کے تکرار پر اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بھی مکرر ہیں، اس لیے ہم نے کہا کہ دونوں ثلثة ثلثة و مثلثة مثلثة سے معدول ہیں، یہیں سے آپ نے یہ بھی جان لیا کہ یہ عدل تحقیقی کی مثالیں ہیں آخر یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے چونکہ آخر جمع ہے اخری کی اور اُخریٰ مؤنث ہے آخر کا اور آخر اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک کے بھی ساتھ ہوتا ہے (۱) الف لام کے ساتھ (۲) اضافت کے ساتھ (۳) من کے ساتھ۔ اور یہاں اس کا استعمال کسی ایک کے بھی ساتھ نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے مگر یہاں غیر منصرف کی مناسبت سے یہ ضرور یاد رہے کہ یہ اضافت کے ساتھ معدول نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اضافت تو غیر منصرف کے منافی ہے یعنی کہ غیر منصرف کو بھی منصرف بنا دیتی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اسباب منع صرف کے ختم پر آ رہی ہے اس لیے معلوم ہوا کہ دو میں سے کسی ایک سے معدول ہے، وجمع جمع ہے جمعاء کی جو کہ مؤنث ہے اجمع کا اور اجمع افعل کے ہم وزن ہے اور افعل کا صیغہ کبھی صفت میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسم میں اگر افعل صفت کے لیے استعمال ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ اس کی جمع فعل کے وزن پر آتی ہے جیسا کہ حمراء کی حمر اور اگر اسم ہووے تو اس کی جمع فعالی یا فعلاوات آتی ہے جیسا کہ صحراء کی جمع صحاریٰ، صحراوات آتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جمع کی اصل جمع (بسکون میم) یا جماعی یا جمعاوات ہے، لہٰذا ان تین میں سے کسی ایک سے معدول ہے تو اس میں بھی وصفیت پائی گئی اور عدل تحقیقی یعنی کہ اس کے غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس پر دلیل موجود ہے۔

نوٹ: مصنفؒ نے اسباب تسعہ میں سے علاوہ عدل کے کسی اور کی تعریف کیوں بیان نہیں فرمائی؟

الجواب: عدل کی تعریف اس وجہ سے بیان کی کہ اس کی تعریف بڑی مشکل تھی بخلاف دوسرے اسباب کی تعریف کے کہ وہ زیادہ اہم نہیں ہے نیز بقیہ اسباب کی تعریف نحو کے چھوٹے چھوٹے رسائل سے بھی معلوم ہو جاتی ہے

تمرین:

عدل کی تعریف بیان کیجئے (۲) عدل تحقیقی وعدل تقدیری کا مطلب بیان کیجئے (۳) عدل وزن فعل کے ساتھ کیوں جمع نہیں ہوتا اس کی وجہ بیان کیجئے۔ (۴) عدل کے چھ اوزان کیا ہیں مع مثالوں کے بیان کیجئے (۵) مندرجہ ذیل کلمات میں بتلایئے کہ کون عدل تحقیقی ہے اور کون عدل تقدیری۔ رُبَاعُ مَرْبَعُ، خُمَاسُ مَخْمَس، سُدَاسُ مَسْدَسُ، سباعُ مَسْبَعُ، قطام، غَلابِ (ایک عورت کا نام ہے) جُمَعُ، عُمَرُ، زُفَرُ.

امَّا الوصفُ فلا يجتمِعُ مَعَ العَلَميةِ اصلاً وشرطُهٗ ان يكون وصفًا فى أصل الوضع فاسْوَدُ وارقم غير مُنصرفٍ وَاِن صار اسمَيْن للحيَّةِ لاصالَتِهما فى الوصفِيَّةِ واَربع فى مررتُ بنسوةٍ اربعٍ منصرفٌ مَعَ اَنَّهٗ صفَة ووزن الفعل لعدم الاصالة فى الوصفيةِ.

ترجمہ: بہرحال وصف علمیت کے ساتھ بالکل جمع نہیں ہوگا اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ اصل وضع میں وصف ہو لہٰذا اَسْوَدُ وارْقَمُ غیر منصرف ہوں گے، اگرچہ وہ دونوں سانپ کے نام ہو گئے ان دونوں کے وصفیت میں اصل ہونے کی وجہ سے اور اربع مررت بنسوۃ اربع میں منصرف ہے باوجود اس کے کہ وہ صفت ہے اور وزن فعل ہے اس کے وصفیت میں اصل نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: یہ غیر منصرف کا دوسرا سبب ہے۔ وصف کہتے ہیں اس اسم کو جو ایسی ذات مبہمہ پر دلالت کرے جس میں بعض صفات کا اعتبار ہو جیسے کہ احمر ایک ایسی ذات کے لیے موضوع ہے جو اپنی بعض صفات جو کہ حمرت (سرخی) ہے کے ساتھ معتبر ہے فلا يجتمع مع العلمية اصلاً۔ جب آپ کو وصف کی تعریف معلوم ہوگئی کہ وصف ذات مبہمہ پر دلالت کرنے کو کہتے ہیں اسی وجہ سے وصف علمیت کے ساتھ جمع نہیں ہوگی چونکہ دونوں کے درمیان تضاد ہے اس لیے کہ علمیت ذات متعینہ کو کہتے ہیں اور وصف ذات مبہمہ کو اور ان دونوں کے درمیان تضاد ظاہر ہے۔ اصلاً کا مطلب یہ ہے کہ وصف خواہ اصلی ہو یا عارضی، کوئی سی قسم بھی علمیت کے ساتھ جمع نہ ہوگی۔

وشرطُهٗ ان يكون وصفًا فى أصل الوضع یہاں سے وصف کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے شرط بیان فرما رہے ہیں، اس سے قبل وصف کی تقسیم اور ان کی تعریف سن لیجئے، چنانچہ وصف کی دو قسمیں ہیں (۱) وصف وضعی (۲) وصف استعمالی۔ وصف وضعی کہتے ہیں اس اسم کو جس کو واضع نے بوقت وضع وصفیت ہی کے معنی کے لیے وضع کیا ہو، خواہ بعد میں وصفیت کے معنی میں استعمال نہ ہوتا ہو، اور وصف استعمالی کہتے ہیں اس اسم کو جس کو واضع نے وصفیت کے لیے وضع نہ کیا ہو بلکہ بعد میں وصفیت کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہو، اب سمجھئے مصنفؒ کی عبارت کا خلاصہ۔ فرماتے ہیں کہ وصف غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گا جب کہ وہ اصل وضع میں وصف ہو یعنی کہ وصف

وضعی غیر منصرف کا سبب ہوگا وصف استعمالی نہیں۔ اوراس شرط کے لگانے کی وجہ یہ ہے کہ اسم کے اندر اصل انصراف ہے اور عدم انصراف خلاف اصل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اصل سے غیر اصل کی طرف لے جانے کے لیے سبب قوی کی ضرورت ہوتی ہے اب ہم نے دیکھا کہ وصف وضعی اصل ہے اس لیے اس کو شرط قرار دیا۔ فاسود و أرقم غیر منصرفٍ فاسود کے اندر فاتفریعیه ہے یعنی کہ یہاں سے اب مسائل کو متفرع فرماتے ہیں کہ اسود وارقم غیر منصرف ہیں، اس لیے کہ اسود کو واضع نے وضع کیا ہے کل ما فیه سواد کے لیے اور أرقم کو کل مافیه سواد و بیاض کے لیے یعنی چتکبری چیز کے لیے تو ان دونوں کی وضع میں وصفیت کے معنی موجود ہیں، لہٰذا اگر چہ یہ بعد میں سانپ کے نام ہوگئے اسود کالے سانپ کے لیے اور ارقم چتکبرے سانپ کے لیے، مگر پھر بھی یہ غیر منصرف ہوں گے اس لیے کہ اصل وضع میں وصفیت کے معنی موجود ہیں۔ و أربع فی مررت بنسوة أربع اور اربع مررت بنسوة اربع کے اندر منصرف ہے حالانکہ اس میں دو سبب ہیں ایک صفت ہے یہ نسوة کی دوسرے اربع وزن فعل ہے مگر یہ منصرف اس وجہ سے ہوگا کہ اصل وضع کے اندر وصفیت کے معنی نہیں بلکہ وضع میں تو یہ عدد کے واسطے ہے اور جو وصفیت کے معنی پیدا ہوئے وہ تو استعمال میں ہوئے جس کا اعتبار نہیں۔

امَّا التّانِيثُ بالتاء فشرطُهُ اَن يكونَ عَلَماً كطلحَة وكذٰلک المعنويُّ ثم المعنويُّ اِن كان ثلاثيا ساكنَ الاوسَطِ غير اَعجميٍّ يجوزُ صرفُهُ وتركُهُ لاجل الخِفَّةِ ووُجُود السَّبَبَين كهندٍ والايجبُ منعُهُ كزينَبَ وَسَقَر وماهَ وجُورَ والتانيثُ بالألف المقصُورة كحبُلىٰ والممُدُودة كحمراءَ مُمتنعٌ صرفُهما البتَّةَ لان الالفَ قائمٌ مقام السببين التانِيثُ ولزومُهُ.

ترجمہ: بہرحال تانیث بالتاء کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو جیسے طلحہ اور یہی حال ہے معنوی کا پھر معنوی اگر ثلاثی ساکن الاوسط ہو اور عجمی نہ ہو، تو جائز ہے، اس کا منصرف پڑھنا خفت کی وجہ سے اور غیر منصرف پڑھنا دو سبب کے پائے جانے کی وجہ سے جیسا کہ ہند، ورنہ واجب ہے اس کا غیر منصرف پڑھنا جیسا کہ زینب اور سقر اور ماہ و جور اور تانیث الف مقصورہ کے ساتھ جیسا کہ حبلی اور ممدودہ کے ساتھ جیسا کہ حمراء ممتنع ہے اس کا منصرف پڑھنا یقینی طور پر اس لیے کہ الف دو سبب کے قائم مقام ہے۔

امَّا التّانِيثُ بالتاء فشرطُهُ اَن يكونَ عَلَماً كطلحَة.

یہاں سے غیر منصرف کے تیسرے سبب تانیث کو بیان فرما رہے ہیں فرماتے ہیں کہ تانیث بالتاء غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گی جب کہ وہ علم ہو جیسا کہ طلحة یہاں دو باتیں یاد رکھیں اول یہ کہ تانیث کے ساتھ بالتاء کی قید کیوں لگائی سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قید سے خارج کرنا مقصود ہے تانیث بالالف کو، چونکہ اس کے لیے کوئی شرط

مقال وہ تنہا دو سبب کے قائم مقام ہے جیسا کہ آگے اس کا بیان آ رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علمیت کی شرط کیوں لگائی؟ الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ تانیث خواہ لفظی ہو یا معنوی یہ سبب ضعیف ہے اور سبب ضعیف اس وجہ سے ہے کہ تانیث بالتاء میں حالتِ وقف میں تاء گر جاتی ہے اور معنوی کے اندر تو ہے ہی مقدر اور سبب ضعیف غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتا غیر منصرف کے لیے قوی سبب کی ضرورت ہے اس وجہ سے علمیت کی شرط لگائی چونکہ علمیت کی وجہ سے کلمہ بقدر الامکان تغیر وتبدّل سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

وکذلک المعنوی: مطلب یہ ہے کہ تانیث معنوی کے لیے بھی علمیت کی شرط ہے مگر اس پر سوال ہوگا کہ جب دونوں کے لیے علمیت شرط ہے تو مصنفؒ یوں فرما دیتے کہ شرطہما العلمیۃ تا کہ عبارت بھی مختصر ہو جاتی۔ الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا اس لیے نہیں کیا کہ دونوں کے لیے علمیت ایک جیسی نہیں بلکہ تانیث بالتاء کے لیے علمیت کی شرط وجوبی ہے اور تانیث معنوی کے لیے شرط جوازی ہے یعنی جب کہ تانیث معنوی کے اندر علمیت پائی جائے اور آگے جو اس کی شروط ثلثہ بیان کی ہیں ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کو منصرف وغیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے، اور اگر ان تین میں سے کوئی شرط پائی جائے پھر غیر منصرف پڑھنا واجب ہو جائے گا جیسا کہ آگے ارشاد فرماتے ہیں:

ثم المعنويُّ اِن کان ثلاثيا ساکنَ الاوسَطِ غير اَعجميٍّ يجوزُ صرفُهٗ وترکُهٗ لاجل الخِفَّةِ ووُجُود السَّبَبين کهندٍ والايجبُ منعُهٗ کزينَبَ وَسَقَر وماهَ وجُورَ.

کہ تانیث معنوی اگر ثلاثی ہے اور ساکن الاوسط ہے اور اس کے ساتھ ساتھ غیر عجمی ہے تو اس کو منصرف وغیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے منصرف لاجل الخفة یعنی منصرف پڑھنا جائز ہے اس وجہ سے کہ کلمہ خفیف ہو گیا اور غیر منصرف پڑھنے کے لیے کلمہ کا ثقیل ہونا ضروری تھا ووجود السببين اور غیر منصرف پڑھنا اس لیے جائز ہے کہ دو سبب پائے جا رہے ہیں جیسا کہ ہند، کہ ثلاثی ساکن الاوسط ہے اور عربی ہے تو اس کو دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں وإلا يجب منعه، یہاں سے سابقہ عبارت پر مسائل کو متفرع فرماتے ہیں کہ اگر کلمہ بجائے ثلاثی کے رباعی ہے جیسا کہ زینب ہے تو اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے اور زینب کے غیر منصرف کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حرف رابع تانیث کے قائم مقام ہے اور اگر کلمہ ثلاثی ہے مگر متحرک الاوسط ہے تو اس کو بھی غیر منصرف پڑھنا واجب ہے چونکہ تحرّکِ اوسط کی وجہ سے کلمہ میں ثقل پیدا ہو گیا جیسا کہ سقر کہ یہ ثلاثی متحرک الاوسط ہے اور اگر کلمہ ثلاثی بھی ہے اور ساکن الاوسط بھی ہے مگر عجمی ہے تب بھی غیر منصرف پڑھنا واجب ہے چونکہ جب عربی زبان میں استعمال ہوگا تو وہ ثقیل ہو جائے گا جیسا کہ ماہ اور جور دونوں عجم کے اندر دو شہروں کے نام ہیں۔

والتانيثُ بالألف المقصُورة کحبُلیٰ والممْدُودة کحمراءَ مُمتنعٌ صرفُهما

البتَّةَ لان الالفَ قائمٌ مقام السببين التانِيثُ ولزومُهٗ.

ترجمہ: اور اگر کلمہ مؤنث ہے تانیث کی علامتوں میں سے الف مقصورہ وممدودہ کی علامت کے ساتھ تو اس کلمہ کا منصرف پڑھنا ممتنع ہے یعنی غیر منصرف پڑھنا واجب ہے یقینی طور پر۔

لان الالفَ قـائـمٌ مـقـام السببين التـانِيثُ ولزومُهٗ سے اس کی علت بیان کی کہ غیر منصرف پڑھنا ضروری اس لیے ہے کہ تانیث بالالف دوسبب کے قائم مقام ہے اس طور پر کہ ایک تو وہ کلمہ مؤنث ہے دوسرے اس الف کا اس کلمہ کے ساتھ لازم ہونا کہ کسی حال میں جدا نہیں ہوتا جیسے حبلیٰ کہ اس کے اندر حبل بغیر الف نہیں کہہ سکتے ایسے ہی حمراء کہ اس کو حمر بغیر الف کے نہیں پڑھ سکتے اس لیے یہ دوسبب کے قائم مقام ہے۔ البتۃ یہ لفظ منصوب ہے مصدریت کی بنا پر۔

نوٹ: لفظ البتۃ کو لاکر مصنفؒ نے ایک وہم کو دفع کیا وہ وہم یہ ہے کہ تانیث بالالف کو غیر منصرف نہیں پڑھا جانا چاہئے چونکہ بظاہر اس میں دوسبب موجود نہیں ہیں، مصنفؒ نے لفظ البتۃ کہہ کے اس وہم کو دفع کر دیا کہ اس کو تو یقینی طور سے غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

تمرین:

تانیث بالتاء اور تانیث معنوی کے غیر منصرف ہونے کی شرط بیان کیجئے (۲) دونوں میں شرط ایک جیسی ہے یا الگ الگ ہے واضح فرمایئے (۳) مندرجہ ذیل کلمات میں بتلایئے کہ کون سے لفظ میں تانیث بالتاء ہے اور کون سے میں تانیث معنوی ہے اور کون سے میں تانیث بالالف ہے۔ زکیة، حسنیٰ ، أسماء، دهلی، مكة، البصرة، حمراء، زهرة۔

امّا المَعْرفة فلا يُعتَبرُ فى مَنعِ الصَّرفِ منها الّا العلَميَّةُ وتجتمِعُ مَعَ غَير الوَصفِ.

ترجمہ: بہر حال معرفہ تو اس کے غیر منصرف پڑھنے کے لیے صرف علمیت کا اعتبار کیا جائے گا اور علمیت وصف کے علاوہ کے ساتھ جمع ہو جائے گی۔

تشریح: معرفہ غیر منصرف کا چوتھا سبب ہے معرفہ کے لغوی معنی آتے ہیں شناختن کے اور اصطلاح میں کہتے ہیں اس چیز کو جو وضع کی گئی ہو معنی معین کے واسطے حضرت المصنفؒ فرماتے ہیں کہ معرفہ کی جو سات قسمیں ہیں ان میں سے صرف علمیت غیر منصرف کا سبب بنے گی باقی نہیں بن سکتی ہیں، اور وجہ نہ بننے کی یہ ہے کہ اسماء مضمرات و مبہمات (اشارات وموصولات) تو مبنی کی قسم میں سے ہیں اور غیر منصرف معرب کے احکام میں سے ہے، اور معرب ومبنی میں تضاد ہے لہٰذا ایک ضد دوسری ضد کا سبب کیسے بن سکتی ہے اب رہا معرف باللام وبالاضافت تو یہ اس وجہ سے نہیں بن سکتے ہیں کہ یہ دونوں تو غیر منصرف کو بھی منصرف بنا دیتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل غیر منصرف

اقسام پر عنقریب آ رہی ہے اب رہی تعریف بالنداء یہ بھی ایک طرح سے معرف باللام میں ہی داخل ہے اس لیے کہ مثلاً یا رجل ہے تو اس کی اصل یا ایُّھَا الرَّجُل ہے تو جو حکم معرف باللام کا ہے وہی اس کا بھی ہوگا لہٰذا صرف تعریف علمی باقی رہی اسی کو معرفۃ کا غیر منصرف بننے کے لیے شرط قرار دیا گیا۔

نوٹ: جب علمیت ہی معرفہ کے اقسام میں سے منع صرف کا سبب ہے تو مصنف کو چاہئے تھا اس کو سبب قرار دیتے یہ اتنی لمبی چوڑی عبارت کیوں اختیار کی کہ معرفہ کو سبب قرار دیا اور علمیت کو اس کے لیے شرط۔ الجواب: ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اسباب منع صرف میں سے سببیت کا دار و مدار فرعیت کے اوپر ہے اور معرفہ کا نکرہ کی فرع ہونا بنسبت علمیت کے زیادہ واضح ہے لہٰذا معرفہ کو منع صرف کا سبب اور علمیت کو اس کے لیے شرط قرار دیا۔

وتجتمعُ مع غیر الوصف: یہاں سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ علمیت وصف کے علاوہ کسی بھی سبب کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے صرف وصف کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی چونکہ ان دونوں میں تضاد ہے لہٰذا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

تمرین:

(۱) معرفہ کے غیر منصرف بننے کے لیے کیا شرط ہے (۲) معرفہ کی ساتوں قسم میں سے وہ کونسی چھ قسمیں ہیں جو غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتیں، اور نہ بننے کی وجہ بھی بیان کیجئے۔

امّا العُجمَۃُ فشرطُھا ان تکونَ علماً فی العُجمَۃِ وَزائدۃً علٰی ثلٰثۃ اَحرُفٍ کابراھِیمَ او ثلاثیًا متحرّک الاوسطِ کَشتَرَ فِلجامٌ منصرفٌ لعدم العلمیۃِ ونوحٌ منصرِفٌ لِسُکُون الاوسَطِ.

ترجمہ: بہرحال عجمہ تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ میں علم ہو اور تین حرف پر زائد ہو جیسا کہ ابراہیم یا ثلاثی متحرک الاوسط ہو جیسا کہ شتر لہٰذا لجام منصرف ہوگا علمیت کے نہ ہونے کی وجہ سے اور نوح منصرف ہوگا درمیان حرف کے ساکن ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: عجمہ کے لغوی معنیٰ آتے ہیں گونگا عجمۃ کو عجمۃ بھی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے غیر کو گونگا سمجھتے ہیں۔ اور اصطلاح میں کہتے ہیں کون اللفظ غیر عربی لفظ کا غیر عربی ہونا۔

مصنفؒ نے عجمۃ کے لیے یہ شرط بیان کی کہ وہ غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گا جب کہ وہ عجمہ میں علم ہو اور عجمۃ میں علم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب نے جب لغت عجم کو عرب میں استعمال کیا ہو تو علم بنا کر استعمال کیا ہو خواہ وہ پہلے سے علم ہو جیسے ابراہیم یا پہلے سے نہ ہو جیسے قالون کہ اس کے معنیٰ رومی زبان میں جید و عمدہ کے آتے ہیں اہل عرب نے قرأۃ کے عمدہ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کا تغیر کئے بغیر قراء سبعہ کے رواۃ میں سے ایک راوی کا نام

دیا اب یہ ایسا ہو گیا کہ گویا لغت عجم میں ہی علم تھا۔

نوٹ: اب رہی یہ بات کہ یہ شرط کیوں لگائی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو لفظ عربی نہ ہو اس کا ادا کرنا اہل عرب پر ثقیل ہوتا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اہل عرب ثقل کو زائل کرنے کے لیے کچھ تصرف کریں جس سے کلمہ خفیف ہو جائے اور یہ بات آپ کو پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ غیر منصرف کا دارومدار کلمہ کے ثقیل ہونے پر ہی ہے اس لیے لغت عجم میں ہی علمیت کی شرط لگا دی تا کہ کلمہ تصرف سے محفوظ رہے۔ وزائدة علیٰ ثلاثة احرفٍ عجمة کے لیے دوسری شرط دائر بین الامرین ہے یعنی دو میں سے ایک کا وجود ضروری ہے۔ اول یہ ہے کہ وہ تین حرف سے زائد ہو جیسا کہ ابراہیم اور اگر تین حرفی ہو تو متحرک الاوسط ہو جیسا کہ شتر کہ دیار بکر میں ایک قلعہ کا نام ہے مصنفؒ نے یہ دو شرطیں لگائی اگر ان میں سے ایک بھی نہ پائی گئی تو کلمہ غیر منصرف نہ ہوگا چنانچہ لجام (لگام) کہ جب اہل عرب نے اس کو استعمال کیا تو علم بنا کر استعمال نہ کیا لہٰذا علمیت نہ ہونے کی وجہ سے منصرف ہوگا اور نوحٌ منصرف ہوگا ساکن الاوسط ہونے کی وجہ سے۔

نوٹ: انبیاء کے جتنے بھی اسماء گرامی ہیں چھ کے علاوہ سب غیر منصرف ہیں، جن کو شاعر نے اپنے شعر میں پیش کیا ہے۔

گر ہمی خواہی کہ دانی نام ہر پیغمبرے ۔۔۔ تا کدام است اے برادر نزد نحوی منصرف

صالح و ہود و محمد با شعیب و نوح و لوط ۔۔۔ ایں ہمہ داں منصرف باقی ہمہ لاینصرف

فائده: زائدة علی ثلثة احرف، یہ ثلاثی متحرک الاوسط کی شرط صرف سیبویہ کے نزدیک ہے علاوہ ازیں اکثر نحاۃ نے عجمۃ کے اندر تحرک اوسط کو مؤثر نہیں مانا اس لحاظ سے لمک بفتح المیم جو نام ہے حضرت نوح کے والد کا یہ بھی نوح و لوط کی طرح ان اکثر نحاۃ کے نزدیک منصرف ہوگا وجوبی طور سے اور یہ حضرات چونکہ دو معین شرطوں کا اعتبار کرتے ہیں ایک علمیت در عجمہ دوم زائد بر سہ حروف۔ محشی کتاب رضی کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ یہی مذہب اولیٰ ہے اس لیے کہ جب متحرک الاوسط ہونا تانیث کے اندر مثلاً سقر کے اندر قائم مقام ہے علامت تانیث کے لہٰذا ثلاثی متحرک الاوسط ہوتے ہوئے بھی اپنا اثر دکھلائے گا یعنی کہ غیر منصرف ہو جائے گا اور چونکہ عجمہ کے اندر کوئی علامت نہیں ہے کہ تحرک الاوسط اس علامت کے قائم مقام ہو جائے اس لیے ان حضرات نے ثلاثی متحرک الاوسط کا عجمہ کے اندر اعتبار نہیں کیا صرف کم از کم رباعی ہو اور عجمہ کے اندر علم ہو ان دو کا اعتبار کیا۔

تمرین:

عجمہ کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کیجئے (۲) اس کے غیر منصرف بننے کے لیے کیا شرط ہے (۳) کتنے انبیاء کرام کے اسماء گرامی منصرف نہیں اور کتنے غیر منصرف شعر میں بیان کیجئے (۴) مندرجہ ذیل کلمات کے بارے میں بتلائیے کہ

منصرف ہیں یا غیر منصرف۔ بتلوکر - دیوبند - سہارنفور - دلهی - قالون - إسحق - يعقوب۔

امّا الجمْعُ فشرطُهٗ اَنْ يكونَ علٰى صِيغَةِ مُنتَهى الجُمُوع وهُوَ اَنْ يكونَ بعدَ الفِ الجَمع حَرفان كَمَسَاجِدَ او حَرْفٌ مُشدَّدٌ مثل دَوابَّ او ثلثةُ احرُفٍ اوسطُها سَاكِنٌ غير قابلٍ للهاءِ كَمَصَابيح فصَيَاقِلةٌ وفَرازِنةٌ منصرفٌ لقبولهِمَا الهاءَ وهو ايضاً قائمٌ مَقَام السببينِ الجمعيَّةُ ولزومِها وامتناع ان يجمعَ مَرَّةً اُخرٰى جمعَ التكسير فكانه جُمِعَ مرَّتَين۔

ترجمہ: بہرحال جمع تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کے صیغہ کے وزن پر ہو اور وہ یہ کہ ہو جمع کے الف کے بعد دو حرف جیسا کہ مساجد یا حرف مشدد ہو جیسے دوابّ یا جمع کے الف کے بعد تین حرف ہوں ان میں سے درمیانہ ساکن ہو جو ہاء کو قبول نہ کرتا ہو جیسا کہ مصابیح لہٰذا صیاقلة وفرازنة منصرف ہوں گے ان دونوں کے ہاء کو قبول کرنے کی وجہ سے اور وہ بھی دو سبب کے قائم مقام ہے ایک جمعیۃ اور دوسرے اس کا لازم ہونا اور ممتنع ہونا اس بات کا کہ دوبارہ اس کی جمع تکسیر لائی جائے گویا کہ دو مرتبہ اس کی جمع لائی گئی۔

تشریح: اَمّا الجمع : یہاں سے مصنفؒ غیر منصرف کا چھٹا سبب بیان کر رہے ہیں جو کہ تنہا دو سبب کے قائم مقام ہوتا ہے مگر اس کے لیے شرط یہ بیان کی۔ أن يكون على صيغة منتهى الجموع ۔کہ یہ جمع منتہی الجموع کے صیغہ پر ہونی چاہئے اگر صیغہ منتہی الجموع کا نہ ہو تو جمع غیر منصرف نہ ہوگی جیسے رجال ومسلمون کہ یہ دونوں منتہی الجموع کے صیغے نہیں اس لیے کہ صیغہ منتہی الجموع کی علامت یہ بتلائی ہے۔ وهو أن يكون بعد ألف الجمع حرفان كمساجد کہ الف جمع کے بعد دو حرف متحرک ہوں جن میں سے پہلا مکسور ہو جیسا کہ مساجد کہ الف جمع کے بعد دو حرف متحرک ہیں اور جیم مکسور ہے او حرف مشدد یا الف جمع کے بعد ایک ہی حرف ہو مگر وہ مشدد ہو جیسے دوابّ اس لیے کہ مشدد بھی دو حرف کے قائم مقام ہوتا ہے۔ أو ثلثة أحرف ۔یا الف جمع کے بعد تین حروف ہوں جن میں کا متوسط حرف ساکن ہو غير قابل للهاء اور اس کے آخر میں ایسی تا نہ ہو جو حالت وقف میں هاء ہو جاتی ہو اس علامت کی شناخت کے بعد آپ نے غور کر لیا ہوگا کہ رجال ومسلمون کے اندر یہ بات نہیں پائی جاتی اس لیے یہ غیر منصرف نہ ہوں گے كمصابيح مصابیح صیغہ جمع منتہی الجموع ہے اس لیے کہ الف جمع کے بعد تین حرف ہیں جن کا دوسرا ساکن ہے اور اس کے آخر میں تا بھی نہیں ہے جو حالت وقف میں هاء ہو جائے اس لیے یہ غیر منصرف ہوگا فصیاقلة وفرازنة منصرف ۔مصنف اس پر مسائل کو متفرع فرماتے ہیں کہ صیاقلة وفرازنة منصرف ہیں اس لیے کہ ان کے آخر میں تاء ہے جو حالت وقف میں هاء ہو جاتی ہے اور وہ جمع ایسی ہو جو ہاء کو قبول کرنے کی وجہ سے وزن میں مفرد کے مشابہ ہو جاتی ہے تو آپ کے صیاقلة

وفرازنة کراهیة مفرد کے مشابہ ہوگئے، جس کی وجہ سے ان کی جمعیت کے اندر فتور واقع ہو گیا اس وجہ سے یہ دو سبب کے قائم مقام نہ ہوں گے، صیاقلة جمع ہے صقیل کی بمعنی تلوار کو تیز کرنے والا وفرازنة جمع ہے فرزین کی بمعنی شطرنج اس جگہ پہنچ کر یہ بھی ملحوظ رہے کہ علی صیغۃ منتہی الجموع کے اندر صیغہ سے مراد وزن عروضی ہے یعنی مساوات فی الحرکات والسکنات وزن صرفی مراد نہیں کہ زائد کے مقابلے میں زائد اور اصلی کے مقابلے میں اصلی کا اعتبار کیا جائے، اس لحاظ سے أساور جو جمع ہے اسورۃ کی اور أسورۃ جمع ہے سوار کی اور أناعیم جو جمع ہے انعام کی اور وہ جمع ہے نعم کی یہ جمع منتہی الجموع میں داخل رہیں گے، اس لیے کہ یہ صیغے وزن عروضی کے اعتبار سے مساجد ومصابیح کے وزن پر ہیں، وزن صرفی مراد نہیں کہ جیسے مساجد مفاعل کے ہموزن ہے کہ میم کے مقابلے میں میم ان میں سے ایک بھی حرف میم سے شروع نہیں ہوتا اس لیے معلوم ہوا کہ وزن عروضی مراد ہے کہ حرکت کے مقابلے میں حرکت اور سکون کے مقابلے میں سکون، دوسری بات جمع منتہی الجموع کی تعریف بھی یاد رہے، جمع منتہی الجموع کہتے ہیں، اس جمع کو جس کی دوبارہ جمع تکسیر نہ لائی جائے، اسی وجہ سے اس کو صیغۂ منتہی الجموع کہتے ہیں اس لیے کہ یہ صیغہ بعض صورتوں میں تکسیر کے ساتھ دو مرتبہ جمع لایا جاتا ہے تو وہ تکسیر جو صیغہ کو متغیر کرنے والی تھی اس حد پر آکر منتہی ہو جاتی ہے۔ اب یہ تکرار جمع بعض صورتوں میں تو حقیقتاً ہوتا ہے جیسے أکالب جمع أکلب کی اور وہ جمع ہے کلب کی ایسے ہی أساور وأناعیم اور بعض صورتوں میں حکماً تکرار پر محمول کر لیا جاتا ہے جیسے مساجد ومصابیح کہ ان کی جمع صرف ایک ہی مرتبہ جمع تکسیر لائی گئی ہے۔ ہماری اسی بحث سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ جمع سالم آسکتی ہے چونکہ جمع سالم میں صیغہ کا وزن متغیر نہیں ہوتا جیسا کہ صواجب جو جمع ہے صاحبة کی اس کی جمع سالم صواحبات آتی ہے۔

وهوا ایضاً قائمٌ مَقَام السببین یہاں سے مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ جمع بھی دو سبب کے قائم مقام ہے ایک تو جمع ہے دوسرے اس کا لازم ہونا اور ممتنع ہونا اس بات کا کہ اس کی دوبارہ جمع تکسیر لائی جائے تو گویا کہ دو دفعہ اس کی جمع لائی گئی، اسی وجہ سے یہ دو سبب کے قائم مقام ہے ایضاً منصوب ہے مفعول مطلق ہونے کی بنا پر کہا جاتا ہے آض ایضاً ای رجع رُجُوعًا۔

تمرین:

(۱) جمع منتہی الجموع کے غیر منصرف بننے کے لیے کیا شرط ہے۔

(۲) صیاقلة (جمع ہے صیقل کی تلوار کو تیز کرنا) فرازنة (جو جمع ہے فرزین کی بمعنی شطرنج) کیوں منصرف ہیں وجہ بیان کیجئے۔

امّا الترکیب فشرطُهٗ ان یکونَ عَلَماً بلا اضافةٍ وَلا اسنادٍ کَبَعْلَبَکَّ فعبدُ اللهِ

منصرِف ومعديكربُ غيرُ منصرفٍ وشابَ قرنا ها مَبنی.

ترجمه : بہرحال ترکیب تواس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، ترکیب اضافی اوراسنادی نہ ہو جیسے بعلبك لہٰذا عبدالله منصرف ہوگا اور معدیکرب غیر منصرف ہوگا اور شاب قرناها مبنی ہوگا۔

اَمّـا التركيب : ترکیب کے لغوی معنیٰ آتے ہیں اتصـال الشیء بالشیء ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ملنا، اور اصطلاح میں کہتے ہیں کہ دو یا دو سے زیادہ کلموں کو ملا کر ایک کر دینا اس طور پر کہ دونوں کلموں میں سے کوئی حرف نہ ہو، یعنی دونوں کلمے اسم ہوں۔ اس کو ترکیب امتزاجی بھی کہتے ہیں۔ فشـرطـه أن يكـون علماً مصنفؒ نے ترکیب کے لیے دو شرطیں بیان کیں، ایک وجودی (۲) عدمی۔ وجودی یہ ہے کہ وہ کسی کا علم ہو یہ شرط اس لیے لگائی کہ ترکیب اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کہ بہت سے کلموں کو ملا کر ایک کر دیا ہو اور ہر چیز میں اصل یہ ہے کہ ہر کلمہ الگ الگ ہو ایک دوسرے کا محتاج نہ ہو اور جب ان کلموں کو جن کو واضع نے علی الانفراد وضع کیا ہے آپ ایک کر دیں گے تو ظاہری بات ہے کہ یہ ایک کرنا کسی عارض کی وجہ سے ہوگا تو گویا کہ ترکیب عارضی ہوئی اور ہر عارضی چیز زوال پزیر ہوتی ہے اس لیے ممکن ہے کہ یہ ترکیب کھل جائے اس لیے علمیت کو شرط قرار دیا چونکہ علمیت کی وجہ سے کلمہ بقدر الامکان زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ان يكـونَ عَلَماً بلا اضافةٍ وَلا اسنادٍ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب نہ تو اضافی ہو اور نہ اسنادی اور وجہ یہ ہے کہ ترکیب اضافی تو غیر منصرف کو بھی منصرف بنا دیتی ہے اس لیے یہ کیسے سبب بن سکتی ہے۔ اور ترکیب اسنادی اس وجہ سے سبب نہیں بن سکتی کہ جو اعلام اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں وہ از قبیلہ مبنیات ہوتے ہیں جیسے شـاب قرناها یہ فعل فاعل ہیں تو ان میں ترکیب اسنادی پائی جاتی ہے اس کے معنی ہیں ابيـضت ضفرتاها کہ اس کی دو مینڈھیاں سفید ہوگئی، پھر شـاب قرنـاهـا ایک عورت کا نام رکھ دیا اس کے بالوں کے سفید ہونے کی وجہ سے اس مثال میں آپ دیکھئے کہ جب یہ ایک عورت کا نام رکھ دیا تو اس میں بناء پیدا ہوگئی، اور بناء پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ترکیب اسنادی میں جو حالت علمیت سے پہلے پائی جاتی ہے وہی حالت علمیت کے بعد بھی باقی رہتی ہے اس لیے یہ قید لگائی کہ ترکیب اسنادی بھی نہ ہو۔ کبـعلبك، یہ لفظ بـعل اور بک سے مرکب ہے بـعل بمعنی بت اور بك نام ہے کسریٰ کا تو دونوں کو ملا کر ایک شہر کا نام رکھ دیا، جو ملک شام میں ہے، تو بـعلبك غیر منصرف ہے ترکیب اور علمیت کی وجہ سے۔ فـعبـد الله منصرف، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ منصرف ہے ترکیب اضافی کے پائے جانے کی وجہ سے اور معدیکرب غیر منصرف ہے ترکیب امتزاجی وعلمیت کی وجہ سے یہ لفظ بھی معدا اور کرب سے بنا ہے دونوں کو ملا کر ایک شخص کا نام رکھ دیا۔ شاب قرناها مبنی ہے ترکیب اسنادی پائے جانے کی وجہ سے۔

تمرین:

(۱) ترکیب کے غیر منصرف بننے کی شرط بیان کیجئے؟

(۲) ترکیب اضافی اور اسنادی کیوں غیر منصرف کا سبب نہیں بن سکتی؟ وجہ بیان کیجئے۔

مندرجہ ذیل کلمات کے بارے میں بتلایئے کون غیر منصرف ہے اور کون منصرف۔ محمد طاہر۔ حسین احمد۔ ساجد حسن۔ امتیاز علی۔ ولی الله. عبد العزیز. ظِلُّ الرّحمن. سَیفُ الله. نَصرُ الدّین. مضتِ الأیام۔ (اگر یہ کسی کا علم ہو)۔

امّا الالف و النونُ الزائدتان ان کانتا فی اسمٍ فشرطُهٗ ان یکونَ علماء کعِمرانَ وعُثمان فسَعُدانٌ اسمُ نبتٍ منصرِف لعدم العلمیة .

ترجمہ: بہر حال الف اور نون اگر اسم میں زائد ہوں تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو جیسا کہ عمران اور عثمان لہٰذا سعدان جو گھاس کا نام ہے منصرف ہوگا علمیت کے نہ ہونے کی وجہ سے۔

امّا الالف و النونُ الزائدتان یہاں سے غیر منصرف کا آٹھواں سبب بیان فرماتے ہیں الف ونون زائدتان کے متعلق اول بات تو یہ یاد رکھیں کہ یہ غیر منصرف کا سبب کس وجہ سے ہے سو اس کے سلسلے میں بصریین حضرات کا فرمان یہ ہے کہ یہ منع صرف کے اندر مؤثر اس وجہ سے ہیں کہ یہ تانیث کے دونوں الف مقصورہ وممدوۃ کے ساتھ تاء تانیث کے داخل نہ ہونے میں مشابہ ہیں، چونکہ جس طرح الف مقصورہ وممدودۃ کے ساتھ تاء تانیث نہیں آتی اسی طرح الف نون زائدتان کے ساتھ بھی تانیث نہیں آتی۔ اور اسی مشابہت کی وجہ سے ان کا نام مضارعین بھی ہے، اور ان کو زائدتان کہا جاتا ہے، اس وجہ سے کہ یہ حروف زوائد میں سے ہیں، اور حروف زوائد کا مجموعہ ہے الیوم تنساہ یا ان کو زائدتان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں کلمہ کے اندر زائد ہوتے ہیں۔ کوفیین یہ کہتے ہیں کہ یہ منع صرف کے اندر بالذات مؤثر ہوتے ہیں نہ کہ کسی کے ساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے۔

ان کانتا فی اسمٍ فشرطُهٗ ان یکونَ علما اگر الف ونون کسی اسم کے اندر زیادہ ہوں تو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو۔ اس عبارت کے سمجھنے سے قبل یہ یاد رکھیں کہ اسم کئی چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ کبھی فعل وحرف کے مقابلے میں کبھی لقب اور کنیت کے۔ کبھی مہمل کے بالمقابل آتا ہے اور کبھی صفت کے یہاں پر مراد اس سے آخری معنی ہیں یعنی کی صفت کے مقابلے میں ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اسم وصفت کے معنی بھی سمجھ لیں۔ اسم کہتے ہیں جو ایسی چیز پر دلالت کرے جس کے اندر صرف ذاتی معنی ہوں جیسے زید اور صفت وہ ہے جو ذات مع الوصف پر دلالت کرے جیسے ضارب کہ یہ مارنے والے کی ذات اور جو صفت ضرب ہے دونوں پر دلالت کر رہا ہے اب سمجھئے کہ اگر الف ونون کسی اسم کے اندر زیادہ ہوں تو وہ اسم غیر منصرف کا سبب اس وقت بنے گا جب کہ وہ کسی کا علم

جیسا کہ عمران وعثمان تو دیکھئے ان دونوں میں الف ونون۔ اسم عمر وعثم کے اندر زائد کئے گئے، تو یہ دونوں اسم غیر منصرف ہیں علمیت والف ونون زائدتان کی وجہ سے۔

نوٹ: مصنفؒ نے دومثالیں پیش کیں اس کی وجہ بیان کیجئے، الجواب: دومثالیں پیش کر کے بتلا دیا کہ وہ اسم عام ہے خواہ اس کا فاء کلمہ مکسور ہو جیسے عمران کے اندر اور خواہ مضموم ہو جیسے عثمان کے اندر اور تیسری مثال بھی پیش کرتے تو زیادہ بہتر تھا کہ خواہ فاء کلمہ مفتوح ہو جیسے سلمان کے اندر۔ فسعدان اسم نبت یہاں سے مسائل متفرع فرمارہے ہیں کہ جب شرط الف ونون زائدتان کے لیے علمیت ہے تو اس وجہ سے سعدان منصرف ہوگا چونکہ وہ ایک گھاس کا نام ہے اسم جنس ہے علمیت اس کے اندر مفقود ہے۔ ترکیب عبارت ۔سعدان مبتداء اسم نبت مبتداء سے بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور منصرف خبر ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اسم نبت سعدان کی خبر اول اور منصرف خبر ثانی یہ بھی احتمال ہے کہ اسم نبت منصوب پڑھا جائے مبتداء سے حال ہونے کی وجہ سے یا ضمیر منصرف سے حال ہونے کی وجہ سے۔

وان کانتا فی صفَةٍ فشرطُهٗ ان لا یکونَ مُؤنثُه علٰی فَعلانةٍ کسکران فندمان منصرفٌ لوجُودِ ندمَانةٍ.

ترجمہ: اور اگر الف ونون صفت کے اندر زائد ہوں تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ ہو جیسا کہ سکران۔ لہٰذا ندمان منصرف ہوگا اس کا مؤنث ندمانة کے پائے جانے کی وجہ سے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ الف ونون کسی صفت کے اندر زیادہ ہوں تو اس صفت کے غیر منصرف بننے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس صفت کا مؤنث فعلانة کے وزن پر نہ آتا ہو جیسا کہ سکران بفتح الفاء اسم صفت ہے غیر منصرف ہے وصف والف نون زائدتان کی وجہ سے اور سکران کا مؤنث سکرانة بروزن فعلانة بھی نہیں آتا ہے۔

فائدہ: مصنفؒ نے صفت کی صرف ایک مثال بیان کی مفتوح الفاء کی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ صفت میں فاکلمہ جب مضموم ہو تو یقینی طور سے منصرف ہوتا ہے چونکہ اس کا مؤنث فعلانة کے وزن پر آتا ہے جیسا کہ عربان کہ اس کا مؤنث عربانة بالتاء آتا ہے اور رہا مکسور الفاء سو وہ صفات میں استعمال ہوتا ہی نہیں ہے۔ فندمان منصرف، یہاں سے مسئلہ کو متفرع فرماتے ہیں کہ جب شرط انتفاء فعلانة ہے تو اسی وجہ سے ندمان منصرف ہوگا چونکہ اس کا مؤنث ندمانة بالتاء آتا ہے مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ ندمان ندیم سے مشتق مانا جائے جس کے معنی معاشر اور ساتھی کے آتے ہیں اور اگر مراد ندمان سے نادم لیا جائے جس کے معنی شرمندہ کے آتے ہیں تو یہ غیر منصرف ہوگا چونکہ اس کا مؤنث ندمی آتا ہے نہ کہ ندمانة اور ایسے ہی مسئلہ ہے حسان کا اگر یہ حسن بمعنی خوبی سے مانا جائے تو وہ منصرف ہوگا چونکہ حسان

فعال کے وزن پر ہے اگر حسّان حِس سے مانا جائے تو یہ غیر منصرف ہوگا چونکہ یہ بروزن فعلان ہے۔

نوٹ: جب یہ الف ونون اسم کے اندر زائد ہوں تو شرط علمیت کی اور اگر صفت میں زائد ہوں تو شرط اس کے مؤنث کے فعلانۃ کے وزن پر نہ ہونے کی جو لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت ان کی مشابہت الف تانیث کے ساتھ کامل طور پر ہوجائے گی کہ تاء تانیث ان پر داخل نہیں ہوسکتی، جیسا کہ الف تانیث کے ہوتے ہوئے تاء تانیث داخل نہیں ہوسکتی۔

تمرین:

(۱) الف ونون زائدتان غیر منصرف کا سبب کس وجہ سے ہے۔

(۲) الف ونون اگر اسم میں زیادہ ہوں تو غیر منصرف بننے کے لیے کیا شرط ہے۔اور اگر صفت میں زیادہ ہو تو کیا شرط ہے۔(۳) اسم اور صفت سے کیا مراد ہے۔

مندرجہ ذیل الفاظ کے بارے میں بتلایئے کہ کون منصرف ہے اور کون غیر منصرف:

رحمان (مؤنث نہیں آتا) سلمان (مؤنث سلمیٰ) حسان (مؤنث حسانۃ) شعبان (مؤنث نہیں آتا) سکران (مؤنث سکریٰ) عثمان (مؤنث نہیں آتا) فرحان (مؤنث فرحانۃ آتی ہے) عطشان (مؤنث عطشیٰ آتی ہے) غضبان (مؤنث غضبیٰ آتی ہے)۔

امّا وَزنُ الفِعل فشرطُهٗ اَن یختصَ بِالفعل وَلایُوجَدُ فی الاسمِ الامنقُولاً عَن الفِعل کشَمَّر وضُرِب وان لم یُختصَ بهٖ فیجبُ اَن یکُونَ فی اولِهٖ اِحدیٰ حُرُوفِ المُضارعة ولا یدخُلُهُ الهَاء کاحمَد ویشکُر وتغلِبَ ونَرجِس فیعملٌ منصرفٌ لِقُبولِها الهاءَ کقَولِهم ناقَةٌ یَعملَةٌ.

ترجمہ: بہرحال وزن فعل کی شرط یہ ہے کہ وہ مخصوص ہو فعل کے ساتھ اور نہ پایا جائے اسم میں مگر فعل سے منقول ہو کر جیسا کہ شمر اور ضرب اور اگر فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس کے شروع میں حروف مضارع میں سے ایک حرف ہو اور نہ داخل ہو اس پر ھاء جیسے احمد ویشکر وتغلب و نرجس لہٰذا یعمل منصرف ہوگا اس کے ھاء کو قبول کرنے کی وجہ سے جیسے اہل عرب کا قول ہے ناقہ یعملۃ کام دار اونٹنی۔

امّا وَزنُ الفِعل یہاں سے غیر منصرف کا آخری سبب وزن فعل کو بیان فرما رہے ہیں۔وزن فعل کہتے ہیں اس وزن کو کہ اسم ایسے وزن پر ہو جو کہ افعال کے اوزان میں شمار کیا جاتا ہو۔**فشرطُهٗ اَن یختصَ بِالفعل الخ** یہاں سے اس کی شرط بیان فرماتے ہیں کہ وزن فعل کے غیر منصرف بننے کے لیے دو شرطیں ہیں، جن میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے اول شرط یہ ہے کہ وضع کے اعتبار سے تو وہ وزن فعل ہی کے ساتھ خاص ہو اور جب اسم میں پایا

جائے توفعل سے منقول ہوکر پایا جائے۔

كَشَمَّر وضُرِب یہ اختصاص وزن بالفعل کی مثال ہے جیسے شمر بصیغۂ ماضی معروف تشمیر باب تفعیل سے ہے اس کے معنی ہیں دامن سمیٹنا یہ وزن فعل کے ساتھ خاص تھا، پھر فعل کو اسم کی طرف منتقل کر دیا گیا اور تیز رفتار گھوڑے کا نام رکھ دیا اور مناسبت دونوں معنی میں یہ ہے کہ جب کوئی شخص تیز رفتار سواری کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے دامن کو سمیٹتا ہے پھر بیٹھتا ہے تو اسی مناسبت کی وجہ سے تیز رفتار گھوڑے کا نام شمر رکھ دیا اور یہ حجاج بن یوسف کے گھوڑے کا نام تھا، تو شمر علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ وضُرِبَ ایسے ہی ضُربَ بصیغۂ مجہول جب کسی شخص کا نام رکھ دیا جائے تو یہ بھی علمیت اور وزن فعل کے باعث غیر منصرف ہوگا یہاں آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ مصنف نے دو مثالیں دی ہیں ایک ثلاثی مزید فیہ معروف کی دوسرے ثلاثی مجرد مجہول کی، اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ ثلاثی مزید فیہ میں خواہ معروف ہو یا مجہول یہ وزن فعل ہی کے ساتھ خاص ہے اور ثلاثی مجرد میں صرف مجہول ہی فعل کے ساتھ مختص ہے رہا معروف سو وہ وزن اسم کے اندر بھی پایا جاتا ہے جیسے شَجَر، حَجَرَ، فَرَس وغیرہ۔

نوٹ: مصنفؒ نے وزن فعل کے لیے جو یہ شرط لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہ وزن اسم میں چونکہ خلاف عادت پایا جائے گا تو یہ اس بناء پر ثقیل ہو جائے گا۔

وان لم يُختصَ به. یہاں سے دوسری شرط بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو ضروری ہے کہ اس کے شروع میں حروف مضارع میں (جس کا مجموعہ أ تین ہے) سے کوئی حرف پایا جائے اور یہ کہ اس پر تاء تانیث داخل نہ ہو جو حالت وقف میں ہاء ہو جاتی ہو، کا حمد جیسا کہ أحمد کہ اس کے شروع میں حروف مضارع میں سے ہمزہ ہے اور یشکر میں یاء ہے اور تغلب میں تاء ہے اور نرجس میں نون ہے۔ یشکر جو ہے یہ یشکر بن علی بن بکر بن وائل ہے اور ایک یشکر بن مبشر بن صعب ہے۔ بہر حال یشکر ینصر کے ہموزن ہے اور تغلب بن وائل بن قاسط ہے بروزن تضرب ہے اور نرجس نرگس کا معرب ہے نضرب کے وزن پر۔

فيعمل منصرفٌ یہاں سے مصنفؒ تفریع بیان فرماتے ہیں کہ یعمل منصرف ہے اس کے ھاء کو قبول کرنے کی وجہ سے جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے نَاقَة يَعْمَلَةٌ نَاقَةٌ يعملة کہتے ہیں اس اونٹنی کو جو کام کرنے اور خوب چلنے پر قوت رکھتی ہو۔

نوٹ: یہ شرط ثانی اس لیے لگائی کہ کوئی حرف حروف اَتین میں سے جب اسم کے شروع میں آ جائے گا تو وہ بھی فعل کے وزن پر ہونے کی وجہ سے ثقیل بن جائے گا، اور عدم دخول تا کی شرط اس لیے لگائی کہ اگر اس کے آخر میں تا آ جائے تو وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں رہے گا۔ اسم کا وزن بن جائے گا جس کی وجہ سے ثقل جاتا رہے گا

فعل کے ساتھ مشابہت ختم ہو جائے گی۔

تمرین:

(۱) وزن فعل کے غیر منصرف بننے کی شرط بیان فرمائیے۔

(۲) کیا ثلاثی مجرد معروف کا وزن (جیسے ضــرب) بھی فعل کے ساتھ خاص ہے یا وہ اسم کے اندر بھی پایا جاتا ہے بیان کیجئے۔

(۳) نیز بتلائیے کہ احمد اور یعمل منصرف ہیں یا غیر منصرف۔

واعلم اَنَّ کُلَ ما شُرط فیہِ العلمیَّۃ وھُو المؤنّث بالتاء والمعنویُّ والعُجمۃُ والترکیبُ والاسمُ الذِیْ فیہ الالِفُ والنونُ الزائدتانِ اولم یُشتَرَطُ فیہ ذلک واجتمع مع سببٍ واحدٍ فقط وھُو العَلَمُ المعْدولُ ووزنُ الفعل إذا نکر صُرِف امّا فی القِسمِ الاول فلِبقاءِ الاسم بلا سببٍ امّا فی الثانی فلبقائہٖ علی سَبَبٍ واحدٍ تقول جاء نِی طلحۃُ وطلحۃٌ آخَرُ وقَامَ عُمَرُ وعمرٌ آخَرُ وضرب أَحمد واحمدٌ آخَرُ.

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ ہر وہ اسم جس میں کہ علمیت شرط ہو اور وہ تانیث بالتاء اور تانیث معنوی ہے اور عجمہ ہے اور ترکیب ہے اور وہ اسم ہے کہ جس میں الف ونون زیادہ کئے جاتے ہیں یا جس میں علمیت کی شرط نہ لگائی گئی ہو اور صرف ایک سبب کے ساتھ جمع ہوتی ہو اور وہ علم معدول ہے اور وزن فعل ہے اور وہ اسم (جس میں علمیت کی شرط ہو یا جس میں شرط نہ ہو) نکرہ بنا دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائے گا، بہر حال قسم اول میں اسم کے بغیر سبب کے باقی رہنے کی وجہ سے اور دوسرے میں اس کے ایک سبب پر باقی رہنے کی وجہ سے کہے گا توجاء نی طلحۃ وطلحۃ آخر (کوئی دوسرا طلحہ) وقام عمر وعمر آخر (کوئی دوسرا عمر) وضرب احمد واحمدٌ آخر (کوئی دوسرا احمد)۔

تشریح: یہاں سے مصنف نحو کا ایک قاعدہ بیان فرما رہے ہیں دو سوالوں کے جواب کے تحت۔ سوال یہ ہے کہ ہر وہ اسم جو غیر منصرف بن چکا ہو کیا وہ ہمیشہ غیر منصرف ہی رہے گا یا کوئی ایسی بھی شکل ہے جس سے وہ غیر منصرف سے منصرف بن جائے یا یوں کہئے کہ غیر منصرف کے اسباب کا ازالہ کر سکتے ہیں یا نہیں پھر اگر ازالہ کر سکتے ہیں تو سب کا یا بعض کا دوسری بات یہ کہ اسباب کے ازالہ کا طریقہ کیا ہے کہ غیر منصرف کو منصرف کیسے کیا جائے۔ ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا جس کے اندر یہ بتلایا کہ غیر منصرف کے بعض اسباب تو وہ ہیں جن میں علمیت سبب بھی ہے اور دوسرے سبب کے لیے شرط بھی ہے اور بعض وہ ہیں جہاں علمیت صرف سبب ہے شرط نہیں ہے، وہ مقامات جہاں علمیت سبب بھی ہے اور دوسرے سبب کے واسطے شرط بھی ہے، وہ چار ہیں (۱) تانیث خواہ لفظی ہو یا معنوی (۲) عجمۃ (۳) ترکیب (۴) وہ اسم جس میں الف ونون زائدتان ہوں اور دو مقام ایسے ہیں

جہاں صرف سبب بن کر مؤثر ہوتی ہے۔(۱) عدل (۲) وزن فعل۔

اب سمجھئے قاعدہ کلیہ اور عبارت کا خلاصہ کہ جن مواقع میں علمیت سبب بھی ہے اور شرط بھی ہے جب اس اسم کو نکرہ بنا دیا جائے یعنی کہ علمیت کو زائل کر دیا جائے تو وہ اسم بغیر سبب کے باقی رہ جائے گا، اس لیے کہ ایک تو علمیت سبب تھی جب اس کو زائل کر دیا تو ایک سبب ختم ہوگیا، دوسرے سبب آخر کے لیے شرط تھی جب اس علمیت کو زائل کر دیا گیا تو شرط ختم، لہٰذا مشروط بھی ختم چونکہ قاعدہ ہے۔ اذا فات الشرط فات المشروط جیسا کہ مثلاً تانیث کے اندر سبب بھی تھی اور شرط بھی جیسے طلحۃ کے اندر تو جب علمیت زائل ہوئی ایک سبب ختم ہوگیا، اور دوسرے تانیث کے غیر منصرف بننے کے لیے شرط تھی تو جب شرط علمیت ختم تو مشروط تانیث بھی ختم مگر یہاں پہنچ کر آپ کے ذہن میں آٹو میٹک یہ سوال پیدا ہوگا کہ مثلاً تانیث کے اندر علمیت سبب و شرط دونوں ہے، جب علمیت کو زائل کیا تو دوسرا سبب تانیث تو زائل نہیں ہوا وہ تو علیٰ حالہ باقی ہے پھر آپ کا یہ کہنا کہ بلا سبب کے باقی رہ جائے گا کیسے صحیح ہوگا؟

الجواب: زوال سے سبب کی وصفیت کا زوال من حیث ہو سبب مراد ہے نہ کہ سبب کی ذات مطلب یہ ہے کہ اگر چہ سبب کی ذات یعنی تانیث موجود ہے مگر اس تانیث سے سبب کی وصفیت زائل ہوگئی لہٰذا اب یہ اس قابل نہیں رہی کہ کوئی اور سبب اس کے ساتھ لاحق کر کے اس کو غیر منصرف بنایا جاسکے، اور جن دو مواقع میں علمیت صرف سبب تھی تو جب علمیت کو زائل کر دیا جائے تو ایک سبب باقی رہے گا، اور ایک سے غیر منصرف بنتا نہیں۔ اب غیر منصرف کے اسباب میں سے وصف اور جمع والف تانیث باقی رہے ان میں علمیت نہ سبب ہے اور نہ شرط وصف میں اس لیے کہ دونوں میں تضاد ہے کما مرفی موضعہ۔ اور جمع اور الف تانیث میں چونکہ ضرورت ہی نہیں دوسرے سبب کی خود ہی تنہا دو کے قائم مقام ہیں۔

إذا نکر صرف ۔اب نکرہ بنانے کا طریقہ سمجھئے۔نکرہ بنانے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ علم بول کر اس نام کی جماعت کا ایک فرد غیر معین مراد لیا جائے، جیسے یوں کہیں ھذا زید ورأیت زیداً آخر ان دونوں مثالوں میں سے اول زید تو معرفہ ہے اور زید ثانی نکرہ ہے اور لفظ آخر سے اس کی نکارت ہی کی طرف اشارہ ہے اس بات کو آپ اس انداز سے سمجھئے کہ ایک ہی نام کے ایک ہی جگہ پر چند آدمی ہوں مثلاً طلحۃ نام کے بہت سارے کسی جگہ جمع ہوں تو جب ان میں سے کسی کا نام لاعلی التعیین بولا جائے گا مثلاً رأیت طلحۃ آخر کہیں تو نہ اس مجلس کے سب طلحہ مراد ہوں گے اس لیے کہ نام تو واحد ہی پکارا ہے۔ اور نہ متعین شخص مراد ہوگا کیونکہ تعیین کا کوئی ارادہ نہیں تو متکلم کا مقصود ان میں سے لاعلی التعین ایک فرد ہے دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ علم بول کر صاحب علم کا وصف مشہور مراد لیا جائے علم کی ذات مقصود نہ ہو جیسے فرعون ایک کافر بادشاہ کا لقب ہے اس میں بہت سے اوصاف تھے ان میں سے مشہور وصف اس کا باطل پرست ہونا تھا تو اب فرعون بول کر مبطل مراد لیا جائے، ایسے ہی موسیٰ ایک مشہور نبی کا نام ہے جو فرعون کی طرف مبعوث ہوئے ان کے اوصاف حسنہ میں سے سب سے بڑا وصف حق پرست تھا، لہٰذا موسیٰ بول کر محق مراد لیا

جائے، ذات مقصود نہ ہو تو یہ نکرہ بن جائے گا، جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے ''لِكُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسٰى ''تو اس مثال میں یہی وصف مشتہر مراد ہے اب آپ اپنی کتاب میں دی گئی مثالوں میں غور کر لیجئے کہ اول علم معرفة ہے غیر منصرف ہے دوسرا تینوں امثلہ میں نکرہ ہے بالتنوین۔

وكُلُّ ما لا يَنْصرِفُ اذا اُضيفَ او دخَلَه اللام فدَخلهُ الكسرة نحو مررتُ باحمدِكم وبالاحمد.

ترجمه: اور ہر وہ اسم جو غیر منصرف ہو جب اس کو مضاف بنا دیا جائے یا اس پر لام داخل ہو جائے تو اس پر کسرہ آ جائے گا جیسے مررت باحمدكم وبالاحمد کے اندر۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ ایک مسئلہ کا جواب بیان فرماتے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ غیر منصرف پر اسباب کے موجود ہوتے ہوئے کسرہ آ سکتا ہے یا نہیں اگر آ سکتا ہے تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: وكُلُّ ما يَنْصرِفُ الخ. ہر وہ اسم غیر منصرف جب اس کو مضاف بنا دیا جائے یا اس پر لام تعریف داخل ہو جائے تو حالت جری میں کسرہ آ جائے گا جیسے آپ کہیں مررت باحمد كم ومررت بالاحمد۔ ان مثالوں میں آپ نے دیکھا کہ کسرہ آ گیا اور وجہ کسرہ آنے کی یہ ہے کہ اضافت اور لام تعریف اسم کی بڑی علامتوں میں سے ہیں، جب ان کو داخل کر دیا تو اسم کو فعل کی مشابہت سے بہت دور پھینک دیا، لہٰذا اب مشابہت فعل کے ساتھ کافی حد تک ضعیف ہوگئی، اس وجہ سے کسرہ آ گیا مگر تنوین اس صورت میں نہ آئی اور وجہ نہ آنے کی ظاہر ہے کہ جو کلمہ معرف باللام ہو یا مضاف ہو اس پر تنوین نہیں آتی چونکہ تنوین انفصال کو چاہتی ہے۔

فائده: مصنفؒ نے یہ کہا کہ مذکورہ صورت میں کسرہ آ جائے گا یہ نہیں بتلایا کہ منصرف ہو جائے گا یا نہیں جب کہ مقصود یہی ہے، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل اس سلسلے میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ دخول لام اور اضافت کی وجہ سے دونوں سبب زائل ہوں یا نہ ہوں منصرف ہو جائے گا۔ (۲) بعض کہتے ہیں کہ خواہ اسباب زائل ہوں یا نہ زائل ہوں غیر منصرف ہی رہے گا (۳) بعض کہتے ہیں کہ اگر دونوں اسباب دخول لام و اضافت کے باعث باقی ہوں تو کلمہ غیر منصرف رہے گا، ورنہ منصرف ہو جائے گا۔ والتفصيل موجود في المطولات فليراجع إليها۔

مقدمہ کا بیان ختم ہوا جو چار فصلوں پر مشتمل تھا۔ بتوفيق الله وعونہٖ

تمرین:

(۱) وہ کون سے اسباب ہیں جن کی سببیت نکرہ بنانے کے بعد بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے۔ (۲) نکرہ بنانے کا طریقہ کیا ہے۔ (۳) زوال سے سبب کی وصفیت کا زوال مراد ہے یا سبب کی ذات کا۔ (۴) اگر غیر منصرف پر الف و لام داخل ہو جائیں یا اس کی اضافت کر دی جائے تو اس کے متعلق علماء نحو بطور خاص صاحب ہدایۃ النحو کا کیا خیال ہے؟

المقصد الاول فی المَرفوعَات

جب مصنفؒ مقدمہ کے بیان سے فارغ ہوگئے تو حسب وعدہ اسم معرب کے تینوں مقاصد مرفوعات منصوبات مجرورات کوشروع فرمارہے ہیں، پھران مقاصد ثلثہ میں سے اولا مرفوعات کو بیان کرر ہے ہیں اور وجہ تقدیم یہ ہے کہ مرفوع کلام میں عمدہ واقع ہوتا ہے اور نیز چونکہ ترکیب اسنادی کے اندر مرفوع ہی مقصود بالذات ہوتا ہے جیسے فاعل ومبتدا وغیرہ اور رہے اس کے ماسوا منصوبات ومجرورات یہ مقصود بالذات نہیں ہوتے ہیں بلکہ فضلہ ہوتے ہیں۔

المقصد الاول فی المَرفوعَات: مصنفؒ نے مرفوعات جمع کا صیغہ استعمال فرمایا اس سے پیدا ہونے والے ایک وہم کو ختم کردیا وہم یہ پیدا ہوسکتا تھا کہ رفع کہتے ہیں۔ وھو ما اشتمل علی علم الفاعلية کو یعنی کہ فاعل ہونے کی علامت کو رفع کہتے ہیں تو اس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ مرفوع صرف فاعل ہی ہوگا اس کے علاوہ نہیں تو جمع کا صیغہ لاکر اس وہم کو ختم کردیا چونکہ جمع تعدد پر دلالت کرتی ہے تو معلوم یہ ہوا کہ مرفوعات بہت سارے ہیں، جن کی تفصیل آگے آرہی ہے اسی کے ساتھ ساتھ مرفوع کی تعریف بھی سن لیجئے۔ چنانچہ مرفوع نحاۃ کے عرف میں کہتے ہیں ما اشتمل علی علم الفاعلية کو یعنی مرفوع وہ ہے جو فاعل ہونے کی علامت پر مشتمل ہو جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ میں ضمہ ہے، اور جاء ني الزيد ان میں الف ہے، اور جَاءَ نِی الزیدون میں واؤ ہے، پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ علامت کبھی لفظی ہوتی ہے جہاں اعراب لفظی ہو اور کبھی تقدیری جہاں اعراب تقدیری ہو ہاں ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ مرفوعات مرفوع کی جمع ہے مرفوعۃ کی نہیں، اس لیے کہ مرفوعات صفت ہے اسم معرب کی اور اسم معرب مذکر غیر عاقل ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مذکر لا یعقل کی صفت کی جمع الف تاء کے ساتھ آیا کرتی ہے جیسے الجبال الراسخات (مضبوط پہاڑ) والکواکب الطالعات (نکلنے والے ستارے)

اَلاسماءُ المرفوعاتُ ثمانيةُ اقسامٍ الفاعِلُ ومفعولُ مالم يُسَمَّ فاعلُه والمبتدأ والخبرُ وخبر اِنَّ واَخواتِهَا واِسم كَانَ وَاخواتِهَا واسمُ ماولا المشبَّهَتَين بلَيس وخبرُ لا التى لنفى الجنس.

یہاں سے مصنفؒ اسماء مرفوعات کی تعداد بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ اسماء مرفوعہ کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) فاعل (۲) مفعول مالم یسم فاعله (۳) مبتداء (۴) خبر (۵) اِنَّ اور اس کے اخوات یعنی حروف مشبہ

بافعل کی خبر (۶) کان وغیرہ یعنی افعال ناقصہ کا اسم (۷) ماو لا المشبهتین بلیس کا اسم (۸) لائے نفی جنس کی خبر۔

فصل الفاعِلُ كل اسمٍ قبلَهُ فعلٌ او صِفةٌ أسنِدَ اليه على معنى اَنَّه قام به لا وقع عليه نحو قام زيدٌ وزيدٌ ضاربٌ ابوه عمرًا وما ضَرب زيدٌ عمرًا.

ترجمه و مطلب: جب مصنفؒ مرفوعات کی تعداد کے بیان سے فارغ ہوگئے اب ان میں سے ہر ایک کی تعریف اور ان کے احکام کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں چنانچہ اوّلاً فاعل کی تعریف بیان فرمائی کہ فاعل ہر وہ اسم ہے جس سے قبل کوئی فعل ہو یا صفت ہو (شبہ فعل) اور اس فعل یا شبہ فعل کی اس اسم کی طرف اسناد کی گئی ہو ایسے طریقے پر کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کے ساتھ قائم ہو، اس پر واقع نہ ہو جیسے قام زید یہ مثال ہے اس فاعل کی جس سے پہلے فعل ہے اور اس فعل کی زید کی طرف اسناد کی گئی ہے وزید ضاربٌ ابوه عمرًا یہ مثال ہے اس فاعل کی جس سے قبل صفت ہے اور اس صفت ضاربٌ کی اسناد کی گئی ہے ابوہ فاعل کی طرف وما ضرب زیدٌ عمراً یہ مثال ہے فعل منفی کی۔ فعل منفی کی مثال لاکر اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ اس اسم سے پہلے فعل خواہ مثبت ہو یا منفی اس لیے دو مثالیں لائے ہیں پہلی مثبت کی (۲) منفی کی۔

فوائد قیود: کل اسم میں اسم سے مراد عام ہے خواہ حقیقی ہو جیسا قام زید میں زید، یا حکمی ہو جیسے اسم تاویلی مثلاً جیسے سَرّنِیُ ان تَتَعَلَّمَ میں تتعلّم ان مصدر کی وجہ سے اسم کی تاویل میں ہوگیا، لہٰذا اس مثال میں یہ فاعل حکمی ہے۔ قبله فعل اس قید سے احتراز ہے زیدٌ سے جو زید قام کے اندر ہے اس لیے کہ زید اس مثال میں مبتداء ہے فاعل نہیں، چونکہ یہاں فعل بعد میں ہے، اس فعل کی اسناد مبتدا کی جانب کی جارہی ہے مگر یہ مسئلہ بصریین کے مذہب کے مطابق ہے کوفیین اس سلسلے میں یہ کہتے ہیں کہ فعل خواہ پہلے ہو یا بعد میں دونوں میں کوئی فرق نہیں، ہر حال میں جو اسم ہوگا وہ فاعل ہی بنے گا۔ الصفة سے مراد اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل وغیرہ ہیں انہی کو شبہ فعل بھی کہتے ہیں، اسند اسناد سے مراد اسناد اصلی ہے لہٰذا توابع اس سے خارج رہیں گے، چونکہ ان کی طرف فعل کی اسناد تبعاً ہے اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ توابع کا بیان مستقل آرہا ہے۔ لاوقع علیه کی قید سے احتراز ہے مفعول مالم یسم فاعلہ سے جیسے ضرب زید کہ یہاں زید سے قبل فعل بھی ہے، مگر چونکہ فعل کی اسناد زید کی طرف بطور قیام کے نہیں ہے بلکہ وقوع کے طریقہ پر ہے، مگر یہ مسئلہ مصنف اور صاحب کافیہ کے مذہب کے مطابق ہے ان کے برخلاف علامہ زمخشری اور شیخ عبدالقادر جرجانی مفعول مالم یسم فاعله کو فاعل ہی مانتے ہیں اس لیے ان کے یہاں لاوقع علیہ کی قید کی فاعل کی تعریف میں ضرورت ہی نہیں ہے۔

نوٹ: مرفوعات میں سب سے مقدم فاعل کو کیا اس لیے کہ مرفوعات میں فاعل ہی اصل ہے چونکہ فاعل

جملہ فعلیہ کا جزء ہے اور جملہ فعلیہ تمام جملوں میں اصل ہے۔ دوسرے یہ کہ فاعل کا رفع نواسخ کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا برخلاف مبتداء وغیرہ کے کہ ان کا رفع نواسخ کے ذریعہ سے ختم ہوجاتا ہے جیسا کہ اِنَّ وغیرہ اگر داخل ہوجائیں تو مبتداء کا رفع غائب۔

وکلُّ فعلٍ لا بدَّ له مِن فاعلٍ مرفوع مُظهر کذهب زیدٌ او مُضمرٍ بارزٍ کضربتُ زیداً اور مُستَترٍ کزیدٌ ذهَب.

ترجمہ: ہر فعل کے لیے فاعل مرفوع کا ہونا ضروری ہے وہ فاعل مظہر ہو جیسے کہ ذهب زید یا مضمر بارز ہو جیسا کہ ضربت زیداً یا مستتر ہو جیسے زید ذهب۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ اس مسئلہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ دنیا میں کوئی فعل ایسا نہیں جس کا کوئی فاعل نہ ہو، لہٰذا ہر فعل کے لیے خواہ وہ لازم ہو یا متعدی فاعل کا ہونا ضروری ہے پھر وہ فاعل خواہ مظہر ہو جیسا کہ ذهب زید کے اندر زید خواہ وہ فاعل ضمیر ہو پھر ضمیر خواہ بارز ہو، جیسے ضربت زیداً میں **ت** ضمیر متکلم بارز ہے۔ اور خواہ وہ ضمیر مستتر (پوشیدہ) ہو جیسے زید ذهب کہ ذهب کا فاعل هو ہے جو پوشیدہ ہے۔

فائدہ: مرفوع مجرور ہے فاعل کی صفت ہونے کی وجہ سے یہ جو صفت لائے یہ صفت واضحہ ہے یعنی زیادتی وضاحت کی وجہ سے اس کو لائے ورنہ فاعل تو ہمیشہ ہوتا ہی مرفوع ہے دوسری بات یہ ہے کہ ہر فعل اپنے فاعل کے ساتھ قائم ضرور ہوگا۔ ہاں فعل کا فاعل سے صادر ہونا ضروری نہیں، جیسے ضرب زیدٌ میں ضرب فاعل کے ساتھ قائم بھی ہے، اور فاعل سے صادر بھی ہورہی ہے اور مات زید وطال عمرو میں موت وطول اپنے فاعل کے ساتھ قائم ہیں مگر فاعل سے ان کا صدور نہیں ہورہا ہے۔

وان کان الفعلُ متعدیًا کان له مفعولٌ به ایضًا نحو ضرب زیدٌ عمراً.

یہاں سے یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ ہر فعل کے لیے فاعل کا ہونا ضروری ہے ہی لیکن اگر فعل متعدی ہو تو فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول بہ کا بھی ہونا ضروری ہے۔ جیسے ضرب زیدٌ عمراً۔

وان کان الفاعِلُ مُظهرا وُحِّد الفعل ابداً نحو ضرب زیدٌ وضرب الزیدان وضرب الزیدون وإن کان مضمراً وُحّد للواحد نحو زیدٌ ضرب وثُنِّیَ للمثنّٰی نحو الزیدان ضربا وجُمِع للجَمع نحو الزیدون ضربوا وإن کان الفاعل مؤنثاً حقیقیاً وهو ما بازائهٖ ذَکرٌ من الحیوان اُنِّث الفعل ابداً ان لم تَفصِل بین الفِعل والفاعِل نحو قامتُ هندٌ.

ترجمہ: اور اگر فاعل مظہر ہو تو فعل کو ہمیشہ واحد لایا جائے گا جیسے ضرب زید وضرب الزیدان وضرب الزیدون اور اگر مضمر ہو تو فعل کو واحد کے لیے واحد لایا جائے گا جیسے زید ضرب اور تثنیہ کے لیے تثنیہ

جیسے الزیدان ضربا اور جمع کے لیے جمع لایا جائے گا جیسے الزیدون ضربوا اگر فاعل مؤنث حقیقی ہو اور مؤنث حقیقی وہ کہ جس کے مقابلے میں کوئی حیوان مذکر ہو تو فعل کو ہمیشہ مؤنث لایا جائے گا اگر فعل اور فاعل کے درمیان کوئی فصل نہ ہو جیسے قامت هند۔

تشریح: یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ فعل کو واحد لایا جائے یا تثنیہ یا جمع اس کے لیے کوئی قاعدہ قانون تو ہونا چاہئے، مصنفؒ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ہم اس کے لیے خوب تفصیل سے قاعدہ کلیہ بیان کررہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ اگر فاعل مظہر ہو تو فعل کو ہمیشہ واحد لایا جائے گا فاعل خواہ واحد ہو یا تثنیہ یا جمع جیسے ضرب زید وضرب الزیدان وضرب الزیدون مذکورہ صورت میں فعل کو واحد لانے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ فعل کے صیغۂ تثنیہ میں الف اور صیغۂ جمع میں واؤ فاعل کی ضمیریں ہیں، اگر فعل کو تثنیہ وجمع لائیں تو تعدد فاعل لازم آئے گا۔

وإن كان مضمراً وُحّد للواحد الخ ۔اور اگر فاعل ضمیر ہو تو فاعل واحد کے لیے فعل واحد اور تثنیہ کے لیے تثنیہ اور جمع کے لیے جمع لایا جائے گا اور وجہ یہ ہے کہ تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہو جائے جیسے زیدٌ ضرب، الزیدان ضربا، الزیدون ضربوا .

وإن كان الفاعل مؤنثاً حقيقياً الخ.

اور اگر فاعل مؤنث حقیقی ہے مؤنث حقیقی کہتے ہیں اس اسم کو جس کے مقابلے میں حیوان مذکر ہو (حیوان کی قید سے احتراز ہے غیر حیوان کی مؤنث سے جیسے نخل ونخلة) بہرحال اگر فاعل مؤنث حقیقی ہے تو فعل کو ہمیشہ مؤنث لایا جائے گا اگر فاعل کے درمیان فصل نہ ہو، جیسے قامت هند وجلست زينب قامت الهندان وقامت الهندات۔

صورت مذکورہ میں فعل کو مؤنث اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں سرایت کرتی ہے۔صورت مذکورہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ فعل کی تانیث تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے اول یہ کہ فعل متصرف ہو جامد نہ ہو (۲) مؤنث حقیقی انسانوں میں سے ہو (۳) فعل فاعل کے درمیان فصل اجنبی نہ ہو ہم نے یہ بات اس لیے بیان کی کہ مصنفؒ نے صرف شرط آخر کو بیان کیا جب کہ شرطیں اولین کو بھی بیان کرنا واجب تھا اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اگر فعل متصرف نہ ہو بلکہ فعل جامد ہو تو فعل کو مؤنث نہ لایا جائے گا، جیسے نعم المرأة اور ایسے ہی اگر فاعل مؤنث بهائم یعنی غیر انسانوں میں سے ہو تو بھی مؤنث لانا واجب نہیں جیسے اَتَى النَّعْجَة ایسے ہی اگر فصل واقع ہو جائے تو بھی تانیث واجب نہیں جیسے جاء اليوم هند۔

وإن فصلتَ فلكَ الخيارُ في التذكير والتانيث نحو ضَرَبَ اليوم هندٌ وان شِئتَ قُلتَ ضَرَبتِ اليوم هندٌ وكذٰلك في المؤنث الغير الحقيقي نحو طَلَعَتِ

الشمسُ وان شئت قلت طَلَعَ الشمسُ هٰذا اذا کَان الفعل مُسنداً الی المظهر. وان کَان مُسنداً الی المُضمر انِّث ابداً نحو الشمسُ طَلَعَتْ.

ترجمہ و تشریح: حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اگر فعل فاعل کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو پھر فعل کے مذکر و مؤنث لانے میں اختیار ہے جیسے جاء الیوم هند یا جاء ت الیوم هند وکذا فی المؤنث الغیر الحقیقی اور ایسے ہی فعل کے مذکر و مؤنث لانے میں مؤنث غیر حقیقی کے اندر بھی اختیار ہے مؤنث غیر حقیقی کہتے ہیں اس اسم کو جو صاحب فرج نہ ہو جیسے ظلمة وقوة جیسے آپ کہیں طلع الشمس وطلعت الشمس۔

هٰذا اذا کَان الفعل مُسنداً الی المظهر.

فرماتے ہیں کہ اگر فعل مسند ہو اسم ضمیر کی طرف تو فعل کو ہمیشہ مؤنث لایا جائے گا جیسے الشمس طلعت۔

وجمعُ التکسیر کالمؤنثِ الغیر الحقیقی تقُولُ قام الرّجال وان شئت قلت قامتِ الرجال والرجالُ قامَتْ ویجوز فیه الرجالُ قامُوا.

ترجمہ: اور جمع تکسیر مؤنث غیر حقیقی کے مثل ہے کہے گا تو قام الرجال اور اگر چاہے تو کہے قامت الرجال اور الرجال قامت اور جائز ہے اس میں الرجال قاموا۔

تشریح: جمع تکسیر خواہ مذکر عاقل ہو جیسے رجال یا مذکر لا یعقل ہو جیسے ایام و جمال یا جمع مؤنث ہو جیسے نسوة یا جمع مؤنث سالم ہو جیسے مسلمات یا وہ جمع ہو جو واؤ نون کے ساتھ ہو مگر اس کا واحد مؤنث ہو جیسے سنة سے سنون وارض سے ارضون جیسے کہ آپ کہیں مضت سنون۔ بہر حال جمع تکسیر اور ان تمام مذکورہ صورتوں کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ مؤنث غیر حقیقی کا یعنی جیسے جب کہ فاعل مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر ہو تو فعل کے مذکر و مؤنث لانے میں اختیار ہے ایسے ہی جمع تکسیر میں بھی اختیار ہے جیسے الرجال قامت مگر اس میں ایک صورت اور بھی جائز ہے وہ ہے الرِّجَالُ قَامُوْا۔

نوٹ: فاعل جب مؤنث حقیقی ہو اور فعل فاعل کے درمیان فاصلہ ہو تو فعل کی تذکیر و تانیث میں اختیار اس وجہ سے ہے کہ فصل کے واقع ہونے کی وجہ سے فاعل کی تانیث فعل کی تانیث کی طرف سرایت لازمی طور سے نہیں کرتی بلکہ جوازی طریقہ سے کرتی ہے، لہٰذا فعل کو مذکر و مؤنث دونوں طرح سے لانا جائز ہوگا اور مؤنث غیر حقیقی میں جب فعل اسم ضمیر کی طرف مسند ہو تو مؤنث لانا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس میں فاعل کی تانیث فعل کی تانیث کی طرف شدت تعلق کی وجہ سے سرایت کرتی ہے۔ اور جمع تکسیر میں جو دونوں وجہیں جائز ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع جماعت کی تاویل میں ہے تو اس کو مؤنث لانا جائز ہے لفظ کے اعتبار سے اور عدم تانیث کا لانا جائز ہے معنی کے لحاظ سے۔

ویجبُ تقدیم الفاعِل علی المفعول اذا کَانَا مقصورَین وخِفتَ اللَّبس نحو

ضرب موسٰی عیسٰی.

ترجمه و مطلب: یہاں سے مصنفؒ اس بات کو بیان فرمارہے ہیں کہ کہاں فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے اور کہاں جائز ہے تو مصنفؒ نے بیان فرمایا کہ فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے جب کہ فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصورہ ہوں اور فاعل کا مفعول کے ساتھ التباس کا خوف ہو مصنفؒ کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جہاں قرینہ لفظیہ اور معنویہ دونوں مفقود ہو جائیں تو وہاں فاعل کی مفعول پر تقدیم واجب ہے جیسے ضرب موسٰی عیسٰی ۔اور ایسے ہی شتمت سعدی سلمی ایسے ہی اکرم ھؤلاء ھؤلاء اور ایسے ہی ضرب مَنْ فی الدار من علی الباب ان امثلہ اربعہ میں آپ نے غور کیا ہوگا کہ یہاں قرینہ لفظیہ یعنی اعراب بھی منتفی ہے اور قرینۂ معنویہ بھی مفقود ہے۔

ویجوز تَقدیم المفعُول علی الفَاعِل ان لم تخِفِ اللَّبسَ نحو اَکَلَ الکُمَّثرٰی یحییٰ وضَرَبَ عمراً زیدٌ.

اور مفعول کا فاعل پر مقدم ہونا جائز ہے اگر التباس کا خوف نہ ہو اس کو آپ یوں بھی تعبیر کر سکتے ہیں کہ فاعل کا مفعول پر مقدم ہونا واجب نہیں اگر التباس کا خوف نہ ہو جیسے اکل الکمثری یحیی گلہری نے امرود کھایا اس مثال میں اگر قرینہ لفظیہ موجود نہیں مگر معنویہ ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ کمثری میں فاعل بننے کی صلاحیت موجود نہیں ہے اور ایسے ہی ضربت موسی حبلی کہ یہاں قرینہ لفظیہ موجود ہے اور وہ فاعل کی علامت کا اتصال ہے فعل کے ساتھ اور ایسے ہی اکرم سلمیٰ موسٰی کہ یہاں بھی لفظی قرینہ موجود ہے کہ اکرم فعل مذکر کا صیغہ ہے اور موسیٰ بھی مذکر ہے اور ایسے ہی ضرب عمرا زیدٌ کہ یہاں بھی قرینہ لفظیہ موجود ہے اور وہ عمراً کا منصوب ہونا ہے۔

نوٹ: قرینہ کہتے ہیں ھو الامر الدال علی الشئ کو یعنی وہ امر جو کسی چیز پر دلالت کرے یا تعریف یوں کرلو ھو ما یدل علی تعیین المراد باللفظ او علی تعیین المحذوف یعنی قرینہ وہ ہے جو لفظ کے ساتھ مراد کی تعیین پر دلالت کرے یا محذوف کی تعیین پر۔

ویجوز حذف الفعل حیثُ کانت قرینةٌ نحو زیدٌ فی جوابِ مَن قالَ مَن ضربَ.

یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ لفظوں سے فعل کا حذف کرنا بھی جائز ہے جب کہ فعل محذوف کے اوپر قرینہ موجود ہو جیسے زیدٌ کہنا اس شخص کے جواب میں جس نے کہا من ضرب تو یہاں دیکھئے کہ قرینہ حذف فعل کے اوپر سائل کا سوال ہے لہٰذا زید کا فعل ضرب محذوف ہے۔

ترکیب عبارت: ھو مبتداء محذوف نحو زید مرکب اضافی خبر زید کو یہاں جو مرفوع پڑھا ہے اعراب حکائی کی وجہ سے اور کلمہ مَنْ استفہامیہ مبتداء اور ضرب اس کی خبر دونوں مل کر جملہ استفہامیہ ہو کر قال کا مقولہ۔

وکذا یجوزُ حذف الفعل والفاعِل معاً کنعَمْ فی جَواب مَنْ قالَ اَقامَ زیدٌ.

ترجمه و مطلب: اس عبارت سے قبل صرف حذف فعل کو بیان فرمایا تھا یہاں سے یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایسے ہی فعل اور فاعل دونوں کا ساتھ ساتھ حذف کرنا جائز ہے جیسا کہ نـعـم کہنا اس شخص کے جواب میں جس نے کہا اَقـامَ زَیدٌ تو یہاں پر فعل فاعل دونوں کو حذف کر دیا گیا اصل عبارت ہے نـعـم قَامَ زَیدٌ اور یہاں پر قرینہ سائل کا سوال ہے۔

فـائده: فعل فاعل دونوں کو حذف کرنا ہر اس جگہ جائز ہے جہاں حرف استفہامیہ کے جواب میں حرف ایجاب واقع ہو۔

وقـد یُـحـذف الفاعِل ویُقام المفعُولُ مقامَهُ اذا کانَ الفعلُ مَجهُولًا نحو ضُرِبَ زیدٌ وهُو القسمُ الثانِی منَ المرفوعاتِ.

تـرجـمه و مطلب: اور کبھی حذف کیا جاتا ہے فاعل کو اور قائم مقام کر دیا جاتا ہے اس کے مفعول کو جب کہ فعل مجہول ہو قائم مقام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اسناد فعل یا شبہ فعل کی پہلے فاعل کی طرف کی جاری تھی اب فاعل کے حذف ہونے کے بعد یہ اسناد مفعول کی طرف کر دی جائے گی، اور یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ فعل مجہول ہو جیسے ضُرِبَ زَیدٌ اسی قائم مقام فاعل کا دوسرا نام مفعول مالم یسمَّ فاعله بھی ہے جو مرفوعات کی آٹھ قسموں میں سے دوسری قسم ہے جس کو بالتفصیل انشاء اللہ اس کے موقع پر ہی بیان کیا جائے گا۔

نوٹ: حذف فاعل کے چار مواقع ہیں ایک تو یہی جس کو ابھی بیان کیا دوم جیسے مَـا قَـامَ اِلَّا زیدٌ سوم مصدر جیسے إطعَامٌ فِی یَومٍ ذی مَسغبة چہارم تعجب کے اندر جیسے اَسمِعْ بِهِمْ واَبصِرْ۔

تمرین:

(۱) مرفوعات کی کل تعداد کتنی ہے۔ (۲) فاعل کی تعریف کیجئے اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایئے کہ کیا فاعل کے لیے اسم حقیقی کا ہونا ضروری ہے یا اسم حکمی بھی فاعل واقع ہوسکتا ہے۔

(۳) اگر فاعل مذکر مظہر ہو تو فعل کو واحد تثنیہ جمع میں سے کیا لائیں گے، اور اگر مضمر ہو تو فعل کیسا لائیں گے۔

(۴) اگر فاعل مؤنث حقیقی ہو تو فعل کو مذکر و مؤنث لانے میں کیا مسئلہ رہے گا اور اگر مضمر ہو تو کیسے لائیں گے۔

(۵) اگر فاعل جمع تکسیر ہو تو پھر فعل کو کیسا لائیں گے۔

(۶) فاعل کی تقدیم مفعول پر کہاں واجب ہے۔

(۷) مفعول کی تقدیم فاعل پر کہاں جائز ہے۔

(۸) فعل کو کس مقام پر حذف کر سکتے ہیں۔

(۹) فعل فاعل دونوں کو ساتھ ساتھ کہاں حذف کر سکتے ہیں۔

(۱۰) فاعل کو حذف کر کے مفعول کب اس کے قائم مقام کر سکتے ہیں۔

(۱۱) ذیل میں کچھ مشتق جملے دیئے جارہے ہیں ان میں سے ہر ایک میں فعل کو مذکر ومؤنث واحد وتثنیہ وجمع لانے کی وجہ بیان کیجئے، نیز فاعل ونائب فاعل اسم ظاہر ہے یا اسم ضمیر اس کی وضاحت فرمائیں۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مثلاً، الرَّحمٰنُ عَلَّمَ القُرآن، یَلْتَقِی البَحْرَان (دو دریا ملتے ہیں) یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللآلِی (ان دونوں دریاؤں سے موتی نکلتے ہیں) اَشَارَت مَرْیَمُ الَیْه (مریم نے اس کی طرف اشارہ کیا) نَذَرَ الیَومَ مَرْیَمُ (آج مریم نے نذر مانی) زَیْنَبُ قَالَت لأختِهَا، قَالَتِ الملٰئكةُ، قَالَ رُسُلُ اللهِ، الرُّسُل یَقُولُونَ لله، أقِیمتِ الصلوٰة، الزَّکوٰة أدِّیتُ، شَجَّعَتْ بُشْرٰی حُسْنیٰ (حوصلہ افزائی کی بشری نے حسنیٰ کی) علَّمَ سلْمٰی الاستاذُ (استاذ نے سلمیٰ کو تعلیم دی)

فصل اذا تنازع الفِعلانِ فی اسمٍ ظاهرٍ بعدَهُما ای اَرادَ کُلُ واحدٍ من الفِعلَین اَن یّعمَل فی ذٰلک الاسمِ فهٰذَا انما یکونُ علی اربعةِ اقسامٍ الاول ان یَّتنازعا فی الفاعِلیة فقط نحو ضَربَنی واکرَمنِی زیدٌ الثانی ان یَّتَنازعا فی المَفعُولیَّةِ فقط نحو ضربتُ واکرمتُ زیداً.

ترجمه : دو فعل جب کسی اسم ظاہر میں تنازع کریں جو (اسم ظاہر) ان دونوں کے بعد ہو یعنی ان دونوں فعلوں میں سے ہر ایک یہ چاہے کہ وہ اس اسم میں عمل کرے تو یہ چار قسم پر ہے اول قسم یہ ہے کہ وہ دونوں فعل صرف فاعلیت میں تنازع کریں جیسے ضَربَنی واکرَمنِی زید ۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ دونوں صرف مفعولیت میں تنازع کریں جیسے ضربتُ واکرمتُ زیداً۔

اس سے قبل فاعل کے بیان میں یہ ذکر آیا تھا کہ فاعل کبھی اسم ضمیر ہوتا ہے اور باب تنازع کے اندر بھی چونکہ فاعل مضمر ہوتا ہے لہٰذا اس کے بعد تنازع فعلان کو بیان کرتے ہیں دو فعل جب کہ تنازع کریں کسی اسم ظاہر میں جو ان دونوں فعلوں کے بعد ہو، أی أراد کُلّ واحدٍ الخ سے تنازع فعلین کا مطلب بیان کیا کہ تنازع فعلان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دونوں فعل لاٹھی یا بندوق سے لڑیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ فعل تو دو ہیں، اور اسم ایک ہے جو دونوں فعلوں کے بعد آرہا ہے دونوں فعلوں میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ یہ اسم ظاہر میرا معمول بن جائے اب مسئلہ یہ ہے کہ اس اسم کو کس کا معمول بنایا جائے اول فعل کا یا ثانی کا فهذا إنما یکون علی اربعة اقسام سے منصفؒ اس کا فیصلہ فرماتے ہیں کہ جب یہ شکل پیش آئے گی تو اس کی چار قسمیں نکلیں گی ان چاروں کو یاد کرنے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ کس کا معمول بنایا جائے ان اقسام اربعہ کو شروع کرنے سے پیشتر آپ فوائد قیود سن لیجئے تا کہ بحث کا

سمجھنا آسان ہو جائے۔

فوائد قیود: اسم ظاہر کی قید سے اسم ضمیر سے احتراز ہے کیونکہ ضمیر یا تو متصل ہوگی یا منفصل ہوگی اگر متصل ہوگی تو جس فعل کے بعد آئے گی اسی کا معمول بن جائے گی، جیسے ضربتَ واکرم کے اندر تَ مخاطب کی ضمیر اول کے ساتھ ہے ظاہر ہے کہ اسی کا معمول بنے گی ورنہ ضمیر متصل نہ رہے گی۔ اور اگر ضمیر منفصل ہے تو تنازع تو ہوگا دفع تنازع کی کوئی شکل موجود نہیں ہوگی، جیسے ما ضرب وما أكرم الا أنا یا ما ضربت وما أكرمت الا ایاك تو ان دونوں مثالوں میں انا و ایاک میں تنازع تو ہو رہا ہے مگر دفع تنازع کی کوئی صورت نہیں اس لیے یہ باب تنازع سے خارج ہے اور بعد ہما کی قید سے اولھما و أوسطهما کو خارج کرنا مقصود ہے اس لیے کہ اگر اسم دونوں سے پہلے واقع ہے تو پہلے فعل کی ضمیر اس کی طرف راجع کر دیں گے، اور اگر درمیان میں واقع ہے تو اس اسم کو فعل اول کا معمول بنا دیں گے، اور دوسرے فعل کی اس کی طرف ضمیر راجع کریں گے لہٰذا ان دونوں صورتوں میں تنازع ہو ہی نہیں سکتا۔

نوٹ: تنازع جیسے دو فعلوں میں ہوتا ہے ایسے ہی دو شبہ فعلوں میں بھی ہوتا ہے جیسے زیدٌ مُعلِّمٌ ومؤدِبٌ عمراً یہاں دونوں اسم فاعل کا تنازع عمراً میں ہو رہا ہے مفعولیت کے اندر اور ایسے ہی زیدٌ مُکرَّمٌ وَمُعَظَّمٌ غُلامُہٗ یہاں دونوں اسم مفعول کا تنازع ہے غلامہ کے اندر بہر حال تنازع شبہ فعل میں بھی ہوتا ہے مگر یہاں صرف تنازع فعلان ہی کے ذکر پر اکتفا اس لیے کیا۔ چونکہ فعل عمل میں اصل ہے رہی فرع تو وہ اصل کے تحت خود بخود داخل ہو جاتی ہے۔ نیز جیسے تنازع دو فعل میں ہوتا ہے ایسے ہی دو سے زیادہ میں بھی ہوتا ہے مگر دو ہی کو ذکر کیا اس وجہ سے کہ تنازع کے لیے کم از کم دو فعل ہونے چاہئیں تو گویا کہ اقل مرتبہ کو بیان کیا زیادہ کی نفی نہیں جیسا کہ درود شریف کے اندر ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَ سَلَّمْتَ وَبَاركت وَرَحِمْتَ و ترحمْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. یہاں پانچ افعال کا تنازع ہو رہا ہے ابراہیم کے اندر۔

الاول ان يتنازعا فى الفاعلية: مصنفؒ نے بیان کیا تھا کہ تنازع فعلان کی چار قسمیں ہیں اب ان میں سے ہر ایک کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ قسم اول یہ ہے کہ دونوں فعل فاعلیت کا تقاضا کریں جیسے ضربنی واکرمنی زید ضرب واکرم دونوں تقاضا کر رہے ہیں۔ زید کے بارے میں کہ یہ میرا معمول بنے۔

الثانى ان يَّتنازعا فى المَفعُولِيَّةِ: ان اقسام اربعہ میں سے دوسری قسم یہ ہے کہ دونوں صرف مفعولیت کا تقاضہ کریں جیسے ضربت واكرمت زيداً، اس مثال میں دونوں کے پاس فاعل موجود ہے صرف مفعولیت میں جھگڑا ہے ہر ایک چاہتا ہے کہ زیداً میرا مفعول بنے۔

الثالثُ اَنْ يتنازَعا فى الفاعلية والمفعُوليةِ ويقتضى الاولُ الفاعِلَ والثانى

المفعُولَ نحو ضربني واكرمتُ زيداً الرابعُ عكسُهٗ نحو ضربتُ واكرمَنِي زيدٌ واعلم اَنّ في جميع هٰذِهِ الاَقسامِ يجوزُ اِعمالُ الفِعلِ الاول واِعمالُ الفِعلِ الثاني خلافا للفرّاء في الصورة الاوليٰ والثالثة اَنْ يُعملَ الثاني ودليلُه لُزُومُ أحدِ الامرَين اِمَّا حَذف الفاعِلِ والاضمارُ قبلَ الذِكر وكلاهما محظُور ان وهٰذا في الجواز وامَا الاختيار ففيه خِلافُ البصريّين فاِنَّهم يَختارُون اِعمالَ الفعلِ الثانِي اعتبارًا للقُرب والجوار والكوفيون يختارون اعمالَ الفعلِ الاَولِ مراعاةً للتقديمِ والاستِحقاق فان اَعُملتَ الثانِيَ فانظر اِن كانَ الفعلُ الاولُ يَقتضِي الفاعل أضمَرتَه في الاول كما تقولُ في المُتَوافِقَين ضربني واكرمِني زيدٌ وضَرباني واكرَمنِي الزيدانِ وضَربُوني واكرمِني الزيدون وفي المتخالِفَين ضربني واكرمتُ زيدًا وضرباني اكرمتُ الزيدَين وضَربُوني واكرمتُ الزيدِين.

ترجمه و مطلب: تیسری قسم یہ ہے کہ فعل اول اور فعل ثانی دونوں ساتھ ساتھ فاعلیت ومفعولیت کا تقاضہ کریں فعل اول فاعلیت کا تقاضہ کرتا ہے اور فعل ثانی مفعولیت کا جیسے ضربني واكرمتُ زيداً ضرب چاہتا ہے کہ زید میرا فاعل بن جائے اکرمتُ چاہتا ہے کہ میرا مفعول بن جائے۔

الرابع عكسه: قسم چہارم قسم ثالث کی برعکس ہے کہ فعل اول چاہتا ہے کہ یہ میرا مفعول بنے اور فعل ثانی چاہتا ہے کہ میرا فاعل بنے جیسے ضربتُ واكرمَنِي زيدٌ واعلم اَنّ في جميعِ هٰذِهِ الاَقسامِ الخ یہاں سے مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ ان تمام اقسام میں عندالبصريين والكوفيين جائز ہے کہ خواہ فعل اول کو عمل دے دیں، یا فعل ثانی کو۔ خلافا للفرّاء في الصورة الاوليٰ والثالثة اَنْ يُعملَ الثاني ۔ان اقسام اربعہ میں سے پہلی اور تیسری صورت میں دوسرے فعل کو عمل دینے میں فراء کا اختلاف ہے یعنی پہلی اور تیسری صورت میں امام فراء کے نزدیک دوسرے فعل کو عمل دینا جائز نہیں بلکہ فعل اول کو عمل دینا ان کے نزدیک واجب ہے ودليله لزوم أحد الأمرين ۔اور امام فراء کی دلیل یہ ہے کہ اگر فعل ثانی کو عمل دیں گے تو دو امروں (خرابیوں) میں سے ایک امر ضرور لازم آئے گا یا تو آپ فعل اول کے فاعل کو حذف کریں گے یا فعل اول میں فاعل کی ضمیر لائیں گے فاعل کے ذکر سے پہلے وكلاهما محظُوران اور یہ دونوں صورتیں ممنوع ہیں اول صورت میں فاعل کا حذف لازم آئے گا جو کہ عمدہ ہے کلام کے اندر اور یہ ناجائز ہے اور اگر ضمیر لائیں گے تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا اور یہ بھی ناجائز ہے اس لیے فراء کا صورت اولیٰ و ثالثہ میں اختلاف ہے ترکیب خلافاً مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا اصل عبارت ہے خالف القول بالجواز خلافا للفراء وهذا في الجواز۔مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فراء کا یہ اختلاف ہے جو

لانا جائز ہونے میں ۔دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اقسام اربعہ میں فعل اول وثانی کوعمل دینے کے بارے میں یہ اتفاق عندالبصریین والکوفیین جواز میں ہے، واما الاختیار ففیه خلاف البصریین ۔اور بہرحال دونوں فعلوں میں سے کس کوعمل دینا مختار ہے تواس سلسلے میں نحاۃ بصرہ وکوفہ کا اختلاف ہے۔فانھم یختارون اعمال الفعل الثانی ،مصنفؒ نے مسلک بصرہ کومقدم کیا چونکہ نحویوں کے کلام میں وہی زیادہ استعمال ہوتا ہے،اس لیے ان کے مذہب کواہل کوفہ کے مذہب پر مقدم کیا۔بہرحال بصریین فعل ثانی کے عمل دینے کومختار فرماتے ہیں اعتبار للقرب والجوار بصریین کی دلیل یہ ہے کہ فعل ثانی اسم ظاہر کے قریب ہے،اس کا پڑوسی ہے توحق شفعہ اسے حاصل ہے اس لیے قرب وجوار کا اعتبار کرتے ہوئے فعل ثانی کوعلم دینا اولی ومختار ہے، نیز اگر فعل اول کوعمل دیا جائے تو عامل ومعمول کے درمیان فصل اجنبی لازم آتا ہے اور یہ خلاف اصل ہے اس لیے کہ معمول میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے عامل سے متصل ہوعلاوہ ازیں کلام الٰہی میں بھی فعل ثانی ہی کوعمل دیا گیاھاؤم اقرء وا کتابیه یہاں اقرء وا کوعمل دیا گیااس لیے کہ اگراول کوعمل دیا گیا ہوتا تواقـــرء وہ ہوتا معلوم ہوا کہ مسلک بصرہ کلام اللہ شریف کے مطابق ہونے کی وجہ سے اولیٰ ومختار ہے۔والکوفیون یختارون اعمال الفعل الاول الخ ،اورکوفیین پہلے فعل کوعمل دینے کومختار فرماتے ہیں۔مراعاة للتقدیم والاستحقاق ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ فعل اول پہلے آیا ہے اس وقت ثانی کا وجود بھی نہ تھا اور انصاف کی بات یہ ہے کہ جو پہلے آئے اس کو پہلے دیا جائے اگر کچھ باقی رہ جائے تو بعد والے کو دے دیا جائے،لہٰذااس تقدیم واستحقاق کی رعایت کرتے ہوئے اول کوعمل دینا زیادہ بہتر ہے نیز اگر ثانی کوعمل دیا جائے تو یہ خرابی بھی لازم آتی ہے کہ آپ فعل اول کے لیے ضمیر لائیں گے جب کہ مرجع ابھی کوسوں دور ہے تو دریں صورت اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو ناجائز ہے اگر اول کوعمل دیں تو اس قبح سے تو بچ جائیں گے،اس لیے اول کوعمل دینا مختار ہے۔فان اعملت الثانی فانظر الخ فان اعملت کے اندر فاتفسیر یہ ہے یہاں سے مصنف ہر ایک کے مذہب مختار کی تفصیل بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ اگر بصریین کے مذہب کے مطابق فعل ثانی کوعمل دیا جائے تو دفع تنازع کے لیے فعل اول اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہو تو فعل اول میں فاعل کی ضمیر لے آئیں گے اسم ظاہر کے موافق یعنی اگر اسم ظاہر مفرد ہے تو فعل اول میں مفرد کی ضمیر اور تثنیہ ہے تو تثنیہ کی ضمیر اور جمع ہے تو جمع کی ضمیر لے آئیں گے،اور اگر مذکر ہے تو مذکر کی ضمیر اور مؤنث ہے تو فعل میں بھی مؤنث کی ضمیر لائیں گے۔

کما تقولُ فی المُتَوافِقَیْن (فی الاقتضاء) جیسا کہ تو کہے متوافقین کے اندر یعنی کہ اگر دونوں فعل فاعل کا تقاضہ کریں تو آپ یوں کہیں گے ضربنی واکرمنی زید، ضربانی اکرمنی الزیدَان، ضَرَبُوْنی واکرمنی الزیدون. تو ان امثلہ میں آپ نے غور کیا ہوگا کہ دونوں فعل زید اسم ظاہر میں تنازع کررہے ہیں لہٰذا یہاں فعل ثانی کا معمول بناتے ہوئے اسی کے مطابق فعل اول میں فاعل کی ضمیر لے آئے۔

وفی المتخالِفین اورآپ متخالفین میں کہیں یعنی جب کہ فعل اول فاعل کو چاہے اور فعل ثانی مفعول کو تو اس طرح کہیں گے ضربنی واکرمتُ زیدًا وضربانی واکرمتُ الزیدَین وضَربُونی واکرمتُ الزیدِین. اور مؤنث میں کہیں گے جیسے ضربتنی واکرمتُ هندًا وضربتانی واکرمتُ هندَین وضَربْنَنی واکرمتُ هنداتٍ. اب رہا کوفیین کا یہ اعتراض کہ آپ کے مسلک پر اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے تو اس کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ اضمار قبل الذکر عمدہ کے اندر بشرط تفسیر جائز ہے جیسے قل هو الله احَد کے اندر هُو ضمیر ذکر سے پہلے آ گئی۔

نوٹ: دفع تنازع کی تین صورتیں تھیں ایک اضمار دوم اظہار سوم حذف یہاں ضمیر لا کر دفع تنازع کر دیا گیا اظہار اس وجہ سے نہیں کیا کہ کلام میں بلا وجہ تکرار لازم آئے گا جو قبیح چیز ہے اور کلام فصحاء کے بھی خلاف ہے اور حذف اس وجہ سے نہیں کیا کہ عمدہ کا حذف کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس کا قائم مقام موجود ہو یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ دریں صورت امام کسائی کا اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جب عمل فعل ثانی کو دیں گے تو فعل اول چونکہ فاعل کا متقاضی ہے اس لیے ضمیر لائیں گے اور اضمار قبل الذکر جیسا کہ حال ہی میں سن چکے ناجائز ہے اس لیے امام کسائی اضمار قبل الذکر سے اجتناب کرنے کے لیے فاعل کو حذف کرتے ہیں مگر امام کسائی کی اس رائے کی حالت اس شخص کی سی ہے۔ فَرَّ مِنَ المطَرِ وَقَامَ تَحتَ المِیزَاب کہ بارش سے بچنے کے لیے بھاگا اور پرنالہ کے نیچے جا کھڑا ہوا، اس لیے کہ حذف فاعل تو اضمار قبل الذکر سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

وان کَانَ الفِعلُ الاولُ یقتضی المفعولَ ولم یکنِ الفِعلانِ من افعال القُلُوب حذفتَ المفعولَ مِن الفعلِ الاول کما تقول فی المتوافِقَین ضربتُ واکرمتُ زیداً وضربتُ واکرمتُ الزیدینِ وضَربتُ واکرمتُ الزیدِینَ وفی المتخالَفینِ وضربتُ واکرمنی زیدٌ وضربتُ واکرمنی الزیدانِ وضربتُ واکرمنی الزیدونَ.

ترجمہ و مطلب: اس سے قبل بیان تھا اس صورت کا جب کہ فعل اول فاعل کا تقاضہ کرے اب بیان فرماتے ہیں اس کو جب کہ فعل اول مفعول کا تقاضہ کرے اور دونوں فعل افعال قلوب میں سے نہ ہوں (اس لیے کہ افعالِ قلوب کا حکم اور ہے جو عنقریب آرہا ہے) تو دفع تنازع کے لیے فعل اول کے مفعول کو حذف کر دیا جائے گا، اس لیے کہ مفعول فضلہ ہے لہٰذا ذکر سے پہلے ضمیر کے لانے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر ویسے بھی اسم ظاہر حذف مفعول پر دلالت کر رہا ہے، اور یہاں مفعول کا اظہار بھی نہیں کر سکتے چونکہ خواہ مخواہ تکرار لازم آتا ہے جو کلام میں بہت ہی شنیع اور بُری چیز ہے۔

کما تقول فی المتوافِقَین جیسا کہ تو کہے متوافقین کے اندر یعنی جب کہ دونوں فعل مفعول کا تقاضہ کریں تو آپ اس طرح کہیں گے ضربتُ واکرمتُ زیداً وضربتُ واکرمتُ الزیدینِ وضَربتُ واکرمتُ

الزیدینَ.

وفی المتخالفَینِ اورمتخالفین میں ایسے کہیں گے یعنی جب کہ فعل ثانی فاعل کا مقتضی ہواوراول فعل مفعول کا تو ایسے کہیں گے ضربتُ واکرمنی زیدٌ وضربتُ واکرمنی الزیدانِ وضربتُ واکرمنی الزیدونَ.

ان امثلہ میں غور کرنے سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ فعل اول مفعول کو چاہتا تھا اس لیے اس کے مفعول کو حذف کرکے ثانی فعل کو عمل دے دیا گیا۔

وان کانَ الفِعلانَ من اَفعالِ القُلُوب یجب اظهار المفعُول للفِعْلِ الاولِ کما تقول حَسِبَنی مُنطَلقًا وحَسبتُ زیداً منطلقاً اذ لایجوز حذفُ المفعُول من اَفعالِ القُلوبِ واِضمارُ المفعُول قبل الذکرِ هٰذا هو مذهب البِصْریین.

ترجمه و مطلب: اوراگردونوں فعل افعال قلوب میں سے ہوں تو پھر مفعول کو حذف نہیں کرسکتے بلکہ اس فعل اول کے مفعول کو ظاہر کرنا واجب ہے جیسے آپ کہیں حَسِبَنی مُنطَلقًا وحَسبتُ زیداً منطلقاً یہاں حسبنی فعل اول اوراور حسبت فعل ثانی دونوں اخیر والے منطلقاً میں تنازع کررہے ہیں اور بصریین کے مسلک کے مطابق فعل ثانی حسبت کو عمل دیدیا تو منطلقاً اس کا مفعول ہوگیا فعل اول کو بھی چونکہ مفعول ہی کی ضرورت ہے لہٰذا اس کے مفعول کا اظہار بھی ضروری ہوا، اس لیے عبارت حَسِبَنی مُنطَلقًا وحَسبتُ زیداً منطلقاً ہوگی۔

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اظہار اس وجہ سے ضروری ہوا کہ افعال قلوب کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے دونوں مفعول آپس میں مبتداء اور خبر ہوتے ہیں حذف کردیں گے تو ایک مفعول پر اقتصار کرنا لازم آتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ واِضمارُ المفعُول قبل الذکرِ اور مفعول کی ضمیر بھی نہیں لاسکتے ہیں چونکہ وہی اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جس کی خرابی ہم قبل ازیں بیان کرچکے ہیں۔

هٰذا هو مذهب البِصْریین. مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فعل ثانی کو عمل دینے کی جو کیفیت ہم نے بیان کی یہ بصریین کے مذہب کے مطابق تھی آگے کوفیین کا مذہب ہے جس کو آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

واَمَّا اِنْ اَعملتَ الفِعلَ الاولَ علٰی مذهَبِ الکوفییِّنَ فانظر ان کَانَ الفِعلُ الثانی یقتضِی الفاعِلَ اَضمرتَ الفَاعِلَ فی الفِعل الثانی.

ترجمه و مطلب: اوربہرحال اگر کوفیین کے مذہب کے مطابق فعل اول کو عمل دیا جائے، تو فعل ثانی کی طرف یہ نظر کرو کہ وہ فاعل کا مقتضی ہے یا مفعول کا اگر وہ فاعل کا متقاضی ہے تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر لے آؤ، اسم ظاہر کے موافق کما تقول فی المتوافقین جیسا کہ دونوں فعل فاعل کو چاہیں تو آپ کہیں:

ضربنی واکرمنی زیدٌ وضربنی واکرمانی الزیدان وضربنی واکرمونی الزیدونَ وفی المتخالفین ضربتُ واکرمنی زیداً وضربتُ واکرمَانی الزیدَینِ وضربتُ واکرَمُونی الزیدینَ.

اور جب فعل اول مفعول کو اور ثانی فاعل کو چاہے تو آپ ایسے کہیں گے ضربت واکرمنی زیداً وضربتُ واکرمونی الزیدین وضربتُ واکرَمُونی الزیدینَ. ان امثلہ میں آپ بخوبی غور کر سکتے ہیں کہ جب فعل اول کو عمل دیا گیا تو ثانی فعل میں اسم ظاہر کے موافق ضمیر لے آئے۔

واِن کان الفعلُ الثانِی یقتضِی المفعُولَ ولم یکن الفِعْلانِ من اَفعالِ القُلوبِ جاز فیه الوجهان حَذف المفعُولِ والاضمارُ اور اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضا کرتا ہے تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں۔ احدهما حذف المفعُول ان میں سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ مفعول کو حذف کر دیا جائے، والإضمارُ اور دوسرے یہ کہ مفعول کی ضمیر لے آ ؤ اسم ظاہر کے موافق۔

والثانی هو المختارُ لیکونَ الملفوظُ مطابقاً لِلمُراد.

دفع تنازع کی مذکورہ دونوں صورتوں میں سے دوسری وجہ (ضمیر لانا مفعول کی) زیادہ بہتر ہے جیسے ضَربنی واکرمتُه زیدٌ اور مختار اس وجہ سے ہے تاکہ ضمیر کے لانے سے لفظ مراد کے مطابق ہو جائے چونکہ متکلم کا مقصود اپنے مکارم اخلاق کا اظہار ہے اس طور پر کہ مارا بھی مجھ کو زید نے اور اکرام بھی میں نے اسی کا کیا اور اگر ضمیر نہ لائی جائے تو فعل ثانی کے اس مفعول کا غیر کے ساتھ التباس لازم آتا ہے کہ کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ متکلم یہ کہہ رہا ہے کہ مجھ کو زید نے مارا اور میں نے اکرام کیا اب پتہ نہیں کہ اکرام زید ہی کا کیا یا بکر و خالد وغیرہ کا۔

نوٹ : فعل میں مفعول کی ضمیر لانے کی مختار ہونے کی وجہ تو سمجھ میں آ گئی مگر ساتھ ہی ساتھ اضمار قبل الذکر فی الفضلہ بھی تو لازم آ گیا جو کہ لایجوز۔

الجواب: اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا اس لیے کہ جب فعل اول کو عمل دیا گیا تو گویا کہ اسم ظاہر حکماً اس ضمیر پر مقدم ہو گیا ضمیر بعد میں آئی فلا اعتراض علیه۔

امّا الحذفُ فکما تقُول فی المتوافِقَین.

بہر حال مصنفؒ نے یہ فرمایا تھا کہ ثانی کے مفعول کو حذف بھی کر سکتے ہیں اور ضمیر بھی لا سکتے ہیں۔ اب تفصیل بیان فرماتے ہیں اس صورت کی کہ جب کہ دونوں فعل مفعول کو چاہتے ہوں تو حذف کی صورت میں امثلہ کا انداز یہ ہوگا جیسے:

ضَربتُ واکرمتُ زیداً وَضَربتُ واکرمُتُ الزیدَینِ وضَربتُ واکرمتُ الزیُدِین

وفى المتخالفَين.

اور جب کہ فعل اول فاعل کو اور ثانی مفعول کو چاہے تو یوں کہیں گے:

ضربنى واكرمتُ زيدٌ وضربنى واكرمتُ الزيدانِ وضربنى واكرمتُ الزيدونَ.

ان امثلہ میں اسم ظاہر کو فعل اول کا معمول بنا کر مرفوع پڑھا گیا اور دونوں صورتوں میں فعل ثانی کے مفعول کو حذف رکھا گیا۔

واما الاضمار.

اور اگر مفعول کی فعل ثانی میں ضمیر لائیں تو ایسے کہیں گے جب کہ دونوں مفعول کے متلاشی ہوں:

فكما تقول فى المتوافِقَين ضربت واكرمتُهُ زيدا.

وضربتُ واكرمتُهُما الزيدَين وضربت واكرمتُهُمُ الزيدينَ.

اور جب فعل اول فاعل کا تقاضا کرے اور ثانی مفعول کا تو آپ اس طرح کہیں گے:

ضربنى واكرمتُهُ زيدٌ وضربنى واكرمتُهُما الزيدان وضربنى واكرمتُهُمُ الزيدون.

وامّا اذا كانَ الفِعلان من افعال القُلوبِ فلا بُدّ من اظهارِ المفعُولِ كما تَقُول حَسِبَنى وحسبتُهُما منطلقينِ الزيدان مُنطلقاً وذلك لان حسبنى وحسِبتُهُما تنازعا فى منطلقاً واعملتَ الاول وَهو حسِبنى واظهرتَ المفعولَ فى الثانِى فان حذفتَ منطلِقَين وقلت حسبنى وحسبتهما الزيدان منطلِقاً يلزمُ الاقتِصارُ علٰى احدِ المفعُولَينِ فى افعالِ القلوبِ وهو غيرُ جائزٍ وان اضمرتَ فلا يخلو من ان تُضمر مفرداً وتَقول حَسِبنى و حسبتهُما اياه الزيدانِ منطلقاً وحينئذٍ لا يكون المفعُولُ الثانى مطابقاً للمفعول الاولِ وهو هما فى قولك حسبتهما اياهما الزيدان منطلقاً وحينئذٍ يلزمُ عودُ الضميرِ المثنى الى اللفظ المفرد وهو منطلقاً الذى وقع فيه التنازُعُ وهٰذا ايضاً لا يجوز.

ترجمہ و مطلب: اس سے ماقبل میں بیان تھا اس صورت کا جب کہ دونوں فعل افعال قلوب میں سے نہ ہوں اور اگر دونوں فعل افعال قلوب میں سے ہوں تو فعل ثانی کے مفعول کا اظہار واجب ہے۔ كما تَقُول حَسِبَنى وحسبتُهُما منطلقينِ الزيدان مُنطلقا.

آپ اوپر دی گئی مثال میں غور کریں کہ حسبتُھما فعل ثانی کے مفعول ثانی منطلقاً کو دفع تنازع کے لیے ظاہر کرنا ضروری ہوا، اور ضروری اس لیے ہوا کہ دونوں فعل یعنی حَسِبَنی و حسبتُھما تنازع کر رہے ہیں منطلقاً کے اندر و اعملتَ الاول وَھو حسِبنی اور آپ نے فعل اول کو عمل دے دیا اور زیدان کو حسبنی کا فاعل بنا دیا اور منطلقاً کو مفعول بنا دیا اور فعل ثانی کے لیے مفعول اول کی حسبتھما کے اندر ضمیر لے آئے اور مفعول ثانی منطلقین کو ظاہر کر دیا اور ظاہر اس لیے کیا کہ اگر آپ منطلقین مفعول ثانی کو حذف کر کے حَسِبَنی و حسبتُھما الزیدان مُنطلقا کہیں گے یلزمُ الاقتِصارُ علٰی احدِ المفعُولَینِ فی افعالِ القلوبِ تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک مفعول پر اقتصار کرنا لازم آئے گا وھو غیر جائز، اور یہ جائز نہیں عدم جواز کی وجہ پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آپس میں یہ مبتداء و خبر ہوتے ہیں۔

نوٹ: ابھی آپ نے بیان کیا کہ افعال قلوب کے مفعول کو حذف نہیں کر سکتے ہم آپ کو ابھی دکھا سکتے ہیں کہ مفعول محذوف ہے اور وہ بھی ایسے ویسے کلام میں نہیں بلکہ کلام الٰہی کے اندر چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ.

عبارت مذکور میں یَحْسَبَنَّ فعل اور الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ موصول صلہ اور متعلق وغیرہ سے مل کر فاعل ہوا یَحْسَبَنَّ کا اور خَیْرًا لَّھُمْ مفعول تو یہاں دیکھئے کہ صرف مفعول اوّل پر اقتصار کیا گیا مفعول ثانی محذوف ہے۔ الجواب: بات تو کچھ ایسی ہی ہے مگر یہاں یہ ممکن ہے کہ مفعول اول ھو خَیْرًا لَّھُمْ میں ھُوَ ہو جو راجع ہے البخل کی طرف جو یبخلون سے سمجھ میں آ رہا ہے اب عبارت ہوگی یَحْسَبَنَّ البخل ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ اب رہا یہ سوال کہ اگر ضمیر ہی لانی تھی تو ضمیر منصوب لاتے ہو ضمیر مرفوع کیوں لائے، الجواب: وجہ یہ ہے کہ ضمیر مرفوع کو منصوب کی جگہ لا سکتے ہیں جیسا کہ کلام الٰہی کے اندر اور بھی مقام پر استعمال ہوئی ہے جیسے اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔

وان اضمرتَ فلا یخلو من ان تُضمر مفرداً ماقبل میں مسئلہ یہ بیان کیا گیا کہ افعال قلوب کے مفعول ثانی کو حذف نہیں کر سکتے بلکہ اظہار کریں گے اب سوال یہ کہ اگر ضمیر لے آویں تو کیا خرابی ہے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ خرابی یہ ہے کہ اگر آپ ضمیر لائیں گے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو مفرد کی لاویں گے یا تثنیہ کی اگر ضمیر مفرد کی لا کر آپ یوں کہیں۔ حَسِبَنی و حسبتُھما ایاہ الزیدان مُنطلقًا تو خرابی یہ پیدا ہوگی کہ مفعول ثانی اور مفعول اول میں مطابقت نہیں رہتی چونکہ مفعول ثانی حسبتُھما کے اندر تثنیہ کی ضمیر ہے تو تطابق کی وجہ سے مفرد کی ضمیر لانا ناجائز ہے۔ او ان تضمر مثنی اور اگر آپ تثنیہ کی ضمیر لا کر یوں کہیں حَسِبَنی و حسبتُھما ایّاھُما الزیدان مُنطلقًا اس وقت خرابی یہ لازم آتی ہے کہ چونکہ تثنیہ کی ضمیر کا مرجع منطلقاً مفرد ہے اور اسی میں تنازع ہے تو ضمیر ا

میں مطابقت نہیں رہتی لہٰذا ضمیر تثنیہ کالانا بھی ناجائز۔

واذا لم یجزِ الحذفُ والاضمارُ کما عرفتَ وجب الاِظہارُ.

جب اوپر دی گئی تفصیل کے مطابق آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ حذف کرنا بھی ناجائز اور ضمیر لانا بھی ناجائز اب دفع تنازع کی صرف ایک ہی صورت باقی رہی اظہار لہٰذا مفعول ثانی کو ظاہر کرنا واجب ہوگا۔

مفعول ثانی کے لیے ضمیر نہ لانے کی ایک وجہ تو خود مصنفؒ نے کتاب میں بیان کر دی ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ ضمیر لانے کی صورت میں وہی فضلہ کے اندر اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں ہے مگر اس پر یہ سوال ہوگا کہ اگر اس ضمیر کو اسم ظاہر کے بعد لے آویں تو یہ اضمار قبل الذکر والی خرابی لازم نہ آئے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں دو مفعول جو کہ در حقیقت مبتداء وخبر ہیں ان کے درمیان فصل اجنبی لازم آتا ہے۔

وھٰذا ایضاً لا یجوزُ کما ذکرہُ فی کتابہٖ الشیخ الرضی واتبعہ شراح الکافیۃ أیضاً.

تمرین:

تنازع فعلان کا کیا مطلب ہے (۲) اس کی کتنی صورتیں ہوسکتی ہیں (۳) تنازع فعلان کے سلسلہ میں بصریین وکوفیین کا جو اختلاف ہے وہ جائز اور عدم جواز کے سلسلہ میں ہے یا اولی اور بہتر ہونے میں جو بھی صورت حال ہو بیان فرمایئے (۴) اگر فعل اول کو عمل دیں گے تو فعل ثانی میں دفع تنازع کی کیا شکل ہوگی اور اگر فعل ثانی کو عمل دیں گے تو اول فعل کا قضیہ کیسے حل ہوگا ساتھ ہی فریقین کے دلائل بھی بیان فرمایئے۔ (۵) امام فراء کا مصنفؒ کی بیان کردہ ترتیب کے لحاظ سے صورت اولیٰ وثانیہ میں کیا اختلاف ہے اور ان کی دلیل بھی بیان فرمایئے۔ امام کسائی کا اختلاف بھی بیان فرمائیں ساتھ ہی ان کی اس رائے کی کیا حیثیت ہے وہ بھی قلم بند فرمائیں۔ ذیل کے جملوں میں بتلایئے کہ کس فعل کو عمل دیا گیا اور مصنف کی بیان کردہ ترتیب کے اعتبار سے یہ کونسی صورت ہے:

عَلَّمَنِیْ وأَدَّبَنِیْ الاُسْتَاذُ عَلَّمُوْنِیْ، ووَبَّخَنِیْ الاسَاتِذَۃُ (استاذ نے مجھے تعلیم دی اور مجھے ڈانٹا بھی)

خَدَمَنِیْ وَشَجَّعْتُ زَیْدًا (اس نے میری خدمت کی اور میں نے زید کی حوصلہ افزائی کی)

شَجَّعَانِیْ وَخَدَمْتُ اُسْتَاذَیْن ظَلَمُوْنِیْ وعَفَوْتُ عَنِ الظَّالِمِیْنَ (انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور میں نے ظالمین کو معاف کیا) اَنْشَأْتُ وأَسْکَنْتُ الْبَلَد (میں نے شہر کی تعمیر کی اور میں نے ہی آباد کیا)

أَنْشَأْتُ و اَسْکَنْتُ البَلَدَیْن أَسَّسْتُ وخَدَمْتُ المَدارس (میں نے بنیاد رکھی اور میں نے ہی مدارس کی خدمت کی۔ غَذَوْتُ وغَدَرَبِی التِّلْمِیْذُ (میں نے غذا دی اور میرے ہی ساتھ طالب علم نے غدر کیا)

طَلَبْتُ وَ أَزْعَجَنِی التملیذان (میں نے بلایا اور مجھ ہی کو دو طلبہ نے پریشان کیا)

رَحِمْتُ وظَلَمَنِیْ المُؤَظِّفُوْنَ (میں نے رحم کھایا اور مجھ ہی پر ظلم کیا ملازمین نے۔

عَـلمنِیْ مُدِیْرًا وَعَلِمتُ زَیْدًا مُدِیْرًا (اس نے میرے مدیر ہونے کا یقین کرلیا اور میں نے زید کے مدیر ہونا کا یقین کرلیا)

ادَّبَنِیْ وَشَجَّعُوْنِیْ المُعَلِّمُوْنَ (اساتذہ نے مجھے ادب سکھایا اورانہوں نے ہی میری ہمت افزائی کی)

دَرَّسـتُ وَرَبَّیْـتُ الاطْـفَالَ. شَتَمَنِیْ وَاَکْرَمتُ الْمسافرونَ. نَصَرْتُ وشَجَّعُتُهُما الرجُلَینِ. عَـرضَ عَـلیَّ ورَفَضْتُه رجل (اُس نے مجھے پیشکش کی اور میں نے اسے مرفوض کردیا) وَجـدَنِیْ وَوَجَدْتُهُمْ صَادِقِیْنَ المَسْئُولُوْنَ صَادِقًا (مجھے سب ذمہ داروں نے سچا یقین کرلیا اور میں نے بھی سب کو سچا مان لیا)

فصلٌ مفعُول مالم یُسَمَّ فاعلُهٗ

حضرت مصنف علیہ الرحمۃ جب مرفوعات کی قسم اول سے فارغ ہو گئے، تو اب یہاں سے قسم دوم مفعول مالم یُسَمَّ فاعلُهٗ کو شروع فرماتے ہیں۔ مالم یُسَمَّ میں ما سے مراد لفظ ہے اور مالم یُسَمَّ لَمْ یُذکر کے معنی میں ہے اب مطلب ہوگا کہ مفعول اس لفظ کا کہ جس کا فاعل مذکور نہ ہو، ہم نے ما سے مراد لفظ اس لیے لیا تا کہ آگے آنے والی تعریف اسم صریحی کے ساتھ ساتھ اس فعل کو بھی شامل ہو جائے، جس کو حروف مصدر یہ بڑھا کر اسم کی تاویل میں کر لیا گیا ہو یا بغیر حرف مصدری ہی کے اسم مؤوّل مان لیا گیا ہو، اسم صریحی کی مثال جیسے ضرب زید اور اسم تاویلی بحرف مصدر یہ کی جیسے یُسْتَحْسَنُ ما قمتَ ای قیامک۔ ترجمہ: اچھا لگتا ہے تیرا کھڑا ہونا اور اسم مأول بغیر حرف مصدر کی مثال جیسے لایُبالی ام قُمتُ ام قعدت تیرے کھڑے ہونے یا بیٹھنے کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ یہاں یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ مفعول ما لم یسم فاعله علم ہے جو مرفوعات کی مستقل دوسری قسم کا نام ہے علم ہونے کی حیثیت سے اس کا ہرگز ترجمہ نہ کیا جائے گا ہاں علمیت سے قطع نظر کرتے ہوئے ترجمہ کر سکتے ہیں۔ اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے طلبہ کے فائدہ کے لیے ہم نے ترجمہ بیان کر دیا اور قدرے تفصیل بھی بیان کر دی ہے۔ اب بعدہ اس کی تعریف مصنف کی زبانی سن لیجئے۔

وهو كل مفعول حُذِفَ فاعله واُقِيم هُو مَقامَه نحو ضُرِبَ زيدٌ.

ترجمه و مطلب : مفعُول مالم یُسَمَّ فاعلُهٗ ہر وہ مفعول ہے کہ جس کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کے قائم مقام کر دیا ہو۔ قائم مقام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کی اسناد جو فاعل کی جانب کی جا رہی تھی اب وہ مفعول کی طرف کی جائے گی اور فاعل مرفوع ہو رہا تھا لہٰذا اس کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے یہ بھی مرفوع ہوگا، جیسے ضرب زید میں زید نائب فاعل بن گیا یہاں تعریف کے اندر دو باتیں خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں، اول یہ کہ فاعلہ کے اندر فاعل کی اضافت مفعول کی طرف جو کی گئی ہے، یہ درست نہیں اس لیے کہ فاعل فعل کا ہوتا ہے نہ کہ مفعول کا اس کا جواب یہ ہے کہ فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ادنی ملابست (تعلق) کی وجہ سے کی گئی ہے اور وہ ادنی تعلق یہ ہے کہ فاعل چونکہ اسی فعل کا ہوتا ہے جس سے مفعول متعلق ہے یعنی فاعل کا تعلق بھی فعل سے ہوتا ہے اور مفعول کا بھی فعل سے ہوتا ہے۔ تو دونوں فعل کے متعلق ہو کر سوتیلے بھائی بن گئے، پس اتنی سی بات ہے کہ فاعل کا تعلق فعل سے بطریق قیام ہوتا ہے اور مفعول کا بطریق وقوع اور یہ تعلق ادنیٰ یوں ہے کہ فاعل تو ہر فعل کا ہوتا

ہے مگر مفعول ہر فعل کا نہیں ہوتا تو اس ادنیٰ تعلق کی بناء پر فاعل کی اضافت مفعول کی طرف کر دی گئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ تعریف کے اندر اُقِیمَ فعل مجہول اور ضمیر ہو مستتر اس کا نائب فاعل اور مقامہ، مفعول فیہ۔
اب سوال یہ ہے کہ ہو ضمیر منفصل کو لانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ الجواب: اس ضمیر منفصل کو ضمیر مستتر کی تاکید کے لیے لائے دو باتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اول یہ کہ اگر ہو ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید نہ لائی جاتی تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ مقامہ اقیم کا نائب فاعل ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مفعول فیہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اقیم ضمیر مستتر کے مرجع میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ مرجع فاعل ہو دوم یہ کہ مفعول ہو اور دونوں ہی صورتوں میں خرابی ہے اول صورت میں یہ خرابی ہے کہ مطلب یہ ہوگا کہ قائم مقام کیا گیا ہو، اس فاعل کو اس فاعل کی جگہ میں اور یہ بدیہی البطلان ہے دوسری صورت میں مطلب تو غلط نہیں ہوتا مگر خرابی یہ ہے کہ مرجع ابعد ہو جائے گا جب کہ مرجع اقرب ہوا کرتا ہے۔ تو ہو ضمیر منفصل کو لا کر اس اعتراض کو قطع کر دیا وہ اس طور سے کہ ضمیر متصل کی تاکید جو ضمیر منفصل کے ساتھ لائی گئی ہے یہ خلاف قیاس ہے جب یہ ضمیر خلاف قیاس آئی تو مرجع بھی خلاف قیاس ابعد یعنی مفعول ہی کو مان لو جس سے کلام کے معنی بالکل درست ہو جائیں۔

وحکمُهٗ فی توحیدِ فعلِهٖ وتثنیته وجمعهٖ وتذکیره وتانیثهٖ علٰی قیاسِ ما عرفتَ فی الفاعلِ.

ترجمه ومطلب: اور مفعول مالم یسم فاعله کا حکم فعل کے واحد و تثنیہ و جمع لانے میں اور مذکر و مؤنث لانے میں اسی قاعدہ کے مطابق ہے جو آپ کو فاعل کے احکام میں معلوم ہو چکا۔

الختصر یہ کہ اگر مفعول مظہر ہو تو فعل مجہول کو واحد ہی لایا جائے گا، مفعول خواہ مثنیٰ ہو یا جمع جیسے ضُـرِبَ زیـدٌ ضَرِبَ الـزیـدان، ضُرب الزیدون اور اگر مضمر ہو تو واحد کے لیے واحد تثنیہ کے لیے تثنیہ جمع کے لیے جمع جیسے زیـدٌ ضُرِبَ، الزیدان ضُرِبَا، الزَّیدُون ضُرِبُوا اور اگر مؤنث حقیقی ہو اور فعل فاعل کے درمیان فاصلہ بھی نہ ہو تو فعل کو واحد مؤنث لایا جائے گا جیسے ضُـرِبَت هِندٌ وضُرِبَتُ هِندَانِ، وضُرِبَت هِندَاتٌ اور اگر فاصلہ ہو تو تذکیر و تانیث میں اختیار رہے گا، جیسے ضُرِبَت الیوم هندٌ وضرب الیوم هندٌ اور یہی حال اختیاری در تذکیر و تانیث مؤنث غیر حقیقی میں ہے جیسے اذا الشمسُ کُوِّرَت۔

فائده جلیلة: فاعل کو حذف کر کے مفعول کو جو اس کا نائب بنا دیا جاتا ہے تو آخر اس کی کیا وجوہات ہیں سو اس سلسلے میں تفصیلی حال تو فن معانی میں ہی معلوم ہوگا تاہم مختصر طور پر چند وجوہات ہم درج کرتے ہیں۔

(۱) کبھی حذف فاعل ہوتا ہے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سرِق المَتَاعُ (سامان) چوری ہوگیا۔

(۲) مفعول کے کمینہ پن کو ظاہر کرنے کے لیے جیسے شُتِمَ الخلیفة (شُتِم گالی دیا گیا)۔

(۳) ابہام پیدا کرنے کے لیے جیسے ضُرِبَ زَیْدٌ۔

(۴) اختصار کے لیے جیسے اُقِیمَتِ الصَّلٰوۃ۔

(۵) مخاطب کو اس کا علم ہونے کی وجہ سے جیسے اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْر۔

(۶) مسندالیہ بڑا آدمی ہے اس کی تعظیم کی وجہ سے جیسے قُطِعَ اللِّصُّ یہاں فاعل امیر ہے۔

(۷) مسندالیہ ذلیل آدمی ہے اس کی حقارت کی وجہ سے جیسے ظُلِم موسٰی یہاں فاعل فرعون ہے جو کمینہ ہے۔

(۸) وزنِ قافیہ کی وجہ سے جیسے ومَا المال والاَھل اِلَّا وَدائع، ولا بُدَّ یوماً اَنْ یُرَدَّ الودائع

ترجمہ: مال اور اہل سب امانت ہیں اور امانت کو ایک دن ضرور لوٹا دیا جائے گا تو یہاں ودائع ثانی وزن قافیہ کی وجہ سے نائب فاعل بنایا گیا۔

(۹) رعایت سجع کی وجہ سے جیسے وَمَا لاحَدٍ عندہٗ مِنْ نِعمَۃٍ تُجزیٰ۔

(۱۰) تاکہ بوقت ضرورت انکار کر سکے، قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جیسے قُتِلَ زیدٌ اور مراد قاتل سے مثلاً واجد ہے اگر وہ کچھ کہے تو کہہ دے کہ مراد اور ہے۔

فصل المبتدأ والخَبَرُهما اسمان مجردان عنِ العوامِلِ اللفظیۃِ احدُھما مُسندٌ اِلیہ ویُسمّی المبتَدَأ والثانی مُسندٌ به ویسمّی الخبرَ نحو زیدٌ قائم والعامِلُ فیھما معنویٌ وھو الابتِداءُ واصل المبتدأ ان یکونَ معرفۃً واصلُ الخبر ان یکونَ نکرۃً والنکرۃُ اذا وُصِفَت جاز ان تَقعَ مُبتدأ نحو قوله تعالیٰ ولعبدٌ مُّومِنٌ خیرٌ مِّن مشرکٍ وکذا اذا تُخُصِّصَتُ بوجہٍ آخر نحو اَرجُلٌ فی الدارِ ام امرأۃٌ وما احدٌ خیر منکَ وشرٌّا ھرّذا نابٍ وفی الدارِ رجلٌ وسلامٌ علیکَ وِان کان احد الإسمین معرفۃً والآخرُ نکرۃً فاجعِلِ المعرفۃ مبتدأ والنکرۃَ خبراً البتۃ کما مرَّ وِان کان معرفتین فاجعَلُ ایُّھما شئتَ مبتدأ والآخَرَ خبراً نحو اللہ الٰھُنا ومُحَمَّدٌ نبیُّنا وآدمُ ابونا وقد یکون الخبرُ جملۃً اسمیَّۃً نحو زیدٌ ابوہٗ قائمٌ او فَعلیَّۃ نحو زیدٌ قامَ ابوہُ او شرطیَّۃً نحو زیدٌ اِن جاءَ نی فاکرِمتُہٗ او ظرفیَّۃً نحو زیدٌ خلفکَ وعمرٌ وفی الدار والظرفُ متعلق بجملۃٍ عند الاکثر وھی استقر مثلاً تقول زَیْدٌ فی الدارِ تقدیرہٗ زیدُ استقرّ فی الدار.

ترجمہ: یہ فصل ہے مبتداء و خبر کے بیان میں: وہ دونوں وہ اسم ہیں جو خالی ہوں عوامل لفظیہ سے ان میں سے ایک مسندالیہ ہے اور اس کا نام مبتداء ہے اور دوسرا مسند ہے اور اس کا نام خبر ہے جیسے زَیدٌ قَائِمٌ اور ان دونوں

میں عامل معنوی ہے اور وہ ابتداء ہے اور مبتداء کی اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو اور خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اور جب نکرہ کی صفت بیان کردی جائے تو جائز ہے کہ وہ مبتداء واقع ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول، وَلَعَبْدٌ مُّؤمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُشْرِكٍ (مؤمن غلام بہتر ہے مشرک سے) اور ایسے ہی جب کسی دوسرے طریقہ سے تخصیص پیدا کردی گئی ہو جیسے اَرَجُلٌ فی الدَّار امْ اِمْرَأَة اور مَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِّنْكَ وشَرٌّ أَهرَّ ذَانَاب (شرہی نے بھڑکایا کتے کو) وفِی الدَّارِ رَجُلٌ وسَلامٌ عَلَيْكَ اور اگر دو اسموں میں سے ایک معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ ہو تو معرفہ کو مبتداء بنا دیجئے اور نکرہ کو خبر یقینی طور پر جیسا کہ اس کی مثال گزر گئی اور اگر دونوں معرفہ ہوں تو ان میں سے جس کو چاہے مبتداء بنا دو، اور دوسرے کو خبر جیسے اللّٰهُ إلٰهُنَا وَمُحمّدٌ نَبِيُّنَا وآدَمُ أَبُونَا اور خبر کبھی جملہ اسمیہ ہوتی ہے جیسے زَيدٌ أبُوهُ قَائمٌ اور کبھی جملہ فعلیہ جیسے زيدٌ قامَ أبُوهُ یا شرطیہ ہو جیسے زيد إن جَاءَنِی فَاكْرَمْتُه یا ظرفیہ ہو جیسے زيدٌ خَلفَكَ وعمرٌ وفِی الدَّار اور ظرف جملہ کے متعلق ہوتا ہے اکثر کے نزدیک اور وہ اسْتَقَرَّ ہے مثلاً تو کہے زيد فی الدار اس کی تقدیر ہے زيد ن استقر فِی الدَّار۔

توضیح: جب مصنفؒ مرفوعات کی دوسری قسم سے فارغ ہو گئے اب تیسری فصل میں تیسری و چوتھی قسم مبتداء وخبر کو بیان کرتے ہیں ان دونوں کو ایک ہی فصل میں بیان فرمائیں گے چونکہ یہ آپس میں لازم وملزوم ہیں، اس حیثیت سے کہ جب بھی ان میں سے ایک کو ذکر کیا جائے گا تو دوسرے کو بھی ساتھ ہی ساتھ بیان کیا جائے گا۔ (۲) نیز چونکہ یہ دونوں عامل معنوی ہونے میں بھی ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

بہرحال ان دونوں کی تعریف یہ بیان کی گئی کہ مبتداء وخبر وہ دونوں اسم ہیں جو خالی ہوں عوامل لفظیہ سے ان میں سے ایک مسند الیہ ہے اور اس کا نام رکھا جاتا ہے مبتداء اور دوسرا مسند ہے اس کا نام رکھا جاتا ہے خبر جیسے زید قائم کہ ان میں زید مبتداء ہے اور مسند الیہ ہے اور قائم خبر ہے اور مسند ہے اور دونوں عوامل لفظیہ سے خالی ہیں، مصنفؒ کی اس تعریف پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے کہ اسم سے مراد مصنف کی عام ہے خواہ وہ اسم حقیقی ہو یا اسم تاویلی اسم حقیقی جیسے زيد قائمٌ میں زید اور اسم تاویلی جیسے أنْ تَصُومُوا خَيرٌ لَّكُمْ اور اَنْ تَصَدَّقُوا خَيرٌ لَّكم ان دونوں مثالوں میں تَصُومُوا وَتَصَدَّقُوا ان مصدریہ کی وجہ سے دونوں فعل اسم تاویلی بن گئے، اس لیے یہ مبتداء اور ان کا مابعد خبر ہے۔ مُجَرَّدَانِ کی قید سے احتراز ہو گیا، افعال ناقصہ کے اسماء اور حروف مشبہ بالفعل کی خبروں سے پھر تجرید سے مراد بھی عام ہے کہ خواہ تجرید لفظی ہو یا تجرید معنوی یا یوں تعبیر کرلیجئے کہ تجرید کی دو قسمیں ہیں ایک لفظی دوسرے معنوی تجرید لفظی اس کو کہتے ہیں کہ جو صرف لفظ میں مؤثر ہو مگر معنی میں مؤثر نہ ہو جیسے بِحَسْبِكَ درهم کہ اس مثال میں باء لفظاً تو مؤثر ہے یعنی مابعد کو مجرور کررہا ہے۔ مگر معنیً مؤثر نہیں کیونکہ باء زائدہ ہے اس تعمیم کے لحاظ سے بحسبك درهم مبتداء کی تعریف میں داخل رہے گا۔

تجرید معنوی اس کو کہتے ہیں جو لفظی کے برعکس ہو۔

نوٹ: یہاں سے یہ سوال ہے کہ مجرد تجرید سے ماخوذ ہے اور تجرید کے معنی خالی کرنے کے ہیں اور کسی چیز سے خالی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس سے خالی کیا جائے وہ اس میں پہلے سے موجود بھی ہو، لہٰذا معلوم ہوا کہ مبتداء میں پہلے سے عامل لفظی تھا جس سے اس کو خالی کیا گیا حالانکہ مبتداء پر پہلے ہی سے عامل لفظی نہیں ہے۔

الجواب: المجرد الذی لم یوجد کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ مبتداء وہ اسم ہے جس میں قطعاً عامل لفظی نہ پایا گیا ہو۔

والعامِلُ فیهما معنویٌ وهو الابتِداءُ.

یہاں سے مصنفؒ اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ مبتداء اور خبر کے اندر عامل معنوی ابتداء ہے۔

نوٹ: نحاۃ کا مبتداء وخبر کے عامل کے بارے میں اختلاف ہے حضرات بصریین کا مذہب تو یہی ہے جس کو صاحب کتاب نے اختیار کیا یعنی ابتداء اور ابتداء کا مطلب ہے اسم کا عوامل لفظیہ سے خالی ہونا تاکہ اسناد کی جائے، اس کی کسی چیز کی طرف یا کسی چیز کی اس کی طرف مذہب دوم یہ ہے کہ ابتداء عامل ہے مبتداء میں اور مبتداء خبر میں اس قول کی بناء پر مبتداء کا عامل تو معنوی ہی ہوگا اور خبر کا لفظی ہوگا اور وہ مبتداء ہے۔

مذہب سوم: یہ ہے کہ مبتداء وخبر میں سے ہر ایک دوسرے میں عامل ہیں اس قول کی بنیاد پر دونوں عوامل لفظی سے خالی ہوں گے بلکہ عامل دونوں کا لفظی ہوگا مگر ساتھ ہی ساتھ اس قول پر تقدیم الشیٔ علی نفسہ بھی لازم آئے گی (شیٔ اپنی ہی ذات پر مقدم ہو) اس لیے کہ عامل کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے معمول پر مقدم ہو اب جب کہ مبتداء عامل ہوگی خبر میں تو مبتداء مقدم ہوگی خبر پر اور وہ چیز مقدم ہے خود اس پر تو گویا کہ وہ چیز اپنی ہی ذات پر مقدم ہوئی اسی کا نام تقدیم الشیٔ علی نفسہ ہے اور اسی کو کہتے ہیں دور اور یہ ناجائز ہے اس لیے اس قول کی بنیاد باطل پر ٹھہری۔

واصل المبتدأ ان یکونَ معرفةً.

یہاں سے اس مسئلہ کو شروع فرماتے ہیں کہ مبتداء کے لیے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو چونکہ مبتداء محکوم علیہ ہوتی ہے اور حکم کسی چیز پر جب ہی لگتا ہے جب کہ وہ جانی پہچانی ہو اس لیے مبتداء کے لیے معرفہ ہونا ضروری ہے اور لفظ اصل سے اس طرح بھی اشارہ ہو گیا کہ مبتداء کبھی کبھی نکرہ بھی ہوتی ہے کما سیأتی وأصل الخبر أن یکون نکرة اور خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔

والنکرةُ اذا وُصِفَت جاز ان تَقَعَ مُبتدأ.

اور نکرہ جب کہ اس کی کسی چیز کے ساتھ صفت لائی جائے تو اس کا مبتداء واقع ہونا جائز ہے کیونکہ صفت کے ذریعہ سے اس میں تخصیص پیدا ہو جائے گی اور تخصیص کہتے ہیں قلت اشتراک کو اور قلت اشتراک سے نکرہ معرفہ کے

ترکیب ہوجاتا ہے اس لیے نکرہ کا مبتداء واقع ہونا صحیح ہے۔ نحو قوله تعالیٰ ولعبدٌ مُّومِنٌ خيرٌ مِّن مشركٍ تو اللہ کے اس فرمان میں دیکھئے کہ عبد نکرہ تھا صفت کے ذریعہ سے خاص ہوگیا چونکہ عبد صفت سے قبل مؤمن وکافر سب کو شامل تھا مؤمن کی قید سے خاص ہوگیا۔

نوٹ: تصغیر بھی بمنزلہ اُس اسم کے ہے جس کی صفت لائی گئی ہو، جیسے رُجَيْل قاعد گویا کہ یوں کہا گیا کہ رجيل حقير قاعد لہٰذا تصغیر کا بھی مبتداء واقع ہونا صحیح ہے۔ وكذا اذا تُخُصِّصَتْ بوجہ آخر مطلب عبارت کا یہ ہے کہ جیسے نکرہ صفت کے ذریعہ سے خاص ہوکر مبتداء واقع ہوجاتا ہے ایسے ہی نکرہ وصف کے علاوہ کسی اور طریقہ سے خاص ہوکر مبتداء واقع ہوجاتا ہے اور وہ طریقے جن کے ذریعہ خاص ہوجاتا ہے پانچ ہیں جن کو مصنف بیان فرمارہے ہیں۔

(۱) اَرَجُلٌ فی الدارِ ام امرأةٌ.

اس مثال میں رجل مبتداء واقع ہورہا ہے کیونکہ متکلم کے اس کلام سے معلوم ہورہا ہے کہ وہ رجل اور امرأة میں سے لاعلی التعیین گھر میں کسی ایک کے ہونے کو جانتا ہے مخاطب سے صرف اس کی تعیین کا سوال کررہا ہے تو اس صورت میں چونکہ متکلم کو کچھ نہ کچھ معلوم ہے اس وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی، لہٰذا رجل کو مبتداء بنانا صحیح ہوگیا، اور امرأة کو رجل پر معطوف ہونے کی وجہ سے مبتداء بنادیا گیا اور فی الدار کو رجل کی خبر۔

نوٹ: بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ كوكب انقض الساعة کو اہل عرب استعمال کرتے ہیں یہاں اہل عرب نے کوکب کو مبتداء مانا ہے جب کہ وجوہ تخصیص میں سے جو وجہ آپ نے اوپر بیان کی ہے اس میں نہیں پائی جاتی پھر بھی یہ مبتداء واقع ہورہا ہے، اس کا جواب ان حضرات نے یہ دیا ہے کہ اصل عبارت ہے كوكب عظيم انقضّ الساعة تو صفت عظیم کو حذف کردیا، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو حکم مطول کا ہوتا ہے وہی مختصر کا بھی ہوتا ہے، لہٰذا جیسے كوكب عظيم کو مبتداء بنانا صحیح ہے ایسے ہی كوكب انقض الساعة میں بھی کوکب کو مبتداء بنانا صحیح ہے۔ كوكب انقض الساعة کے معنی آتے ہیں کہ ستارہ ابھی ٹوٹا ہے۔

فائدہ: اسی مثال سے اعتراض ہونے کی وجہ سے محشی کتاب المختصر نے یہ بات کہی ہے کہ علامہ ابن برہان اور شیخ رضی نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے کہ اگر مخاطب پہلے سے نسبت سے ناواقف ہے تو مخبر عنہ خواہ معرفہ ہو یا نکرہ ان کی خبر دینا صحیح ہوجائے گا، جیسے اسی مثال میں پہلے سے مثلاً مخاطب کو ستارہ کے ٹوٹنے کا علم نہیں تھا، پھر جب یہ خبر دی گئی تو کوکب کو مبتداء بنانا صحیح ہوگیا۔

وما أحد حيرٌ منك: اس مثال میں أحد نکرہ مبتداء واقع ہورہا ہے کیونکہ اس میں تخصیص پیدا ہوگئی اس طور پر کہ یہ مائے نافیہ کے بعد واقع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ جب تحت النفی واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی

حکم تمام افراد کو شامل ہوتا ہے اور عام مِنْ حیث العام متعین ہوتا ہے اس میں تمام افراد کا مجموعہ امر واحد ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ امر واحد متعین ہوتا ہے اس میں ابہام نہیں رہتا اس لیے اس کا مبتداء بننا صحیح ہے مگر ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ یہ فلسفہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے عموم سے تخصیص پیدا ہو جاتی ہے چونکہ عام اور خاص میں تو تضاد ہے تو اس کو آپ اس طرح سمجھیں کہ تخصیص کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ کہ جس کا اطلاق فردِ واحد پر ہوتا ہے یہ تخصیص تو عموم کی ضد ہے اور ایک قسم یہ ہے کہ محکوم علیہ کے اندر جتنے احتمالات ہیں سب کو منقطع کر دینا یا ان میں قلت پیدا کر دینا تو اس اعتبار سے کہ جب جمیع احتمالات منقطع ہو گئے تو یہ بات متعین ہو گئی کہ محکوم علیہ ہر فرد ہے۔ اس لحاظ سے اَحَد کا مبتداء بننا صحیح ہے۔

وشَرٌّ أهرَّ ذَانَاب اس میں تخصیص پیدا ہوئی ہے اس طرح کہ اس کو فاعل کے ساتھ مشابہت حاصل ہے یعنی جس طرح فعل کے ذکر کرنے کے بعد یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس کے بعد جو ذکر کیا جائے گا اسی کے اندر اس فعل کے صادر ہونے کی صلاحیت ہے دوسرے کے اندر نہیں، اسی چیز کا نام تخصیص ہے تو یہاں اس مثال کے اندر بھی اسی جیسی تخصیص ہے چونکہ شَرٌّ أهرَّ ذَانَاب کے معنی بھی وہی ہے جو ما أهرَّ ذَانَاب الا شَرٌّ کے ہیں۔ اور ما أهرُّ ذَانَاب الا شَرٌّ میں تخصیص ہے تو اس میں بھی تخصیص ہو گی، اب رہی یہ بات کہ ما أهرَّ ذَانَاب الا شَرٌّ میں تو تخصیص ما اور الا کی وجہ سے ہے اور ان سے تخصیص کے معنی کا حاصل ہونا ظاہر ہے اور شَرٌّ أهرَّ ذَانَاب الا کے اندر ما ہے اور نہ الا تو تخصیص کیسے حاصل ہو گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ شَرَّ أهرُّ ذَانَاب اصل میں أهرَّ شَرٌّ ذَانَاب تھا اور شرٌّ بدل ہے اهرَّ کی ضمیر هُوَ فاعل سے اور بدل فاعل حکمی ہوتا ہے جب کہ مبدل منہ فاعل ہو اور فاعل کا درجہ فعل کے بعد ہوتا ہے اور جب آپ نے اس کو فعل پر مقدم کر دیا تو التقدیم ما حقہ التاخیر کا قاعدہ پایا گیا، جس سے تخصیص پیدا ہو گئی۔ یہ تقریر تو اس صورت میں ہے جب کہ کتے کا بھونکنا معتاد طریقہ پر ہو چونکہ کتے کا بھونکنا دو طریقہ پر ہوتا ہے کبھی معتاد اور کبھی غیر معتاد جب معتاد (عادۃ) طور پر بھونکتا ہے تو اس صورت میں اس کے بھونکنے کا سبب کبھی خیر ہوتا ہے جب کہ وہ اپنے جانے پہچانے شخص کو دیکھ کر بھونکے اور کبھی بھونکنے کا سبب شر ہوتا ہے جب کہ وہ کسی اجنبی شخص کو دیکھ کر بھونکے تو اس وقت میں ظاہر ہے کہ ایک کا اثبات ہو گا یا تو شر کا یا خیر کا، اور دوسرے کی نفی ہو گی اسی کو تخصیص کہتے ہیں، اور کتا غیر معتاد آواز سے بھونکے تو اس کا سبب صرف شر ہوتا ہے لہٰذا اس صورت میں ایک کا اثبات اور اس کے غیر کی نفی نہیں ہو سکتی، کیونکہ شر کے علاوہ خیر کا احتمال ہے ہی نہیں تو پھر خیر کی نفی کیسے کی جا سکتی ہے تو پھر اس میں تخصیص بھی نہیں ہو گی، جس سے اس کا مبتداء واقع ہونا بھی صحیح نہیں ہو گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص پیدا ہوئی ہے۔

صفت مقدرہ کی وجہ سے اور وہ صفت ہے عظیم اصل عبارت ہو گی شَرٌّ عظیمٌ أهرَّ ذَانَاب اور اس صفت

تقدرہ پر قرینہ شـرٌّ کی تنوین ہے جو کہ تعظیم کے لیے ہے اب ترجمہ ہوگا بڑے شر نے بھڑ کایا کتے کو۔ یہ مثل اس وقت بولی جاتی ہے جب کہ کسی طاقتور مرد کو کسی حادثہ میں عجز و ناتوانی لاحق ہو جائے یعنی وہ حادثہ اس طاقتور مرد کو عاجز کردے تو یہاں ذاناب سے تو قوی کی طرف اشارہ ہے اور شر سے ضعف و کمزوری کی طرف۔

تحقیق : ناب کے معنی کچلی ذانـاب کچلی والا اور کچلی والے دانت ہوتے ہیں کتے کے اس لیے ذاناب سے مراد کتا ہے۔اہر باب افعال سے ہے بمعنی بھونکنا، بھڑکانا۔

وفی الدارِ رجلٌ– اس مثال میں رجُلٌ نکرہ میں تخصیص پیدا ہوئی ہے فی الدار خبر کو مقدم کرنے کی وجہ سے کیونکہ قاعدہ ہے کہ التـقـديـم ما حقه التاخر يُفيد الحصر والتخصيص یعنی کہ جس کا حق مؤخر ہونے کا ہو، اگر اس کو مقدم کر دیا جائے تو اس میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے، اب مثال مذکور میں دیکھئے کہ جب متکلم نے فـی الـدار خبر کو مقدم کر دیا تو مخاطب کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ اس کے بعد جو چیز ذکر کی جائے گی وہ دار (گھر) میں صفت استقرار کے ساتھ متصف ہوگی پھر اس کے بعد جب رجـــل کہا تو یہ اس جملہ کی قوت میں ہوگیا رجلٌ موصوف بـصـحة استقراره فی الدار تو اس کا درجہ تخصیص بالصفۃ جیسا ہوگیا، یعنی جس طرح صفت کی وجہ سے تخصیص ہوتی ہے اس میں بھی اسی طرح تخصیص ہے۔اور یہ یادرہے کہ خبر کو مقدم کرنے کی صورت میں وہ صرف ظرف کی صورت میں ورنہ تو تخصیص واقع نہ ہوگی۔

وسلامٌ علیکَ– سلامٌ جو نکرہ میں تخصیص آئی ہے اس کی متکلم کی جانب نسبت کر دینے کی وجہ سے اس لیے کہ اس کی اصل سلمت سلاماً عليك تھی فعل سلمت کو حذف کر کے سلاماً کو استمرار و دوام کے قصد سے رفع کی طرف معدول کیا، اس لیے کہ یہ جملہ دعائیہ ہے اور جملہ دعائیہ کے لیے دوام ہی بہتر ہے، تو گویا کہ کہنے والے نے یوں کہا کہ سلامی ای سلامٌ من قبلی علیك۔

وإن كان احد الاسمين معرفةً والآخرُ نكرةً– اور اگر دو اسموں میں سے ایک اسم معرفہ ہو اور دوسرا نکرہ ہو تو معرفہ کو مبتداء بنادو، لازمی طور سے نہ کہ نکرہ کو اس لیے کہ یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ نکرہ مبتداء واقع نہیں ہوا کرتا، اور دوسرا اسم جو نکرہ ہے اس کو خبر بنادو، جیسے زیـدٌ قـائم، وإن كانا معرفتين فاجعَلْ ايُّهما شئتَ مبتدأ والآخـرَ خبـراً اور اگر دونوں اسم معرفہ ہوں تو دونوں میں سے جس کو مقدم کرو گے وہ مبتداء ہو جائے گا، اور جس کو مؤخر کرو گے وہ خبر ہو جائے گا جیسے الله الهُـنـا ومُـحـمَّدٌ نبيُّنا وآدمُ ابونا ان تینوں امثلہ میں دونوں اسم معرفہ ہیں اب ان میں سے جس کو مقدم کر دیں گے مبتداء بن جائیں گے اور جس کو مؤخر وہ خبر ہو جائیں گے۔

فـائـده: اس صورت میں یہ یادرہے کہ اگر قرینہ نہ ہو تو مبتداء کا خبر پر مقدم ہونا واجب ہو جائے گا کیونکہ اگر مؤخر کیا تو التباس لازم آئے گا ہاں اگر قرینہ ہو تو مقدم کرنا واجب نہیں ہے جیسے ابوحنیفہ ابو یوسف تو اس مثال میں

ابو یوسف مبتداء ہے اور ابو حنیفہ خبر ہے، اس لیے کہ مثال سے مقصود ابو یوسفؒ کو ابو حنیفہ سے تشبیہ دینا ہے، نہ کہ ابو حنیفہ کو ابو یوسف سے چونکہ متکلم کا مقصود یہ ہے کہ ابو یوسف تو بالکل ابو حنیفہ کی طرح ہیں علم و فضل میں۔

وقد یکون الخبرُ جملةً اور خبر کبھی جملہ بھی واقع ہوتی ہے لفظ قد کو داخل کر کے مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اصل خبر میں یہی ہے کہ وہ مفرد ہو۔ اس لیے کہ مفرد کلام کے دو جزؤں میں سے ایک ہے نیز مفرد ربط کو جلدی قبول کر لیتا ہے برخلاف جملہ کے کہ اس میں ربط کے لیے ضمیر وغیرہ کا ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ مرکب تام نہ ہو اس اعتبار سے حیوان ناطق اور غلام رجل اور ضاربان و ضاربون مفرد ہی کے اندر داخل رہیں گے۔

اسمیَّةً یہاں سے خبر جب کہ جملہ ہو اس کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں کہ کبھی وہ خبر جملہ اسمیہ ہوتی ہے اور جملہ اسمیہ کہتے ہیں کہ جس کا جزء اول اسم ہو جیسے زید ابوہ قائم کہ اس میں زید مبتداء اور ابوہ مبتداء ثانی اور قائم مبتداء ثانی کی خبر۔ پھر یہ جملہ اسمیہ خبر مبتداء اول کی۔

او فعلیَّة یا خبر جملہ فعلیہ ہو اور جملہ فعلیہ کہتے ہیں کہ جس کا جزء اول فعل ہو جیسے زید قائم ابوہ اس میں زید مبتداء اور قام فعل ابوہ فاعل جملہ فعلیہ خبر مبتداء کی او شرطیَّةً یا جملہ شرطیہ ہو جیسے زیدٌ اِن جاءَ نی فاکرمتهُ زید مبتداء اور ان جاء نی شرط فاکرمته جزاء جملہ شرطیہ خبر زید مبتداء کی۔

فائدہ: جملہ شرطیہ کے خبر ہونے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ شرط اور جزاء دونوں خبر ہیں بعض کہتے ہیں کہ صرف شرط خبر ہے، بعض کہتے ہیں کہ صرف جزاء خبر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جملہ شرطیہ کا خبر بننا ہی صحیح نہیں جیسا کہ امر و نہی خبر نہیں ہو سکتے چونکہ وہ از قبیل انشاء ہوتے ہیں ایسے ہی یہ بھی خبر نہیں بن سکتے ہیں۔ او ظرفیَّةً یا خبر جملہ ظرفیہ ہو پھر ظرف خواہ زمان ہو یا مکان یا قائم مقام ظرف ہووے جیسے جار مجرور مگر یہ بات یاد رہے کہ تمام حروف جارہ قائم مقام ظرف نہیں ہوتے بلکہ چند ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) من (۲) الیٰ (۳) فی (۴) لام (۵) با (۶) کاف (۷) عن (۸) علیٰ۔

نحو زیدٌ خلفکَ وعمرٌ وفی الدار – اول مثال ظرف کی ہے اور دوسری مثال قائم مقام ظرف یعنی جار مجرور کی ہے۔

فائدہ: ظرف مکان ذات اور معنی دونوں کی خبر واقع ہو جاتا ہے جیسے زید عندك اور القتال عندك اور ظرف زمان صرف معنی کی خبر ہو سکتا ہے اسم ذات کی نہیں جیسے القتال یوم الجمعة کہہ سکتے ہیں البتہ زید یوم الجمعة نہیں کہہ سکتے چونکہ ظرف زمان کا ذات پر حمل صحیح نہیں ہوتا۔

والظرفُ متعلق بجملةٍ عند الاکثر – یہاں سے ایک اختلافی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ ظرف

جار مجرور کی طرح ہمیشہ کسی نہ کسی کے متعلق ہوتے ہیں اب اختلاف اس میں ہے کہ یہ جملہ کے متعلق ہوں گے یا مفرد کے یہ بھی یاد رہے کہ جملہ سے مراد فعل ہے اس لیے کہ فعل فاعل سے مل کر جملہ ہی ہوتا ہے اور مفرد سے مراد اسم فاعل ہے، اس لیے کہ اسم فاعل اصل وضع کے اعتبار سے فاعل کا تقاضہ نہیں کرتا بلکہ عارض کے سبب سے فاعلیت کا مقتضی ہوتا ہے اور وہ عارض فعل کے ساتھ مشابہت ہے اس وجہ سے اس کو شبہ فعل بھی کہتے ہیں۔ بہر حال اکثر نحاۃ کے نزدیک ظروف ہمیشہ جملہ یعنی فعل کے متعلق ہوتے ہیں، فعل خواہ مذکور ہو یا مقدر، اگر فعل مقدر ہو تو اکثر افعال عامہ میں سے ہوتا ہے اور افعال عامہ کون ثبوت وجود حصول کو کہتے ہیں، اور افعال خاصہ میں سے بھی فعل کو مقدر مان سکتے ہیں، جب کہ فعل خاص پر قرینہ موجود ہو۔

فائدہ : ظروف جب فعل مذکور سے متعلق ہوں تو ظرف لغو نام رکھا جاتا ہے اور وجہ ظرف لغو نام رکھنے کی یہ ہے کہ جب یہ فعل مذکور سے متعلق ہوئے تو عمل چونکہ عامل فعل کا ہوگا نہ کہ ظروف کا تو یہ عمل سے لغو ہو گئے، اسی وجہ سے ان کو ظرف لغو کہتے ہیں جب یہ فعل مقدر سے متعلق ہوتے ہیں تو ان کا نام ہوتا ہے ظرف مستقر (بفتح القاف) اور وجہ ظرف مستقر نام رکھنے کی یہ ہے کہ جب عامل حذف ہو گیا تو اس کی ضمیر ظرف کی طرف منتقل ہو گئی، تو ضمیر کے ظرف میں ھونے کی وجہ سے مستقر نام رکھ دیا وہی استقر مثلاً مصنف فرماتے ہیں کہ وہ فعل جو مقدر مانیں گے وہ استقر وغیرہ ہوگا جیسے آپ کہیں زید فی الدار تو اس کلام کی تقدیری عبارت ہوگی زیدن استقر فی الدار، اس عبارت میں آپ غور کیجئے کہ اکثر نحاۃ نے فعل کو مقدر مانا ہے اب رہی یہ بات کہ یہ حضرات فعل کو کیوں مقدر مانتے ہیں، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ظروف کے لیے متعلق (بالفتح) کا ہونا ضروری ہے، جو ان ظروف میں عمل کرے، اور آپ جانتے ہیں کہ عمل میں اصل فعل ہی ہے تو جب عامل کا مقدر ماننا ہی ضروری ٹھہرا تو اصل یعنی فعل ہی کو مقدر ماننا چاہئے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب فعل کے متعلق مانیں گے تو وہ جملہ ہو جائے گا برخلاف اس صورت کے جب آپ اسم فاعل مقدر مانیں گے تو وہ مفرد ہو جائے گا، اور یہ ہماری بحث سے خارج ہے چونکہ بحث چل رہی ہے خبر کے جملہ ہونے کی نہ کہ خبر کے مفرد ہونے کی، اس مسئلہ میں عندالاکثر سے جو دوسرا مسلک اقل کا سمجھ میں آ رہا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے کہ ظروف اسم فاعل یعنی مقدر کے متعلق ہوں گے، اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ظروف چونکہ خبر ہوتے ہیں اور خبر میں اصل افراد ہے لہٰذا ان کا متعلق (بالفتح) بھی ایسا نکالا جائے گا، جو مفرد ہو چونکہ اس میں طلب فاعل عارضی شئ ہے اور عارض کالمعدوم ہوا کرتا ہے اس لیے اسم فاعل کو مقدر مانا جائے گا، لہٰذا زید فی الدار کی اصل ان کے نزدیک زید مستقر فی الدار ہوگی۔

فائدہ: مذہب دوم والوں نے یہ جو کہا ہے کہ خبر میں اصل افراد ہے تو اس کی وجہ کیا ہے سو اس کی بہت سی وجوہات ہیں، منجملہ یہ کہ خبر مرفوع کی قسم سے ہے اور مرفوع اسم کی قسم میں سے ہے اور اسم مفردات میں سے ہے، اور

فائدہ یہ ہے کہ لازم کا لازم بھی اپنا لازم ہوا کرتا ہے جیسا کہ دوست کا دوست بھی اپنا دوست ہوتا کرتا ہے، اس اصول کے لحاظ سے خبر بھی مفرد ہوگی ثانیاً یہ کہ خبر کے مفرد ہونے کی صورت میں توافق رکنین پایا جائے گا، اس لیے کہ مبتداء ہمیشہ مفرد ہوتی ہے تو جب خبر بھی مفرد ہوگی تو مبتداء وخبر دونوں رکنوں میں موافقت ہو جائے گی۔

ولا بُدّ فی الجملةِ من ضمیرٍ یعودُ الی المبتدأ کالهاء فی ما مرَّ.

ترجمہ و مطلب: یہاں سے بیان فرماتے ہیں کہ جب خبر جملہ ہو تو جملہ میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو مبتداء کی طرف راجع ہو اور وجہ ضمیر کے ہونے کی یہ ہے کہ جملہ بحیثیت جملہ مستقل بنفسها ہوتا ہے وہ اپنے غیر کے ساتھ ربط کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور مبتداء وخبر میں ربط کا ہونا ضروری ہے اس لیے جملہ میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے، جو مبتداء کی طرف لوٹے تا کہ اس ضمیر کی وجہ سے مبتداء و جملہ خبریہ میں ربط پیدا ہو جائے۔

فائدہ: ربط پیدا کرنے کے لیے ضمیر ہی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ علاوہ ازیں بھی عائد ہو سکتا ہے مثلاً الف لام جیسے نعم الرجل زید میں کہ زید مخصوص بالمدح مبتداء مؤخر اور نعم الرجل خبر مقدم تو الرجل میں الف لام زید مبتداء کی طرف راجع ہوگا (۲) اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھ دینا جیسے الحاقة ما الحاقة کے اندر کہ اس کی اصل الحاقة ما هِیَ تھی تو ہی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر الحاقة کو رکھ دیا تو الحاقة مبتداء اور ما استفہامیہ عند السیبو یہ مبتداء ثانی وعند غیرہ خبر مقدم اور الحاقة ثانی مبتداء مؤخر۔

اس عبارت میں ما الحاقة جملۂ خبریہ ہو کر خبر ہے الحاقة مبتداء اول کی تو اس میں الحاقة ثانی الحاقة اول مبتداء کی تفسیر واقع ہے، جیسے قل هو اللّٰه احد، اور الله احد پورا جملہ ہو مبتداء کی خبر ہے۔

بہر حال یہاں جو مراد ہو مبتداء سے ہے وہی اللہ سے ہے تو ہو مبتداء کی تفسیر اللہ کے ساتھ کر کے اللہ کو ہو ضمیر کی جانب راجع کیا گیا (۴) چوتھی صورت عموم لفظ ہے جیسے اِنَّ الذینَ آمنوا وعملُوا الصّٰلحٰت اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجرَ مَنْ اَحسَنَ عَمَلاً ترجمہ: بلاشبہ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے بے شک ہم اچھے اعمال کرنے والے کے اجر وثواب کو ضائع نہیں کرتے، اس مثال میں اِنّ ثانیہ اپنے اسم ضمیر متکلم اور خبر لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحسَنَ عَمَلاً سے مل کر خبر ہے ان اولی کی تو یہاں جملہ میں کوئی ضمیر نہیں ہے جو اِنَّ اُولٰی کے اسم کی طرف راجع ہو، مگر مَنْ اَحسَنَ عَمَلاً اِنَّ الذینَ آمنوا وعملُوا الصّٰلحٰت دونوں کے معنی ایک ہی ہیں تو اسی عموم لفظ کی وجہ سے جملہ خبریہ کا ربط ہو جائے گا، اِنّ اُولٰی کے اسم کے ساتھ۔

ویجوزُ حذفُهُ عند وجودِ قرینةٍ نحو السَّمنُ مَنوانِ بدرهمٍ والبُرُّ الکُرُّ بستّین درهمًا.

ترجمہ و مطلب: یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جب عائد ضمیر ہو تو اس کو قرینہ کے

پائے جانے کے وقت حذف کرنا جائز ہے، جیسے السَّمنُ مَنوانِ بدرھمٍ والبُرُّ الکُرُّبستّین درھمًا ۔ ان دونوں مثالوں کی اصل السَّمنُ مَنوانِ بدرھمٍ اور البُرُّ الکُرُّبستّین درھمًا تھی ان دونوں مثالوں میں منه کو قرینہ کے پائے جانے کے باعث حذف کردیا گیا اور وہ قرینہ یہ ہے کہ گھی اور گندم کا فروخت کرنے والا انہی دونوں کا بھاؤ بیان کرتا ہے نہ کہ ان کے علاوہ کسی اور چیز کا اس لیے کہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ فروخت ان دونوں کو کررہا ہو مثلاً اور بھاؤ ان کے علاوہ کسی اور شئ کا کررہا ہو کہ لے لو ساٹھ روپئے میں۔ الکر ایک پیمانہ کا نام ہے جو پینسٹھ (۶۵) من دس سیر وزن کا ہوتا ہے منو ان من کا تثنیہ ہے۔ ترجمہ دو سیر گھی ایک درہم کا ہے اور گندم کا ایک کُر ساٹھ (۶۰) درہم کا ہے۔

نوٹ: ہم نے جو عائد کی بہت سی اقسام بیان کیں ہیں ان میں سے صرف ضمیر کو بوقت قیام قرینہ حذف کرسکتے ہیں، اس کے علاوہ باقی عوائد کو کسی بھی حال میں حذف کرنا جائز نہیں۔

وقد یتقدَّم الخبرُ علی المبتدأ نحو فی الدار زیدٌ.

ترجمه و مطلب: اور کبھی خبر مبتداء پر مقدم ہو جاتی ہے، جیسے مثال مذکور میں خبر مبتداء پر مقدم ہے مصنف نے لفظ قد لاکر تقلیل کی طرف اشارہ کردیا اس لیے کہ اصل خبر میں یہ ہے کہ وہ مؤخر ہو اور مبتداء کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ مقدم ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مبتداء اکثر ذات یعنی اسم ہوتی ہے اور خبر مبتداء کے احوال میں سے ایک حال ہے مثلاً زید قائم کہ اس مثال میں زید مبتداء ذات ہے اور قائم مبتداء کی خبر ایک حال ہے مبتداء کے دیگر احوال قعود، رفتار، گفتار وغیرہ میں سے اور یہ قاعدہ ہے کہ ذات اپنے احوال پر مقدم ہوتی ہے یعنی پہلے ذات کا تصور ہوتا ہے پھر اس ذات کے احوال کا کہ وہ ذات کیسی ہے ہاں یہاں پہنچ کر یہ بھی یاد رہے کہ ذات سے مراد ہے کہ جس کی نسبت خبر دی جائے یا جس کے بارے میں کچھ کہا جائے خواہ وہ ذات ہو یا غیر ذات۔ ذات کی مثال تو اوپر گذر چکی اور غیر ذات کی مثال جیسے العلم حسن کہ اس میں العلم مبتداء ہے جو کہ صفت ہے ذات نہیں ہے تو العلم کو مبتداء بنانا صحیح ہے چونکہ اس کی نسبت خبر دینا اچھے بُرے وغیرہ کی صحیح ہے۔

ویجوزُ للمبتدأ الواحِد اخبارٌ کثیرةٌ نحو زیدٌ عالمٌ فاضلٌ عاقِلٌ.

ترجمه ومطلب: یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک مبتداء کے لیے بہت سی خبروں کا ہونا جائز ہے اس لیے کہ خبر حکم ہے اور ایک شئ پر بہت سی چیزوں کا حکم لگایا جاسکتا ہے جیسے مثال مذکور میں زید پر تین حکم لگے ہیں۔

فائده: ایک شئ پر بہت سے حکم لگ سکتے ہیں یہ بات تو سمجھ میں آ گئی مگر یہ بات رہ جاتی ہے کہ یہ بہت سی خبریں جولائی جائیں گی یہ حرف عطف کے ذریعہ یا بغیر حرف عطف کے تو اس سلسلے میں یہ قانون یاد رکھیں کہ یہ تعدد

لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے ہوگا یا صرف لفظ کے اعتبار سے اگر لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ہے تو عطف اور بغیر عطف دونوں طرح لا سکتے ہیں جیسے زیدٌ عالم عاقل کاتبٌ اور زید عالم و عاقل وکاتب اور اگر تعدد صرف لفظ کے اعتبار سے ہے تو پھر بغیر حرف عطف کے لانا واجب ہے، جیسے الخل حلو حامض سرکہ کھٹا میٹھا ہے حلو بمعنی میٹھا حامض بمعنی کھٹا تو یہ دونوں الفاظ حقیقتاً خبر واحد ہی ہیں اس لیے کہ اس سے مقصود کیفیت متوسطہ بین الحلاوۃ والحموضۃ کو بیان کرنا ہے نہ کہ فرداً فرداً تو یہاں اور اس جیسی امثلہ میں ترک عطف ضروری ہے ایک صورت ایسی ہے جہاں حرف عطف کا لانا ضروری ہے اور وہ شکل یہ ہے کہ جہاں مخبر عنہ متعدد ہو اور خبر بھی متعدد خواہ مخبر عنہ حقیقۃً متعدد ہو جیسے زید وخالد وعالم وجاھل خواہ مخبر عنہ حکماً متعدد ہوں اس طور پر کہ مخبر عنہ صاحب اجزاء ہو جیسے انما الحیوۃ الدنیا لعب ولھو وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد تو ایسی مثالوں میں حرف عطف کا لانا واجب ہے ساتھ ہی یہ بھی سنتے چلئے کہ یہ بھی جائز ہے کہ مخبر عنہ متعدد ہو اور خبر واحد ہو جیسے زید وعمرٌ رجلان۔

واعلم اَن لهم قسماً آخر منَ المبتدأ ليس مسنداً اِليه وهو صفةٌ وقعَت بعد حَرفِ النفِي نحو مَا قائمٌ زيدٌ او بعد حرفِ الاستفهام نحوا قائمٌ زيدٌ بشرطِ ان تَرفع تلك الصفةُ اسماً ظاهراً نحو ما قائم الزيدانِ واقائم الزيدان بخلاف ما قائمان الزيدان.

ترجمہ و مطلب: اس سے قبل مصنف نے مبتداء کی قسم اول کو بیان فرمایا اب یہاں سے مبتداء کی قسم ثانی کو بیان فرماتے ہیں جو قسم اول سے بالکل مختلف ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ نحویوں کے یہاں مبتداء کی ایک قسم اور ہے جو مسند الیہ نہیں ہوتی اور وہ مبتداء صفت کا وہ صیغہ ہے جس کے مبتداء بننے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے اول یہ کہ وہ صفت حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو جیسے ما قائم زیدٌ واقائم زیدٌ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو جیسے ما قائم الزیدانِ واقائم الزیدان۔ ان دونوں مثالوں میں صیغۂ صفت حرف نفی حروف استفہام کے بعد واقع ہے اول مثال میں حرف نفی کے بعد ثانی میں حرف استفہام کے بعد اور یہ صفت اسم ظاہر زیدان کو مرفوع کر رہی ہے لہٰذا ما قائم واقائم مبتداء اور الزیدان خبر بخلاف ما قائمان الزیدانِ کے چونکہ اس میں شرط ثانی مفقود ہے وہ یہ ہے کہ صیغہ صفت قائمان الزیدان کو رفع نہیں دے رہا ہے بلکہ صفت اس میں ضمیر کو رفع دے رہی ہے جو زیدان کی طرف راجع ہے اگر صفت اسم ظاہر کو رفع دیتی تو اسم ظاہر کو تثنیہ لانا جائز نہ ہوتا اس لیے کہ آپ فاعل کی بحث میں یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ جب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل اور شبہ فعل کو واحد لانا واجب ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ مثال مبتداء کی قسم ثانی سے خارج ہے۔

مبتداء کی قسم اول میں داخل ہے اس طور پر کہ ما قائمان خبر مقدم اور الزیدان مبتداء مؤخر۔

فائدہ : جب حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد صیغۂ صفت واقع ہو تو اس کی نو (۹) صورتیں نکلتی ہیں جن کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے (۱) صیغۂ صفت اور اسم ظاہر دونوں مفرد ہوں جیسے ما قائم زید (۲) دونوں تثنیہ ہوں جیسے ما قائمان الزیدانِ (۳) دونوں جمع ہوں جیسے ما قائمون الزیدون (۴) صیغۂ صفت مفرد اور اسم ظاہر تثنیہ جیسے ما قائم الزیدانِ (۵) صیغۂ صفت مفرد اور اسم ظاہر جمع جیسے ما قائم الزیدون (۶) صیغۂ صفت تثنیہ اور اسم ظاہر جمع جیسے ما قائمان الزیدون (۷) صیغۂ صفت جمع اور اسم ظاہر تثنیہ جیسے ما قائمون الزیدانِ (۸) صیغۂ صفت تثنیہ اور اسم ظاہر مفرد جیسے ما قائمان الزید (۹) صیغۂ صفت جمع اور اسم ظاہر مفرد ہو جیسے ما قائمون الزید اخیر کی چار ترکیبیں تو ناجائز ہیں اور شروع کی پانچ جائز ہیں ان میں سے بھی اول ترکیب میں پھر دو ترکیب جائز ہیں، اول اس کو مبتداء کی قسم ثانی مانا جائے دوم یہ کہ مبتداء کی قسم اول مانا جائے اور باقی چار میں صرف ایک ترکیب جائز ہے فرق صرف اتنا ہے کہ دوم اور سوم مبتداء کی قسم اول سے ہیں، اس طور پر کہ صیغۂ صفت خبر مقدم اور اسم ظاہر مبتداء مؤخر اور وجہ اس کی بخلاف ما قائمان الزیدانِ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ اور چہارم و پنجم مبتداء کی قسم ثانی سے ہیں، چونکہ دونوں شرطیں موجود ہیں، ساتھ ہی یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ اس جیسی ترکیب کو نحویوں نے جو مبتداء کی قسم ثانی مانا ہے یہ ضرورت کی وجہ سے ہے چونکہ یہ دونوں مرفوع ہو رہے ہیں، اور عامل کوئی نظر نہیں آتا سوائے ابتداء کے اس لیے اس کو بھی مبتداء مان لیا۔

دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ صیغۂ صفت بھی عام ہے خواہ وہ مشتق ہو جیسے ناصر و منصور و کریم یا مشتق کے قائم مقام ہو، جیسے اسم منسوب جیسے مصری بغدادی وغیرہ چونکہ اسم منسوب بھی صفت مشتق کے حکم میں ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ صیغۂ صفت کے لیے حرف نفی یا حرف استفہام کے مابعد ہونے کی جو شرط لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ صیغۂ صفت کو اعتماد حاصل ہو جائے جیسا کہ آپ نحو میر وغیرہ میں پڑھ چکے ہیں کہ صیغۂ صفت جب عمل کرے گا جب کہ چھ چیز میں سے کسی ایک پر اعتماد کئے ہوئے ہو، اب رہی بات کہ پھر چھ میں سے اس جگہ صرف دو ہی کو کیوں منتخب کیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس سے پہلے ذوالحال ہو تو صیغۂ صفت حال ہوگا مبتداء نہیں ہوگا ایسے ہی جب اس سے قبل موصوف ہو تو صیغۂ صفت موصوف کی صفت ہوگا مبتداء نہ ہو سکے گا، ایسے ہی جب موصول ہو تو یہ صلہ ہوگا اس موصول کا مبتداء نہ بن سکے گا، ایسے ہی جب اس سے قبل مبتداء ہو تو یہ صیغۂ صفت اس مبتداء کی خبر بن جائے گا خود مبتداء نہ بن سکے گا اس لیے چھ میں سے صرف دو کی قید لگائی ہے۔

تمرین:

مبتداء و خبر کی تعریف بیان فرمائیے (۲) یہ بتلائیے کہ کیا مبتداء کے لیے اسم حقیقی کا ہونا ضروری ہے (۳) اُن

تَصَدَّقُوْا وَأَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرًا لَّكُمْ مبتداءواقع ہوسکتے ہیں یانہیں۔ نیز بِحَسْبِکَ زَیْدٌ دِرْھَمٌ مثال میں حسبک باءحرف جار کی وجہ سے مجرور ہورہا ہے پھر بھی یہ مبتداء واقع ہو رہا ہے، جبکہ مبتداء مرفوع ہوتی ہے وجہ بیان کیجئے (۴) مصنفؒ نے نکرہ کومبتداء بنانے کی چھ امثلہ بیان فرمائی ہیں، ان امثلہ میں آپ سمجھائیے کہ نکرہ کوکیسے مبتداء بنایا گیا۔ (۵) مبتداء کی تقدیم خبر پر کب واجب ہوتی ہے اور خبر کی تقدیم کب واجب ہوتی ہے مع مثال بیان کیجئے (۶) عائد کی کتنی قسمیں ہیں بیان کیجئے، نیز عائد کو حذف بھی کر سکتے ہیں یانہیں۔ اگر جواب ہاں میں ہے تو مع مثال کے بیان کیجئے (۷) اگرایک مبتداء کی بہت سی خبریں ہوں تو ان کو حرف عطف کے ذریعہ لائیں گے یا بغیر حرف عطف کے جو بھی قانون ہو بیان کیجئے (۸) مبتداء کی قسم ثانی کے اندر مبتداء بننے کے لیے کتنی شرطیں ہیں بیان کیجئے۔

فصل خبرُ اِنَّ واخواتها وهی اَنَّ وكَانَّ ولٰكِنَّ وليتَ ولَعَلَّ فهٰذه الحُروف تدخُل على المبتدأ والخبر فتنصبُ المبتَدأ ويسمّٰى اسمَ اِنَّ وترفعُ الخبر ويسمّٰى خبرَان.

ترجمہ و مطلب: جب مصنفؒ مبتداء اور خبر کے بیان سے فارغ ہوگئے اب یہاں سے حروف مشبہ بالفعل کی خبر کو شروع فرمار ہے ہیں جو مرفوعات کی قسم پنجم ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ پانچویں فصل إنَّ اور اس کے اخوات یعنی اَنَّ وكَانَّ ولكِنَّ وليتَ ولَعَلَّ کی خبر کے بیان میں ہے یہ حروف مبتداء وخبر پر داخل ہوکر مبتداء کو نصب اور خبر کو رفع کرتے ہیں جب یہ مبتداء پر داخل ہوکر اس کو منصوب کریں گے تو اس منصوب کو إنَّ کا اسم کہیں گے اور اس خبر مرفوع کو إنَّ وغیرہ کی خبر کہیں گے۔

فائدہ: ان حروف کو حروف مشبہ بالفعل کہنے کی وجہ تسمیہ چونکہ یہ فعل کے ساتھ تین چیز میں مشابہت رکھتے ہیں اول یہ کہ جیسے فعل ثلاثی ورباعی ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی ثلاثی ورباعی ہوتے ہیں، جیسے إنَّ، أنَّ ثلاثی ہیں كَانَّ لٰكِن رباعی ہیں، یہ تو فعل کے ساتھ لفظی مشابہت ہوئی اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ یہ بھی فعل کے ہم معنی ہوتے ہیں، جیسے اِنَّ و اَنَّ حَقَّقتُ کے معنی میں کَانَّ شَبَّهتُ کے معنی میں لٰكنّ استَدرَکتُ کے معنی میں ليت اتمنی کے اور لَعَلَّ ترجَيتُ کے معنی میں اور جیسے فعل ماضی مبنی بر فتح ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی مبنی بر فتح ہوتے ہیں تو ان کو تین چیز میں چونکہ فعل کے ساتھ مشابہت ہے اس لیے ان کو حروف مشبہ بالفعل کہا جاتا ہے مگر یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوگا کہ فعل جب متعدی ہوتا ہے تو فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب یعنی معمول اول کو رفع اور ثانی کو نصب، جب ان کو فعل کے ساتھ مشابہت ہے تو مشابہت کی وجہ سے ان کے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے، مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان حروف کو بھی فعل والا عمل دیا جاتا تو اصل اور فرع کے درمیان برابری لازم آتی اس وجہ سے معاملہ برعکس کیا۔

فخبر انَّ هو المسندُ بعد دُخولها نحو اِنَّ زيداً قائمٌ.

یہاں سے بیان فرماتے ہیں اس مسئلہ کو کہ انّ وغیرہ کے داخل ہونے سے پہلے خبر مسند ہو رہی تھی عامل معنوی کی وجہ سے اب ان کے داخل ہونے کے بعد خبر مسند ہوگی، عامل لفظی کی وجہ سے جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ میں قائم عامل لفظی اِنّ کی وجہ سے مسند ہو رہا ہے، اس کے اسم زید کی طرف۔

مصنفؒ نے عبارت میں جو لفظ دخول استعمال فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حروف مبتداء وخبر پر آتے ہیں اپنا اثر دینے کے واسطے لفظاً یا معنی لفظاً اثر پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے مبتداء کی خبر مرفوع ہوتی ہے ایسے ہی ان کی خبر بھی مرفوع ہوتی ہے اور معنی اثر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اِنّ کی خبر اِنّ کے اسم کے لیے ضروری اور یقینی طور پر ثابت ہے۔

وحكمهُ فى كونِه مُفرداً وجملةً او معرفةً او نكرة كحكم خبر المبتدأ.

ترجمہ و مطلب: اور اِنّ اور اس کے اخوات کی خبر کا حکم باعتبار اس کی اقسام کے اس کے مفرد ہونے میں یا جملہ اسمیہ وفعلیہ وشرطیہ وظرفیہ ہونے میں یا معرفہ ونکرہ ہونے میں اور اس کی خبر کا حکم باعتبار اس کے احکام کے متعدد ہونے میں یا واحد ہونے میں یا مثبت ومنفی ہونے میں یا محذوف ہونے میں یا ایسے ہی باعتبار شرائط کے جب کہ خبر جملہ ہو ایک عائد کے ہونے میں ہر لحاظ سے مبتداء کی خبر کے حکم کی مانند ہے۔

ولا يجوزُ تقديمُ اَخبارِهَا علىٰ أسمائِهَا.

ترجمہ: ان کی خبروں کا ان کے اسماء پر مقدم ہونا جائز نہیں ہے۔

مطلب: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جب اس کی خبر کا حکم مبتداء کی خبر کے حکم کی مانند ہے تو ان کی خبر ان کے اسماء پر مقدم کیوں نہیں ہوگی، جیسا کہ مبتداء کی خبر مبتداء پر مقدم ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ دیا کہ اِنّ وغیرہ کی خبر مبتداء کی خبر کے ساتھ مختلف ہے دو باتوں میں ایک یہ کہ اِنّ وغیرہ کی خبر کا ان کے اسماء پر مقدم ہونا جائز نہیں ہے، اور وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ یہ حروف عمل میں ضعیف ہیں، اور درجۂ فعل سے کم تر ہیں کیونکہ فرع ہی تو ہیں، اصل تو ہیں نہیں اس لیے فرعیت پر ہی بلا تصرف تقدیم وتاخیر کے باقی رکھے جائیں گے کیونکہ اگر ترتیب بدل گئی تو یہ اپنے ضعف کی وجہ سے عمل نہ کر سکیں گے۔

دوسرے وہ اسم مفرد کہ جس کے اندر استفہام کے معنی ہوں ان حروف کے ذریعہ سے اس اسم مفرد کے ساتھ کسی اسم کی خبر نہیں بنا سکتے جیسے اِنّ اَیْنَ زیدًا نہیں کہہ سکتے، ہاں البتہ مبتداء کی خبر بنا کر این زید کہہ سکتے ہیں تو خلاصہ یہ ہے کہ ان دو مسئلوں میں اِنّ وغیرہ کی خبر مبتداء کی خبر سے مختلف ہے۔

اِلا اِذا كان ظرفاً نحو ان فى الدارِ زيداً لمجالِ التوسّع فى الظروف.

ترجمه: مگر جب کہ خبر ظرف ہو جیسے ان فی الدارِ زیداً ظرف میں وسعت ہونے کی وجہ سے۔

فرماتے ہیں کہ اِنّ کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم کرنا اگر چہ ہے تو ناجائز مگر جب کہ ظرف ہو خواہ ظرف زمان ہو یا مکان تو مقدم کرنا جائز ہو جاتا ہے، اور وجہ تقدیم کے جواز کی یہ ہے کہ ظرف میں وہ وسعت ہے جو غیر ظرف میں نہیں ہے اس لیے کہ کوئی بھی فعل ہوگا وہ ظرف زماں و مکان سے کبھی خالی نہ ہوگا جیسے مثال مذکور میں فی الدار خبر ظرف ہے اس کو زید اسم پر مقدم کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں نے ایک کہاوت بھی بیان کی ہے کہ کسی نحوی کے پاس تمام عامل معمول اکھٹے ہو کر پہنچ گئے، دروازہ کے پاس جا کر سب رُک گئے ظرف بھی ساتھ میں پہنچا تو وہ سب کے ہمراہ رُک گیا، جب نحوی کو ظرف کی آمد کا علم ہوا تو نحوی نے اس سے کہا کہ تو کیوں رُک گیا تجھے بلا اجازت اندر آ جانا چاہئے تھا، جیسا کہ اسی مضمون کو کسی شاعر نے اپنے شعر میں پیش کیا ہے۔

رکا ظرف تو نحوی سے آواز آئی   تو پردہ میں آ تجھ سے پردہ نہیں ہے

اس سلسلے میں یہ بات ضرور یاد رکھیں کہ ایسی صورت میں جب اسم معرفہ ہو تو خبر ظرف کی تقدیم جائز ہے واجب نہیں جیسا کہ متن میں دی گئی مثال میں اور فرمان باری میں اِنَّ اِلَيْـنَـا اِيَـابَهُم کے اندر اِنّ کا اسم اِيَـابَهُم اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے تو اس کی خبر اِلَيْنا ظرف کو جوازاً مقدم کر دیا گیا۔

اور اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم واجب ہے جیسے اِنَّ مِنَ البيـان لَسِحـرًا واِنّ مِنَ الشّعْرِ لحكمة۔ بیشک بعض بیان میں جادو جیسی تاثیر ہوتی ہے اور بعض شعر میں بڑی حکمت کی باتیں ہوتی ہیں کہ ان دونوں مثالوں میں لسحرا اور لحكمة اسم نکرہ ہیں تو ان کی خبر کی تقدیم واجب ہے کما قرأ تُم وَجْهَهٗ فِی بیان المبتدإ والخبر۔

تمرین:

حروف مشبہ بالفعل کی وجہ تسمیہ (۲) حروف مشبہ بالفعل کی خبروں کا ان کے اسماء پر مقدم کرنا کب جائز ہے مع وجہ و مثال کے بیان کیجئے (۳) ان حرف مشبہ بالفعل کی خبر کی تقدیم کہاں واجب ہے مع امثلہ بیان کریں۔ ذیل میں چند مشقی جملے دیئے جا رہے ہیں کچھ صحیح اور کچھ غلط دونوں میں تمیز کیجئے اور ترکیب بھی بیان کیجئے۔

اِنَّ الْـمُـسْـلِـمِيْـن مـظلومون فی هذه الايّامِ فِي أَنْحاء العالَم ليت المؤمنين عاملون بالشريعة الإسلامية. لَعَلَّ الله يُحدِّثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أمرًا (شاید کہ اللہ پاک اس کے بعد کوئی نئی صورت پیدا کر دے) لَيْت الاستَـاذُ صَـالِـحـاً. لَعَلَّ التِلْمِيذُ ناجحاً. اِنَّ عَمْرٌ وغَائِباً. كَاَنَّ الاستاذ كِتَابٌ. كانَّ الرَّجُلُ قويًا لٰكِنَّ رَئِيْسَ الوَزَرَاء صَالِحٌ. (لیکن وزیر اعظم نیک ہے)۔ لٰكِنَّ القَوْمَ ظَالِمًا۔

فـصـل اسـمُ كـان واخـواتهـا وهِی صار واصبح و أمسىٰ واضحىٰ وظل وبات وراحَ واٰضَ وعـاد وغـدا ومـازال ومـا بـرح وما فتىٰ وما انفكّ وما دامَ وليس فهٰذِه

الأفعالُ تدخل ايضاً على المبتدأ والخبرِ فترفَعُ المبتدأ ويُسمّٰى اسمَ كان وتَنصِبُ الخَبرَ ويُسمّٰى خبرَ كان فَاسمُ كانَ هو المسند بَعْدَ دُخُولِهَا نحو كان زيدٌ قائمًا ويجوز فى الكُلِّ تقديم اَخبارِهَا علٰى اسمائِهَا نحو كانَ قائمًا زيدٌ وعلٰى نفسِ الافعال ايضاً فى التسعةِ الاُوَل نحو قائماً كان زيدٌ ولا يجوز ذٰلك فى ما فى اوله ما فلا يُقَالُ قائمًا ما زالَ زيدٌ وفى ليس خِلافٌ وباقى الكلامِ فى هٰذه الافعالِ يجئُ فى القسمِ الثانِى ان شاء الله تعالىٰ.

ترجمه: کان اوراس کے اخوات کا اسم اوراخوات یہ ہیں: صار واصبح وامسیٰ اضحیٰ وظل وبات وراحَ واٰضَ وعاد وغدا ومازال وما برح وما فتیٔ وما انفکّ وما دامَ ولیس۔ یہ سب افعال بھی مبتداء اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ مبتداء کو رفع دیتے ہیں اوراس کا نام کان کا اسم رکھا جاتا ہے اور خبر کو نصب دیتے ہیں اوراس کا نام کان کی خبر رکھا جاتا ہے پس کان کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے ان کے داخل ہونے کے بعد جیسے کان زید قائما اوران سب میں ان کی خبروں کا ان کے اسماء پر مقدم ہونا جائز ہے جیسے کان قائما زید اوران کی خبروں کا خود ان افعال پر مقدم ہونا بھی جائز ہے شروع کے پہلے نو میں جیسے قائما کان زیداوران افعال پر مقدم ہونا جائز نہیں ہے کہ جن کے شروع میں ما ہے لہٰذا نہیں کہا جائے گا قائما ما زال زید اور لیس کے بارے میں اختلاف ہے اوران افعال کے بارے میں باقی کلام ان شاء اللہ قسم ثانی میں آئے گا۔

تشریح و توضیح: علامہ ابن حاجب صاحب کافیہ وغیرہ نے کان اوراس کے اخوات کے اسم کو مرفوعات کی بحث میں علیحدہ طور پر بیان نہیں کیا چونکہ افعال ناقصہ ان کے نزدیک فاعل ہی ہے اور بعض نحویوں نے اس کو فاعل کے ساتھ ملحق مانا ہے مگر فاعل نہیں مانا، اس لیے کہ فعل فاعل سے مل کر کلام تام ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ ان پر کلام تام نہیں ہوتا جب تک کہ ان کی خبر نہ لائی جائے، اسی مذہب کو اختیار کیا ہے آپ کے مصنف صاحب ہدایۃ النحو نے اس لیے اس کو مرفوعات کی چھٹی فصل کا عنوان دے کر علیحدہ بیان کیا چنانچہ فرماتے ہیں کہ چھٹی فصل ہے کان اوراس کے اخوات کے اسم کے بیان میں اور یہ کل سترہ ہیں جن کو صاحب کتاب نے اپنی عبارت میں پیش کر دیا ہے۔ فهذه تدخل أيضاً على المبتدإ والخبر الخ ۔ یہ سب افعال ناقصہ بھی حروف مشبہ بالفعل کی طرح مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ یہ مبتداء کو رفع اور خبر کو نصب کرتے ہیں مرفوع کو کان وغیرہ کا اسم اور منصوب کو ان کی خبر کہتے ہیں۔ فاسم كان وأخواتها هو المسند إليه بعد دخولها۔ پس کان اوراس کے اخوات کا اسم مسند الیہ ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد جیسے کان زیدٌ قائماً کے اندر مسند الیہ ہے عامل لفظی کان کے داخل ہونے کے بعد۔ ويجوز فى الكل تقديم أخبارها على

أسمائها۔اور جائز ہے بالاتفاق ان کی خبروں کا مقدم کرنا ان کے اسماء پر جیسے کان قائماً زید کے اندر قائماً خبر مقدم ہے زید اسم کے اوپر اور وجہ جواز تقدیم کی یہ ہے کہ یہ عمل میں قوی ہیں، اور عامل قوی مقدم مؤخر ترتیب بلاترتیب سب میں عمل کر لیتا ہے مگر یہ تقدیم کا جواز اس صورت میں ہے جب کہ التباس کا خوف نہ ہو اور اگر التباس کا خوف ہو جیسا کہ جب کہ دونوں اسم مقصورہ ہوں جیسے ما کان عیسیٰ موسیٰ، تو یہاں اول اسمیت کے لیے متعین ہو جائے گا۔

وعلٰی نفسِ الافعال ایضاً ۔ اور جیسے ان کی خبریں ان کے اسماء پر مقدم ہوسکتی ہیں ایسے ہی ان کی خبروں کو خود ان افعال ناقصہ کے اوپر بھی مقدم کر سکتے ہیں مگر سب کے اوپر نہیں بلکہ شروع کے نو میں یعنی کان سے رَاح تک جیسے قائماً کان زیدٌ اور وجہ جواز تقدیم کی وہی ہے کہ یہ سب افعال ہیں اور افعال عمل میں قوی ہوتے ہیں۔ اور تقدیم خبر سے مانع بھی کوئی موجود نہیں ہے۔لہٰذا ان کے معمول خود ان پر مقدم ہو سکتے ہیں۔

ولا یجوز ذٰلک فی ما فی اولہٖ ما ۔اور ان میں سے جن افعال کے شروع میں لفظ ما ہے ان پر ان کی خبروں کا مقدم ہونا جائز نہیں ہے چونکہ ان میں سے بعض افعال تو ایسے ہیں کہ جن کے اندر ما مصدریہ ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جن میں ما نافیہ ہے اور مَا خواہ مصدریہ ہو یا نافیہ دونوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں، اور جب خبر مقدم ہو جائے گی تو ان کی صدارت باطل ہو جائے گی۔لہٰذا قائمًا ما زالَ زیدٌ نہیں کہہ سکتے **وفی لیس خلاف** ۔ فرماتے ہیں کہ لیس کے اوپر اس کی خبر کے مقدم ہونے میں نحاۃ کا اختلاف ہے امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ لیس چونکہ نفی کے معنی دیتا ہے تو یہ گویا کہ ان افعال کے مانند ہو گیا کہ جن کے شروع میں ما نافیہ ہے لہٰذا لیس کی خبر لیس کے اوپر مقدم نہیں ہو سکتی، اور اکثر حضرات بصریین نے یہ فرمایا کہ یہ کان کے مانند ہے چونکہ اس کے شروع میں ما نہیں ہے تو انہوں نے لفظی حیثیت کی رعایت کرتے ہوئے اس کی خبر کو اس کے اوپر مقدم ہونے کو جائز کہا ہے۔آگے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ افعال ناقصہ کے بارے میں باقی تمام تفصیلات انشاءاللہ دوسری قسم یعنی بحث فعل میں آئیں گی **فلینتظر شدیداً**۔

تمرین:

(۱) افعال ناقصہ کو افعال ناقصہ کیوں کہتے ہیں۔(۲) افعال ناقصہ کیا عمل کرتے ہیں (۳) ان کی خبروں کا ان کے اسماء پر مقدم ہونا جائز ہے یا نہیں جو بھی صورت ہو مع وجہ بیان فرمائیں (۴) ان کی خبریں خود ان افعال پر بھی مقدم ہو سکتی ہیں یا نہیں جو بھی تفصیل ہو بیان فرمایئے۔

ذیل میں افعال ناقصہ کے بعد ایک اسم آئے گا اس کے بعد خالی جگہ ہوگی اس کو اس انداز سے پُر کیجئے کہ اگر وہ اسم واقع ہے تو خالی جگہ کو خبر کے ساتھ پُر کیجئے اور اگر خبر ہے تو اسم کے ساتھ پُر کیجئے۔

كـان اللّٰه .... صار .... عالماً .... ظلَّ النَّهارُ ....

بات .... ساهرًا . أصبحَ .... باكيًا. أمشیٰ زيدٌ .... أضحیٰ
وليُّ اللهِ .... مَا زَالَ .... عاد .... فائزاً غداً .... صَالحاً.
راحَ الاستاذُ .... مَا زالَ .... مُصلّيًا مَا انفکّ .... مَهْزُومًا (شکشت خوردہ)

فصل اسم ماولا المشبَّهَتين بِليس وهُوَ المسنَدُ اليهِ بَعدَ دُخُولهمَا نحو ما زيدٌ قائماً ولا رجُلٌ افضلَ منک ويختَصُّ لا بالنكرة ويعُمُّ ما بالمعرفة والنكرةِ.

ترجمه: فصل ما اور لا مشابه بليس کااسم ان کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے ما زيدٌ قائمًا اور لا رجُلٌ أفضل منك اور لَانکرہ کے ساتھ خاص ہے اور ما معرفہ ونکرہ دونوں پر داخل ہوتا ہے۔

تشریح: ساتویں فصل ہے ما و لا مشابه بليس کے بیان میں یہ دونوں لیس کے مشابہ ہوتے ہیں دو چیز میں ایک معنی نفی کے دینے میں دوسرے مبتداء وخبر پر داخل ہوکر اسم کو رفع دینے میں یہ بھی یادرہے کہ یہ لیس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اسم کو رفع اور خبر کو جونصب کرتے ہیں یہ عندالحجاز ہے، بنوتمیم اس سلسلے میں ایک الگ رائے رکھتے ہیں وہ یہ کہ دونوں اسم ان کے یہاں ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہوتے ہیں۔

وهُوَ المسنَدُ اليهِ بَعدَ دُخُولهمَا۔اوران کااسم ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے ما زيدٌ قائماً ولا رجُلٌ افضلَ منک،ان دونوں مثالوں میں زیداور رجل مااورلا کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہیں۔

ويختَصُّ لا بالنكرة ويعُمُّ ما بالمعرفة والنكرةِ۔یہاں سے مصنفؒ مااورلا دونوں کے درمیان فرق بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ لاصرف نکرہ کے ساتھ خاص ہے کبھی بھی معرفہ پر داخل نہیں ہوسکتا برخلاف ما کے وہ معرفہ اورنکرہ دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ لا مطلق نفی کے لیے ہے خواہ حال کی ہو یا مستقبل کی یاماضی کی اور ما حال کی نفی کے لیے ہے،جیسا کہ لیس حال کی نفی کے لیے ہے۔تیسرا فرق یہ ہے کہ لا کی خبر پر باجارہ داخل نہیں ہوتا برخلاف ما کے کہ اس کی خبر پر باداخل ہوجاتا ہے جیسا کہ لیس کی خبر پر باء داخل ہوتا ہے ان تین فرق کو بیان کرنے سے یہ بات بھی آپ کومعلوم ہوگئی ہوگی کہ مَا کولیس کے ساتھ زیادہ مشابہت حاصل ہے اورلا کوکم بلکہ بہت ہی کم ہے۔

فصل خبر لا لِنفِي الجِنس وهُوَ المُسنَدُ بعد دُخُولِهَا نحو لا رجُلَ قائمٌ.

ترجمه: لائے نفی جنس کی خبر مسند ہوتی ہے اس کے داخل ہونے کے بعد جیسے لا رجُلَ قائمٌ۔

تشریح: آٹھویں فصل ہے لائے نفی جنس کی خبر کے بیان میں، لائے نفی جنس کی خبر مسند ہوتی ہے شیٔ اول کی طرف لا کے داخل ہونے کے بعد جیسے لا رجُلَ قائمٌ ،میں قائم لا کی خبر ہے اور مسند ہورہی ہے رجل کی طرف لا کے

داخل ہونے کے بعد۔

نـــوٹ: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے کہا کہ لاجنس کی نفی کرتا ہے اور جب مثال دی تو وہ ایسی جوجنس کی ذات کی نفی نہیں کر رہا ہے، بلکہ جنس کی صفت یعنی قیام کی نفی کر رہا ہے۔

الجواب: عبارت میں ایک پُرزہ محذوف ہے اور وہ ہے لفظ صفت اصل عبارت ہے خبر لا لنفی صفة الجـنـس اب کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور مثال بھی ممثل لہٗ کے مطابق ہو جائے گی، دوسری بات یہ ہے کہ لائے نفی جنس جو خبر کو رفع کرتا ہے یہ اِنّ وغیرہ کی مشابہت کی وجہ سے اس طور پر کہ جیسے اِنّ وغیرہ اثبات کی تاکید کرتے ہیں ایسے ہی لائے نفی جنس نفی کی تاکید کرتا ہے تو مطلق تاکید میں دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے فرق صرف اثبات ونفی کا ہے لہٰذا دونوں کا حکم بھی عمل کرنے میں حملا للنظیر علی النظیر یکساں ہوگا۔

المقصد الثانی فی المنصوبَات

جب مصنفؒ مرفوعات کے بیان سے فارغ ہوگئے اب یہاں سے منصوبات کو بیان فرمارہے ہیں مگر اس پر سوال یہ ہے کہ مرفوعات سے فارغ ہوکر مجرورات کو بیان کردیتے لیکن مصنف نے ایسا نہیں کیا آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: منصوبات چونکہ بارہ ہیں کما سیاتی اور مجرورات صرف دو ہیں، اور کثرت کو عزت حاصل ہوتی ہے قلت پر، نیز منصوبات اکثر فاعل کے ساتھ آتے رہتے ہیں اور فاعل کا عمدہ ہونا آپ کو پہلے معلوم ہو چکا، تو اس مصاحبت فاعل کے باعث مرفوعات کے بعد منصوبات کو بیان کرنا زیادہ موزوں ثابت ہوا، نیز نصب میں چونکہ خفت ہے اور رفع میں ثقل بے حساب تھا اور جر میں بھی ثقل ہے اس لیے دو ثقیل چیزوں کے درمیان منصوبات کو بیان کردیا۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ قلیل مقدم ہوتا ہے کثیر پر۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قلیل کثیر کا جز ہو یا قلیل کے ذکر سے کثیر کا علم ہوجائے تو اس وقت قلیل کو کثیر پر مقدم کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں، نہ تو مجرور منصوب کا جزء ہے اور نہ مجرور کے ذکر سے منصوب کا علم ہوتا ہے۔ بعدہٗ منصوبات کی تعریف ملاحظہ فرمائیں منصوب وہ اسم ہے جو مفعول ہونے کی علامت پر مفعول ہونے کی حیثیت سے مشتمل ہو خواہ وہ مفعول حقیقتاً ہو جیسے مفاعل خمسہ یا حکماً مفعول ہو یعنی مفعول کے ساتھ ملحق ہو جیسا کہ منصوبات سبعہ اور علامت مفعول چار ہیں (۱) فتحہ (۲) کسرہ (۳) الف (۴) یا جیسے رأیت زیداً میں فتحہ اور رأیت مسلمات میں کسرہ اور رأیت اَبَاكَ میں الف اور رأیت مسلمین میں یا، یہ بھی یاد رہے کہ منصوبات جمع ہے منصوب کی نہ کہ منصوبۃ کی۔ تفصیل ملاحظہ ہو مرفوعات کے بیان میں۔

الاسماءُ المنصوبَةُ اثنا عشر قسماً. المفعولُ المطلقُ وبهٖ وفيهِ ولهٗ ومَعَهٗ والحالُ والتميز والمستثنىٰ واسمُ اِنَّ واخواتِها وخبرُ كَانَ واخواتِها والمنصوبُ بلا التى لِنفِى الجنسِ وخَبَرُ ما ولا المشبَّهَتَين بلَيْس.

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ منصوبات کی بارہ قسمیں ہیں اول مفعول مطلق، دوم مفعول بہ، سوم مفعول فیہ، چہارم مفعول لہٗ پنجم مفعول معہٗ، ان مفاعیل خمسہ کو شاعر نے اپنے شعر میں جمع کیا ہے۔

حمدتُ حمدًا حامدًا وحميدًا رعاية شكرهٖ دهرًا مديدًا

ترجمہ: میں نے تعریف کی تعریف کرنا حامد کی حمید کے ساتھ اس کے شکر کی رعایت کرنے کی وجہ

ایک طویل زمانہ تک اس شعر میں حمدًا مفعول مطلق ہے حامدًا مفعول بہ ہے و حمدًا مفعول معہٗ رعایۃ شکرہ مفعول لہٗ ہے اور دھرًا مدیداً مفعول فیہ ہے فاحفظ۔ یہاں تعدد کے سلسلے میں یہ بھی یاد رکھیں کہ زجاج نحوی مفعول معہ کو مفعول بہ اور مفعول لہٗ کو مفعول مطلق میں شامل کرتے ہیں اسی وجہ سے ان کے یہاں منصوبات کل دس ہیں۔ بہر حال منصوبات میں چھٹا منصوب حال ہے ہفتم تمیز، ہشتم مستثنیٰ، نہم اِنّ وغیرہ کا اسم، دہم کان وغیرہ کی خبر، یازدہم لائے نفی جنس کا اسم منصوب، دوازدہم ما ولا المشبَّھَتین بلَیْس کی خبر۔

نوٹ: قسم یازدہم پر تھوڑی سی توجہ دینے سے آپ کو یہ بات بھی معلوم ہو جائے گی کہ مصنفؒ نے لائے نفی جنس کا اسم نہیں کہا بلکہ منصوب کا لفظ استعمال کیا اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اس لا کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا بلکہ بہت کم منصوب ہوتا ہے اس لیے ضروری ہوا کہ اس اقل کو المنصوب بلا التی لنفی الجنس سے تعبیر کیا جائے بخلاف دیگر منصوبات کے کہ ان منصوبات میں سے بعض مثلاً مستثنیٰ اگر چہ وہ بھی ہر حال میں منصوب نہیں ہوتا بلکہ کبھی مرفوع و مجرور بھی ہوتا ہے مگر چونکہ وہ اکثر احوال میں منصوب ہی ہوتا ہے اس لیے للا کثر حکم الکل کے قاعدہ کے تحت اکثر پر کلی طور پر منصوبات کا حکم نافذ کر دیا۔

فصل المفعولُ المطلقُ وھو مصدر بمعنی فعل مذکور قبله ویذکر للتاکید کضربت ضرباً او لبیان النوع نحو جلست جلسة القاری او لبیان العدد کجلست جلسة او جلستین او جلسات.

ترجمہ: مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو اس فعل کے معنی میں ہو جو اس سے پہلے مذکور ہے اور ذکر کیا جاتا ہے یہ تاکید کے لیے جیسا کہ ضربت ضربًا یا نوع کو بیان کرنے کے لیے جیسے جلست جلسۃ القاری یا عدد کو بیان کرنے کے لیے جیسے جلست جلسة او جلستین او جلسات.

تشریح: منصوبات میں سے پہلی فصل مفعول مطلق کے بیان میں ہے، سب سے پہلے اس کی وجہ تسمیہ یاد رکھیں مفعول مطلق کو مطلق اس وجہ کہتے ہیں کہ یہ دیگر مفاعیل کی طرف۔ فی، با، مع، لام، کی قید کے ساتھ مقید نہیں ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہو کہ یہ خود بھی تو مطلق کی قید کے ساتھ مقید ہے، پھر کیسے کہہ رہے ہیں کہ یہ کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہوتا ہے اس وہم کا جواب آپ یوں دے سکتے ہیں کہ یہاں لفظ مطلق کسی قید کے لیے نہیں ہے، بلکہ مفہوم کے لیے ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قید ہمیشہ مقید سے خارج ہوتی ہے اور اطلاق مطلق کے مفہوم میں داخل ہے خارج نہیں ہے۔ دوسری بات یہ یاد رکھیں کہ منصوبات میں سے سب سے پہلے مفعول مطلق کو کیوں بیان کیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مفعول مطلق فاعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے فعل اصطلاحی کا جزء ہونے میں یعنی جیسے فاعل فعل اصطلاحی کا جزء ہوتا ہے ایسے ہی مفعول مطلق بھی جزء ہے معنی مصدری کے لحاظ سے اور فاعل کو تمام

نوعات پر مقدم کیا اس لیے مفعول مطلق کو بھی تمام منصوبات پر مقدم کر دیا۔

وھو مصدرٌ بمعنیٰ فعل مذکورٍ قبلَه.

یہاں سے مفعول مطلق کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو اس فعل کے معنی میں ہو جو اس سے قبل ذکر کیا گیا ہو جیسے ضربتُ ضرباً کے اندر ضرباً مصدر ہے اور یہ فعل مذکور کے معنی میں بھی ہے۔

فائدہ: یہاں مقام کے لحاظ سے مناسب ہے کہ تعریف میں تعمیم کو مدنظر رکھ لیا جائے، چنانچہ تعریف میں جو لفظ مصدر آیا ہے اس سے مراد عام ہے، خواہ حقیقتاً ہو جیسا کہ مثال مذکور میں یا حکماً ہو جیسے اھلك اللّٰه ویحة کہ اس میں ویحة مصدر نہیں ہے، عین اسم ہے مگر چونکہ یہ مقام بددعاء کے اندر واقع ہے، اس لیے مجازاً یہ اہلاک کے معنی میں ہوگا اب اصل عبارت ہوگی، أھلك اللّٰه ویحة ای إھلاکاً ایسے ہی تعریف میں جو فعل مذکور قبلہ کی قید ہے وہ بھی عام ہے خواہ فعل مصدر سے پہلے حقیقۃً مذکور ہو جیسے نَصرتُ نصراً۔ خواہ تقدیراً ہو جیسے فرمان خداوندی کے اندر آیا ہے فَضَرْبَ الرّقاب۔ اصل عبارت ہے فَاضْرِبُوْا ضَرْبَ الرّقاب۔ ایسے ہی یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مصدر سے پہلے فعل ہی مذکور ہو تب مفعول مطلق بنے گا بلکہ اگر اس سے قبل شبہ فعل بھی مذکور ہے تب بھی مصدر مفعول مطلق واقع ہو جائے گا جیسے زیدٌ ضاربٌ ضَرباً۔

فوائد قیود: فعل مذکور کی قید سے احتراز ہو گیا اس مصدر سے جس سے قبل فعل یا شبہ فعل نہ حقیقۃً مذکور ہوا اور نہ حکماً جیسے الضرب واقع علی زید میں ضرب سے قبل فعل مذکور نہیں ہے۔

اور بمعنی کی قید سے احتراز ہو گیا اس مصدر سے جس سے قبل فعل تو مذکور ہے مگر مصدر کے ہم معنی نہیں ہے جیسے قیامی کرھتُ قیامی کے اندر اگرچہ مصدر بھی ہے اور فعل بھی اس سے قبل مذکور ہے مگر اس کے ہم معنی نہیں ہے۔

ویُذکر للتاکید الخ۔ یہاں سے مصنفؒ مفعول مطلق کی تقسیم بیان فرماتے ہیں کہ مفعول مطلق کبھی تاکید کے لیے آتا ہے اور کبھی عدد یعنی وحدۃ و کثرت کو بیان کرنے کے لیے اور کبھی نوع کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ پتہ کیسے چلے کہ کہاں تاکید کے لیے ہے اور کہاں غیر تاکید کے لیے ہے تو اس کے لیے ہم یہ ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ اگر فعل اور مفعول مطلق دونوں کے معنی برابر ہوں تو مفعول مطلق تاکید کے لیے ہوگا جیسے نصرتُ نصراً میں نصرتُ اور نصراً کے معنی برابر ہیں، اور اگر معنی دونوں کے برابر نہ ہوں بلکہ مفعول مطلق کے معنی میں کچھ زیادتی ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو وہ معنی عدد کو بیان کریں گے یا نوع کو اگر اول ہے تو مفعول مطلق عددی کہلائے گا پھر خواہ وہ عدد یعنی وحدت و کثرت لفظ سے مفہوم ہو رہی ہو یا صفت سے جیسے جلستُ جلسةً اور جلستین (بفتح الجیم) کے اندر جلسة سے ایک مرتبہ کے معنی اور جلستین سے دو مرتبہ کے معنی مفہوم ہو رہے ہیں اور ضربته ضرباً کثیراً میں صفت کثیر سے کثرت کے معنی مفہوم ہو رہے ہیں اور یہ معنی فعل سے زائد ہیں

ہذا یہ مفعوم مطلق عددی ہوگا اور اگر نوع کے معنی بیان کرے تو وہ مفعول مطلق نوعی ہوگا جیسے جَـلَسـتُ جـلسة القاری بکسر الجیم (بیٹھا میں قاری کے بیٹھنے کی طرف)۔

وقد یکونُ من غیر لفظ الفعل المذکور نحو قعدت جُلُوسًا وأنبت نباتًا.

ترجمہ و مطلب: یہاں سے مفعول مطلق کی ایک اور قسم کی جانب اشارہ فرماتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کبھی مفعول مطلق ہوتا ہے بغیر فعل مذکور کے لفظ کے یعنی کہ مفعول مطلق کا مادہ اور فعل کا مادہ مختلف ہوتا ہے مگر معنی دونوں کے واحد ہوتے ہیں جیسے قعدتُ جلوساً کے اندر قعود اور جلوس دونوں کا مادہ مختلف ہے، مگر یہ مفعول مطلق واقع ہورہا ہے چونکہ معنی میں اتحاد ہے اسی سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ جلوساً مفعول مطلق اُسی وقت بنے گا جب کہ دونوں کے معنی مترادف ہوں اور اگر دونوں کے معنی میں ذرا سا بھی فرق آگیا تو مفعول واقع نہ ہوگا جیسا کہ بعض نے تشریح کی ہے کہ قعود کہتے ہیں کھڑے ہونے کے بعد بیٹھنے کو اور جلوس کہتے ہیں لیٹنے کے بعد بیٹھنے کو۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مادہ دونوں کا ایک ہوتا ہے مگر باب مختلف ہوتا ہے کما جاء فی القرآن وتبتل الیه تبتیلا فعل باب تفعل سے ہے اور مصدر مفعول مطلق باب تفعیل سے اور کبھی دونوں میں مجرّد و مزید کا اختلاف ہوجاتا ہے جیسے أنبت نباتاً کے اندر فعل مزید سے ہے اور مفعول مطلق مجرد سے۔

وقد یُحذفُ فیه لقیام قرینة جوازًا کقولک للقادمِ خیر مقدم أی قدمت قدوماً خیر مقدم ووُجوبًا سماعاً نحو سقیًا وشکرا وحمدًا ورعیا أی سقاک الله سقیًا وشکرتک شکراً وحمدتُکَ حمدًا ورَعاک الله رعیاً.

ترجمہ: اور کبھی مفعول مطلق کے فعل کو جوازاً حذف کردیا جاتا ہے قرینہ پائے جانے کی وجہ سے جیسا کہ تیرا قول آنے والے کے لیے خیرَ مقدَمٍ یعنی قدمتَ قدوماً اور کبھی حذف کیا جاتا ہے وجوباً سماعی طور پر جیسے سقیا و حمداً و رعیًا وشکراً یعنی سقاك الله سقیاً وشکرتُك شکرًا وحمدتُك حمدًا ورعاَك الله رَعیًا۔

تشریح: اور کبھی مفعول مطلق کے فعل یعنی اس کے عامل کو قرینہ پائے جانے کے وقت حذف کردیا جاتا ہے جوازی طور پر قرینہ خواہ حالیہ ہو یا مقالیہ جیسے مسافر سے اس کے سفر سے واپس آنے کے بعد بطور اکرام کے کہا جائے خیر مقدم خوش آمدید تو خیر مقدم کے فعل قدمت کو اختصار کی وجہ سے حذف کردیا اور قرینہ اس کے حذف پر مسافر کی حالت ہے مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خیر تو اسم تفصیل کا صیغہ ہے اخیر کا مخفف ہے یہ تو قدمت کے ہم معنی بھی نہیں ہے اور مصدر بھی نہیں پھر یہ مفعول مطلق کیسے واقع ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مصدر ہے باعتبار حذف موصوف کے، اصل عبارت ہے قدمت قدوماً خیر مقدم تو موصوف کو حذف کرکے صفت کو اس کے قائم مقام کر کے

محذوف کا حکم دے دیا۔ لفظ جواز منصوب ہے اس بنا پر کہ یہ صفت ہے مصدر محذوف کی اصل عبارت ہے ای یحذفُ حذفا جائزا لا ختصار مع حصول الغرض بالقرینة۔ اور کقولك خبر ہے مبتداء محذوف کی اور قول مقول کے معنی میں ہے ای مثل مقولك۔

ووجوباً سماعاً۔ اور کبھی اس کے عامل ناصب کو حذف کیا جاتا ہے وجوبی طور سے سماعاً جیسے سقیاً وشکرا و حمداً ورعیاً اصل عبارت ہے سقاك الله سقیا اللہ سیراب کرے تجھ کو سیراب کرنا اور شکراً کی عبارت ہے شکرتك شکراً و حمداً کی حمدتك حمداً اور رعیا کی رعاك الله رعیا اللہ تیری حفاظت کرے، حفاظت کرنا، اہل عرب نے یہاں ان مصادر کے افعال کو کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیفًا وجوبی طور پر حذف کر دیا اور قرینہ ان کے حذف پر دلالت حال ہے چونکہ مثلاً سقیاً اس شخص کے لیے کہا جائے گا جو خیر کی دعا کا طالب ہو۔

تمرین:

مفعول مطلق کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بتلایئے کہ اس کی کتنی قسمیں ہیں (۲) اگر مفعول مطلق اور فعل دونوں کا مادہ مختلف ہو مگر معنی ایک ہوں یا باب مختلف ہو جائے تو کیا وہ بھی مفعول مطلق قرار دیا جائے گا (۳) مفعول مطلق کے فعل کو جوازاً کس مقام پر حذف کیا جاتا ہے اور وجوباً کہاں حذف کیا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں شناخت کیجئے کہ کونسا جملہ مفعول مطلق کی کونسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْراً (اس کو تباہ وغارت کرڈالتے ہیں) وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (اس کے لیے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش کی) أُمطرت مَطرَ السُوْءِ (بُری بارش برسی) وَتَظُنُّوْنَ بِاللهِ الظُّنُوْن (اللہ کے بارے میں طرح طرح کا گمان کر رہے تھے) وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْداً (وہ بہت زیادہ ہلا کر رکھ دیئے گئے) مَرِضْتُ أنَا ثلاثاً. غضب الاستاذُ أشد الغَضب. يَمْشُونَ عَلَى الارضِ هَوْناً (وہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں)۔ ولَا تَبْسُطْهَا كُلَّ البَسْطِ (اور نہ بالکل ہی کھول دو) فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ (پورے طور پر ایک ہی کی طرف مائل نہ ہو جاؤ) يَتلألُؤ وَجْهُهُ تَلألأ الْقَمَرِ (اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا)۔

فصل الثانی المفعُول بہ.

منصوبات کی دوسری قسم ہے مفعول بہ (قیمتی جواہر پارے) مفعول بہ کے اندر بہ جار مجرور اصل کے لحاظ سے لفظ مفعول کا مفعول مالم یسم فاعله ہے ای الفعل الذی فُعل به (جس کے ساتھ کوئی فعل کیا گیا ہو) پھر اصطلاح میں بہ جزء ہو گیا، اصطلاحی مفعول بہ کا بہ میں ضمیر مجرور راجع ہے لام موصول کی طرف جو مفعول کے شروع میں ہے اسی تحقیق پر مفعول فیہ مفعول معہ اور مفعول لہ کو قیاس کر لیجئے۔

وهو اسمُ ما وقع عليه فعلُ الفاعل كضرَب زيدٌ عمرًا.

یہاں سے حضرت المصنفؒ مفعول بہ کی تعریف بیان فرمارہے ہیں کہ مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضربتُ زیداً میں ضرب زید پر واقع ہورہی ہے مگر اس تعریف پر ایک سوال یہ ہوگا کہ یہ تعریف ایاك نعبد میں ایاك ضمیر پر صادق نہیں آتی، اس لیے کہ فعل عبادت اللہ پر واقع نہیں ہوتا بلکہ عبادت اللہ کے لیے کی جاتی ہے حالانکہ ایّاك فعل نعبد کا مفعول بہ ہے۔ **الجواب** یہاں مراد وقوع فعل سے یہ ہے کہ اس اسم کا تعلق فعل کے ساتھ بلاواسطہ ہو اور ایّاك نعبد میں ایّاك کا تعلق نعبد کے ساتھ بلاواسطہ ہے یعنی حرف جر وغیرہ کا کوئی واسطہ نہیں۔

فوائد قیود: ما وقع علیه فعل الفاعل کی قید سے مفاعیل ثلثة سوائے مفعول مطلق کے سب خارج ہوگئے، چونکہ ان پر فعل کا وقوع نہیں ہوتا بلکہ فعل اس میں یا اس کے لیے یا اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو مفعول مطلق بھی اس قید سے خارج ہوگیا کیونکہ دونوں میں مغائرت ہے اس لیے کہ مفعول مطلق اور فعل کے معنی میں اتحاد ہوتا ہے یعنی مفعول مطلق عین فعل ہوتا ہے اور مفعول بہ وفاعل کے فعل میں مغائرت ہے اس لیے کہ ایک شئ اپنے نفس پر واقع نہیں ہوا کرتی۔

وقد يتقدمُ عَلى الفاعلِ كضَرَب عمرًا زيدٌ۔

یہاں سے تقدیم مفعول کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کبھی مفعول فاعل پر مقدم ہوجاتا ہے یہ تقدیم کا مسئلہ اگر چہ فاعل میں آچکا ہے مگر چونکہ وہاں مقصود فاعل کے احکام کو بیان کرنا تھا، اور یہاں اس کو بیان کیا مفعول بہ کے احکام کی حیثیت سے بہرحال تفصیل اس کی وہاں آچکی ہے لہٰذا تفصیل کے طالب وہیں رجوع فرمائیں۔

وقد يُحذف فعلُهُ لقيامِ قرينةٍ جوازًا نحو زيدًا فی جواب مَنْ قَالَ مَن اَضرِبُ.

اور کبھی مفعول بہ کے عامل (خواہ وہ فعل ہو یا شبہ فعل) کو قرینہ کے پائے جانے کے وقت جوازاً حذف کردیا جاتا ہے قرینہ خواہ حالیہ ہو یا مقالیہ جیسے آپ صرف زید کہیں اس شخص کے جواب میں جس نے کہا من اضرب کس کو ماروں آپ نے جواب دیا کہ زید کو، تو یہاں مجیب نے زیداً کے فعل اِضرب کو قرینہ مقالیہ یعنی سائل کے سوال کی وجہ سے حذف کردیا اور قرینہ حالیہ کی مثال جیسے آپ مکة کہیں اس شخص کو دیکھ کر جو مکہ کی طرف جارہا ہو تو یہاں مکہ مفعول بہ کا فعل ترید کو حذف کردیا اصل عبارت ہے تُرِیدُ مکة۔

ووُجُوبًا فی اربعةِ مَوَاضعَ الاوّلُ سماعِیٌّ نحو اِمرأً ونفسَهٗ وانتَهُوا خیرًا لکم واھلا وسھلا والبواقی قیاسیة.

ترجمه: اور مفعول بہ کے فعل کو وجوبی طور پر حذف کردیا جاتا ہے، چار مواقع میں پہلا ان میں سے سماعی ہے جیسے امرأً ونفسه وانتھوا خیراً لکم اور أھلاً وسھلاً اور باقی قیاسی ہیں۔

وجوباً کا عطف ہے جوازاً کے اوپر مطلب عبارت یہ ہے کہ کبھی فعل کو حذف کیا جاتا ہے وجوبی طور سے مگر اس کے صرف چار مواقع ہیں، الاول سماعی پہلا ان چار میں سے سماعی ہے۔ سماعی کہتے ہیں ما یسمع من العرب ولا یقاس علیه یعنی جو اہل عرب سے مسموع ہو مگر اس پر قیاس نہ کیا جا سکے، اور قیاسی کہتے ہیں ما یسمع من العرب ویقاس علیه یعنی جو عرب سے مسموع بھی ہو اور اس پر قیاس بھی کیا جائے۔ مصنفؒ نے مقدم سماعی کو کیا اس لیے کہ وہ ایک ہی ہے پہلے اس سے فارغ ہو جائیں، پھر تفصیل سے قیاسی کو بیان کرتے رہیں گے۔ اس کی مثال بیان فرمائی جیسے امرءً ونفسه ای أترك امرأ ونفسه یعنی مرد اور اس کے نفس کو چھوڑ یعنی اس کو نصیحت وغیرہ مت کر یہ مانے گا نہیں اس کو اس کے حال پر چھوڑ تو یہاں اترک فعل کو حذف کر دیا گیا اہل عرب اس کو فعل کے حذف کے ساتھ ہی بولتے ہیں۔ دوسری مثال دی ہے قرآن کریم میں سے وانتهوا خیرا لکم خیر ا مفعول بہ کا فعل محذوف ہے اور وہ اقصدوا ہے اصل عبارت ہے وانتهوا یا معشر النصریٰ عن التثلیث ای عن قولکم ان الله ثلث ثلثة واقصدوا خیراً لکم ،یعنی اے نصاریٰ کی جماعت تم اپنے اس قول سے باز آجاؤ کہ اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور اپنے لیے بھلائی کا ارادہ کرو، یعنی توحید اختیار کر لو۔

تیسری مثال ہے اهلاً وسهلاً ان دونوں کا فعل محذوف ہے اصل عبارت ہے اتَیتَ اهلاً وطَئتَ سهلاً ،اهل کے معنی آتے ہیں اپنا یا رشتہ دار یعنی غیر کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے، اس لیے اب عبارت یوں ہوگی کہ اَتَیتَ مکاناً اَهلاً لا اَجانِبَ فیه تو اپنے رشتہ داروں میں آیا نہ کہ بیگانوں میں اور سہل کہتے ہیں نرم زمین کو بمقابلہ سخت و ناہموار زمین کے اب اس کی اصل عبارت ہوگی۔ وطیتَ مکانا سَهلاً من البلاد لا حزنا، یعنی تو نے شہروں کی نرم زمین میں سفر کیا نہ کہ سخت و ناہموار زمین میں۔

والبواقی قیاسیةٌ۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان چار مواقع میں سے اول تو سماعی تھا اور باقی تین قیاسی ہیں، یعنی جہاں یہ قواعد ثلثہ میں سے کوئی قاعدہ پایا جائے گا فعل ناصب کو حذف کر دیا جائے گا۔

الثانی التحذیر : مواضع اربعہ میں سے فعل ناصب کو حذف کرنے کا دوسرا موقع تحذیر ہے اس موقع پر فعل کو حذف کیا جاتا ہے تنگیٔ وقت اور قلت فرصت کی وجہ سے تفصیل امثلہ سے ظاہر ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ تحذیر کے لغوی معنی آتے ہیں کسی چیز سے ڈرانا اور اس کو اس سے دور رکھنا۔ اور اصطلاح نحاۃ میں مفعول بہ کی اقسام میں سے اس قسم کا نام ہے جس کو مصنف علیہ الرحمہ اپنے ان الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں۔

وهو معمولٌ بتقدیر اتّقِ تحذیراً مما بعدهٗ.

یعنی تحذیر ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کو اتَّقِ (بعد وغیرہ) فعل کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب کا عمل دیا گیا ہوتا کہ مخاطب کو ما بعد سے ڈرایا جائے۔

نحو ایاکَ والاسَدَ اصلُهٗ اتَّقِکَ والاَسَد.

یہاں ایاک معمول ہے (مفعول بہ) اتَّـقِ فعل مقدر کا اس کو حذف کر دیا اس کے بعد مابعد (محذر منہ) سے ڈرانے کی وجہ سے اس کی اصل عبارت اتـقك والاسـد تھی مگر چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب فاعل ومفعول کی دونوں ضمیروں سے ایک ہی ذات مراد ہو تو ضمیر ثانی کو لفظ نفس سے بدلنا واجب ہو جاتا ہے مگر افعال قلوب اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کہ وہاں اجتماع جائز ہے کما قرأتم فی بحث التنازع، لہٰذا اب اصل عبارت ہوگی اتق نفسك والاسـد پھر جب تنگی مقام کی وجہ سے اتّقِ فعل کو حذف کر دیا تو لفظ نفس کو ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا اب رہی ضمیر متصل اس کو ضمیر منفصل سے بدل دیا اس لیے ایاك والاسد ہو گیا پھر اس مثال میں چونکہ دو لفظ آئے ہیں اور دونوں منصوب ہیں، لہٰذا دونوں کی اصل نکالی جائے اب معنی کلام کے یہ ہوں گے اتـق نفسك من الاسد والاسد من نفسِك تو اپنے آپ کو شیر سے بچا اور شیر کو اپنے سے بچا۔ بہر حال خلاصہ یہی نکلے گا کہ اسد محذر منہ ہے یعنی کہ شیر سے ڈرایا جا رہا ہے۔

نوٹ: تحذیر کے مقام پر یہ ضروری نہیں کہ لفظ اتـق ہی کو مقدر مانا جائے بلکہ اس کے ہم معنی اور الفاظ کو بھی مقدر مانا جا سکتا ہے جیسے بـاعد بمعنی دور رکھ و جانب ایک طرف کو ہٹ نیز تحذیر کے مقام پر اتق وغیرہ کو مقدر ماننے سے اس مفعول سے احتراز ہو جائے گا جو فعل اتق وغیرہ کا معمول نہ ہو، جیسے زیـــداً اس شخص کے جواب میں جس نے کہا من اضرب تو یہاں زید اِضرب کا مفعول ہے لہٰذا یہ تحذیر سے خارج ہے تـحذیراً منصوب ہے یا تو مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ای حذر تحذیراً یا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ای ذکر تحذیراً۔

اور ممابعدہٗ کے اندر من حرف جار اور ما اسم موصول اور بعدہ ظرف موصول کا صلہ ہے یا ما موصوفہ ہے اور بعدہ اس کی صفت اور ضمیر بعدہ کی راجع ہے معمول کی طرف اور پورا جملہ صفت واقع ہو رہا ہے، مصنف کے قول معمول کی ساتھ ہی اس پر بھی توجہ دیں کہ مصنف نے تحذیر کی مثال دیتے وقت ضمیر مخاطب کو استعمال کیا اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ تحذیر کی اس قسم اول کے اندر اکثر و بیشتر ضمیر مخاطب ہی مستعمل ہے اور اسی قسم اول میں گاہے گاہے اسم ظاہر کو بھی لے آتے ہیں جو ضمیر مخاطب کی طرف مضاف ہو جیسے نـفسك والشـر اور تحذیر کی جو دوسری قسم آ رہی ہے اس میں ضمیر مخاطب اور غائب وغیرہ اور اسم ظاہر سب برابر استعمال ہوتے ہیں اور یہیں سے یہ بھی سنتے جائیں کہ تحذیر کی قسم اول میں بالاتفاق فعل محذوف رہتا ہے بخلاف قسم ثانی کے کہ اس میں بعض نحویوں نے فعل کے اظہار کو بھی جائز قرار دیا ہے جیسے کلاَّ اَذا دُکَّتِ الارضُ دکّا دکاً. او ذُکـر الـمحذر منه مکرراً نحو الـطریـق الـطریق ۔ یہاں سے تحذیر کی دوسری قسم کو بیان فرما رہے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ محذر منہ (جس سے ڈرایا جائے) کو مکرر ذکر کیا جائے جیسا کہ مثل مذکور میں الطریق الطریق کو مکرر ذکر کیا گیا ہے، اس کے فعل اتّق یا باعد

حذف کردیا گیا تنگیٔ وقت کی وجہ سے اصل عبارت ہے اتق الطریق ایسے ہی کہا جائے، الجدار الجدار یعنی اتق الجدار اَن یسقُط علیك کہ تو دیوار سے بچ کہیں وہ تیرے اوپر گر نہ جائے، یا ایسے ہی کہا جائے الصبی الصبی ای اتق الصبی ان تطاہ بچہ کو بچا کہ کہیں تو اس کو روندھ دے (تیرے نیچے نہ دب جائے) ہمارے اُردو معاشرہ میں تحذیر کے مقام پر بولا کرتے ہیں، مثلاً سانپ سانپ یعنی کہ سانپ سے بچو کہ وہ کہیں ڈس نہ لے، تحذیر کی اس قسم ثانی میں جو محذر منہ کو مکرر ذکر کیا گیا ہے وہ تاکیداً کیا گیا۔

ترکیب: عبارت ذُکِر فعلِ ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور محذر اس کا نائب فاعل ہے اور منہ محذر کے متعلق ہے اور مکرراً منصوب ہے محذّ رمنہ سے حال ہونے کی وجہ سے اور اس جملہ کا عطف ہے تحذیراً کے عامل ناصب کے اوپر۔

الثالث مَا اُضمِرَ عاملُهُ علٰى شريطة التّفسير.

تیسرا موضوع مفعول بہ کے عامل ناصب کے حذف کا ما اُضمر عامله على شريطة التفسير ہے تعریف ما اُضمِر الخ کی مصنفؒ آگے بیان فرمائیں گے، اس سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ما اُضمر عامله على شريطة التفسير کی وضاحت کردی جائے۔ اُضمر قدّر کے معنی میں ہے یعنی مفعول بہ کے عامل کو مقدر مانا گیا ہو لفظ شریطۃ اور شرط دونوں مترادف ہیں صرف ان کی جمع میں فرق ہے شرط کی جمع شروط ہے اور شریطۃ کی جمع شرائط ہے اور شریطۃ میں تاء موصوف محذوف کی صفت کی مناسبت کی وجہ سے لائی گئی ہے اور وہ موصوف لفظ العلۃ ہے ای علی علة شريطة التفسير اور شريطة کی اضافت تفسیر کی طرف بیانیہ ہے أی بناء علی شريطة هو التفسير۔ اب مطلب سمجھئے کہ مفعول بہ کے عامل ناصب کو مقدر مانا گیا ہو اس علت کی بنیاد پر کہ اس فعل مقدر کی تفسیر آگے آرہی ہے۔

اس تفسیر کی وجہ سے اس کے فعل ناصب کو حذف کردیا اگر اس فعل کو بھی لے آویں تو مفسر بالفتح (جس کی تفسیر کی جارہی ہے) اور مفسر بالکسر (جو تفسیر کررہا ہے) کا اجتماع لازم آئے گا، اور یہ جائز نہیں ہاں مفسر بالفتح اور مفسر بالکسر کا اجتماع اس صورت میں تو جائز ہے جب کہ مفسر کے ذکر کرنے سے ابہام پیدا ہو، اس ابہام کو زائل کرنے کے لیے مفسر کو لے آویں، جیسے جاء نی رجل ای زیدٌ یہاں رجل کے ذکر سے ابہام پیدا ہوا کہ وہ مرد کون ہے، تو اس کی تفسیر زید سے کرکے اس ابہام کو ختم کردیا، کہ وہ مرد زید ہے۔ اب اس تقریر کے بعد ما اُضمر عاملة الخ، کی تعریف مصنفؒ کی زبانی سماعت فرمایئے۔

وهو كل اسمٍ بَعدَهُ فعلٌ او شِبهُهُ يشتَغِلُ ذٰلكَ الفعلُ عنْ ذٰلكَ الاسم بضميرهٖ او متعلِّقه بحيث لو سُلِّط عليه هو او مناسبهُ لنصبه نحو زيدًا ضربتهُ فان زيدًا

منصوبٌ بفعلٍ محذوفٍ مضمرٍ وهو ضربتُ يفسره الفعلُ المذكورُ بعده وهو ضربتُه.

ترجمه: ما أُضمر عاملُه ہر وہ اسم ہے جس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو، اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس طور پر کہ اگر اس فعل یا شبہ فعل کو اس پر مسلط کر دیا جائے یا اس کے مناسب کو تو وہ اس کو ضروری طور پر نصب دیدے، جیسے زیداً ضربته اس میں زیداً منصوب ہے فعل محذوف مقدر کی وجہ سے، اور وہ ضربت ہے جس کی تفسیر وہ فعل کر رہا ہے جو اس کے بعد مذکور ہے اور وہ ضربته ہے۔

تشریح: فرماتے ہیں کہ مَا اُضمر عامله الخ وہ اسم ہے کہ جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو (اس جگہ مراد شبہ فعل سے صرف اسم فاعل واسم مفعول ہیں، مصدر واسم تفضیل وصفت مشبہ مراد نہیں ہے) اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو اس اسم کی (مفعول بہ) ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اس طور پر کہ اگر اس فعل کو یا اس کے مناسب کسی اور فعل کو اس پر مسلط کر دیا جائے، یعنی اس اسم سے پہلے لے آئیں تو وہ فعل اس اسم کو یقینی طور پر نصب دے دے، مصنفؒ کی بیان کردہ مثال سے اس تعریف کو سمجھئے، نحو زیداً ضربته۔ اس مثال میں زید منصوب ہے فعل محذوف مقدر کی وجہ سے اور وہ فعل محذوف ضربتُ ہے اس ضربت فعل محذوف کی تفسیر ضربته کر رہا ہے جو زید مفعول بہ کے بعد مذکور ہے۔

اس کے بعد تعریف کو مثال سے منطبق کیجئے کہ زید ایک اسم ہے اس کے بعد فعل ضربته مذکور ہے یہ فعل اس زید میں عمل نہیں کر رہا ہے، اس وجہ سے کہ یہ فعل ضربته (زید کی) ضمیر میں عمل کر رہا ہے، اگر اس فعل ضربت کو زید پر مسلط کر دیں تو یقیناً یہ زید کو نصب دے دے گا۔ مصنف علیہ الرحمہ نے صرف ایک مثال دی اور وہ یہ کہ فعل اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو اس کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے اگر اس فعل کو مسلط کر دیں تو نصب آ جائے گا باقی اور تین قسم کی امثلہ کو ترک کر دیا اس لیے ہم ان کو مبتدی طلبہ کی آگاہی کے لیے بیان کرتے ہیں۔ مصنفؒ نے فرمایا تھا کہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو اس کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے یا اس کے متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے ضمیر میں عمل کرنے کی مثال تو خود صاحب کتاب نے دے دی ہے اب متعلق میں عمل کرنے کی مثال ملاحظہ فرمایئے۔

زیداً ضربت غلامه ۔ اس مثال میں ضربتُ زیداً میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہے اس لیے کہ زید کے متعلق غلام میں عمل کر رہا ہے اور ضربتُ کو زید پر مقدم نہیں کر سکتے اس لیے کہ اگر ضربت کو مقدم کریں گے تو دو صورتیں ہوں گی یا تو غلام کے ساتھ کریں گے یا بغیر غلام کے اگر غلام کے ساتھ مقدم کریں گے تو زید پر بجائے نصب کے جر آ جائے گا چونکہ عبارت یہ ہو جائے گی صربت غلام زید، اور اگر بغیر غلام کے مقدم کریں تو خلاف مقصود لازم

آئے گا، وہ یہ کہ میں نے زید کو مارا، حالانکہ متکلم کا مقصود یہ تھا کہ میں نے زید کے غلام کو مارا۔ اس لیے ضربت کے مناسب باللزوم کو مسلط کریں گے اور وہ لفظ اهنتُ ہے اب عبارت ہوگی اهنت زیداً کہ میں نے زید کی توہین کی، چونکہ جب کوئی شخص زید کے غلام کو مارے گا تو اس سے زید کی توہین لازمی ہے۔ اس لیے ضربت کے مناسب باللزوم فعل کو مقدم کریں گے، اب ایک مثال مناسب بالترادف کی لے لیجئے، جیسے زیداً مررتُ به اس مثال میں مررتُ فعل زید میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہے، اس کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے یہاں مررت فعل کو زید پر مسلط نہیں کر سکتے، اس لیے کہ اگر با کے ساتھ کریں گے تو زید مجرور ہو جائے گا اور اگر بغیر با کے کریں گے تو فعل لازم کا خواہ مخواہ متعدی ہونا لازم آئے گا۔ اس لیے مررت کے مناسب بالترادُف کو مسلط کریں گے اور وہ جاوزت ہے۔ اب عبارت ہوگی۔ جاوزت زیداً میں نے زید کو پار کیا اور یہی خلاصہ ہے مررتُ به کا کہ میں زید کے ساتھ گذرا۔ تو دونوں فعل کے معنی ایک ہیں اسی کا نام ترادف ہے ایک مثال اور لے لیجئے جیسے زیدا حُبست علیه اس مثال میں حبستُ زید میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہے بوجہ اس کی ضمیر میں جو علیہ کے اندر ہے عمل کرنے کی وجہ سے اس میں حبست فعل کو زید پر مقدم نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ اگر علی کے ساتھ کریں گے تو بجائے نصب کے جر آ جائے گا اور اگر بغیر علیٰ کے کریں گے تو مفعول ہو جائے گا اس لیے کہ حبست کی ضمیر متکلم اس کا نائب فاعل ہے لہٰذا اس کا مناسب باللزوم لابَستُ کو مسلط کریں گے، چونکہ حبست کے معنی ہیں محبوس کیا گیا اس کی وجہ سے اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ کوئی شخص کسی جرم میں قید نہیں ہوا کرتا جب تک کہ مجرم اور اس شخص میں کسی قسم کا تعلق نہ ہو تو گویا کہ حبست لا بستُ کے معنی کو لازم ہے اور لا بست کے معنی ہیں تعلق و میل جول کرنا یہ چار مثالیں ہم نے تعریف کے الفاظ پر غور کرتے ہوئے بیان کرنا طلبہ کی آسانی کے لیے ضروری سمجھیں، اور اگر غور کیا جائے تو چار ہی مثالیں اور ہونی چاہئیں چونکہ مذکورہ مثالیں تو فعل کی تھیں اور چار شبہ فعل کو مقدم کرنے کی ہونی چاہئیں اگر آپ ان چار میں غور کریں تو دوسری چار کا نکالنا کوئی دشوار نہیں (۱) زیداً اَنا ضاربُ اِیّاه کہ ضاربٌ زید میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہے، اس کی ضمیر میں عمل کرنے کی وجہ سے اب اگر ضارب کو زیداً پر مسلط کر دیں تو نصب آ جائے گا (۲) زیداً انا ضاربٌ غلامهٗ اس مثال میں ضارب زید کے متعلق غلام میں عمل کرنے کی وجہ سے زیداً میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو اور یہاں ضارب کو بھی زید پر مقدم نہیں کر سکتے، اس کی علت فعل کی مثال میں ملاحظہ کر لی جائے، لہٰذا ضاربٌ کا مناسب باللزوم مهينٌ کو اگر مقدم کر دیں تو یقیناً نصب دیدے گا (۳) زیداً انا مارٌ به، یہ مثال مناسب بالترادف کی ہے، کہ مارٌ کو زید پر مقدم نہیں کر سکتے، لہٰذا اس کے مناسب بالترادف انا مجاوز کو اگر مسلط کریں گے تو ضرور نصب آ جائے گا (۴) زیداً انا محبوسُ علیه اس مثال میں محبوسٌ زید میں عمل کرنے سے اعراض

رہا ہے بوجہ اس کی ضمیر میں عمل کرنے کے اور محبوس کو بھی علت مذکورہ کی وجہ سے مقدم نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اس کا مناسب باللزوم ملابسُ کو اگر مقدم کر دیں گے تو زیداً کو ضرور نصب دے دے گا۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔

ولهٰذا الباب فروعٌ كثيرةٌ.

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس باب ما اُضمر عامله کی بہت سی فروعات ہیں، جو مطولات میں مذکور ہیں ہم نے اپنی مختصر میں ان کو مبتدی طلبہ کے لیے بیان کرنا مناسب نہ سمجھا جن کو شوق ہو وہ کافیہ وغیرہ کی طرف رجوع فرمائیں، نہیں تو حاشیہ کتاب ضرور دیکھیں۔

الرابع المنادىٰ.

ان مواضع میں سے جہاں مفعول کے فعل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے چوتھا موضع منادیٰ ہے منادی کے لغوی معنی ہیں طلب کیا ہوا پکارا ہوا اور اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں۔

وهو اسمٌ مدعوٌّ بحرف النداءِ لفظًا نحو يا عبدَ الله اى اَدعو عبدَ الله وحرفُ النداءِ قائمٌ مقام اَدعو.

ترجمه و مطلب: منادیٰ وہ اسم ہے کہ جس کو حرف نداء کے واسطہ سے پکارا گیا ہو وہ حرف نداء خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً لفظاً جیسے یا عبد اللّٰہ ای ادعو عبد اللّٰہ یعنی کہ یا عبد اللّٰہ کی اصل ہے ادعو عبد اللّٰہ ادعوا فعل کو حذف کر کے یا حرف نداء کو اس کے قائم مقام کر دیا۔

فائده: یہاں پہنچ کر یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جس کو آپ پکار رہے ہیں کبھی تو اس میں سننے اور متوجہ ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی اگر سننے کی صلاحیت ہے تو اس کو توجہ حقیقی کہیں گے خواہ اس کو چہرہ کے لحاظ سے اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو جیسا کہ کوئی شخص آپ سے پشت پھیرے کھڑا ہے اور آپ سے بات بھی کر رہا ہے تو آپ اس کو اپنی طرف چہرہ کے لحاظ سے متوجہ کرنا چاہیں اس کا نام توجہ حقیقی وجہی ہوگا ایک شکل یہ ہے کہ وہ آپ ہی کی طرف چہرہ کئے ہوئے ہے مگر دل سے متوجہ نہیں تو آپ اس کو قلبی لحاظ سے متوجہ کرنے کے لیے یا عبداللّٰہ وغیرہ کہہ کر پکاریں یہ توجہ حقیقی قلبی ہوگی، اور کبھی ایسا ہوگا کہ اس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہوگی لیکن آپ اس کو بمنزلہ اس چیز کے فرض کریں کہ جس میں متوجہ ہونے کی صلاحیت ہے اس پر حرف نداء کو داخل کر کے پکاریں جیسے یا جبال یا ارض وغیرہ اس توجہ کا نام ہے توجہ حکمی۔

فوائد قیود: مصنفؒ نے منادیٰ کے لیے حرف نداء کی قید لگائی لہٰذا (اس قید سے ادعو زیداً خارج ہو جائے گا) چونکہ زید اگرچہ پکارا تو جا رہا ہے مگر حرف ندا کے ذریعہ نہیں، لہٰذا یہ منادی کی بحث سے خارج ہے، وحرف النداء قائم مقام اَدعو۔ یہاں سے مصنفؒ اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ حرف نداء پانچوں حرف

میں سے کوئی بھی ہو ہمیشہ ادعو وغیرہ فعل کے قائم مقام ہوتا ہے اور منادیٰ کے اندر فعل ناصب کو جو حذف کیا جاتا ہے اس کی وجہ کثرت استعمال ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تا کہ نائب اور اصل کا اجتماع لازم نہ آئے۔

نوٹ: ابھی آپ نے یہ بتلایا کہ حرف نداء اَدعو فعل کے قائم مقام ہوتا ہے یہ دو وجہ سے صحیح نہیں، اول اس لیے کہ فعل کو حذف کر کے حرف نداء کو اس کے قائم مقام بنائیں گے تو جملہ ندائیہ کا خبریہ ہونا لازم آئے گا، چونکہ نداء از قبیلۂ انشاء ہے اور اَدعو فعل فاعل جملہ خبریہ، دوسری وجہ یہ ہے کہ اَدعو زیداً حکایت مع الغیر کا بھی احتمال رکھتا ہے اور یا زید میں غیر کا احتمال بالکل نہیں لہٰذا حرف نداء کا اَدعو کے قائم مقام ہونا کیسے صحیح ہوگا۔

الجواب عن السوال الأول فعل کے لیے ضروری نہیں کہ وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہی ہو، ہوسکتا ہے کہ مراد فعل سے انشاء ہو جیسا کہ بعت واشتریت فعل ہیں، مگر انشاء کے قبیل سے ہیں ایسے ہی ادعو بھی از قبیل انشاء ہے۔

الجواب عن السوال الثانی: دراصل یا زید کی اصل ادعوک ہے تو یہاں مظہر کو مضمر کے قائم مقام کر کے ادعو زیداً کہہ دیا گیا۔

نوٹ: نسخہ میں ادعوا الف کے ساتھ غلط ہے۔

وحُرُوف النداءِ خمسةٌ یا وأیا وھیا وای والھمزةُ المفتوحةُ.

اور حروف نداء پانچ ہیں (۱) یَا (۲) ایا (۳) ھَیَا (٤) اَیْ (٥) ھمزة مفتوحه۔ ای اور ہمزۂ مفتوحہ قریب کی نداء کے لیے ہیں اَیَا وھَیَا بعید کے لیے اور یا دونوں کے لیے ہے۔

وقد یُحذف حرفُ النداءِ لفظاً.

اور کبھی منادیٰ سے حرف نداء کو لفظاً تخفیف کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے، مگر یہ قاعدہ جوازِ حذف کا اس وقت ہے جب کہ اسم جنس اور اسم اشارہ اور مستغاث ومندوب نہ ہو، چونکہ ان چاروں میں حرف نداء کو حذف کرنا جائز نہیں ہے۔

نحو یُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ھٰذا.

اللہ کے اس فرمان میں یوسف منادیٰ سے پہلے حرف نداء محذوف ہے اور قرینہ یہ ہے کہ اگر محذوف نہ مانیں تو اس صورت میں اَعرِض عن ھذا جملہ انشائیہ کا یوسف مبتداء کی خبر ہونا لازم آئے گا جو کہ لا یجوز اس لیے معلوم ہوا کہ حرف نداء محذوف ہے اب یوسف منادی اور اعرض عن ھذا جواب نداء ہے۔

نوٹ: آپ نے ابھی مسئلہ بیان کیا کہ حرف نداء کو حذف بھی کر سکتے ہیں یہ تو صحیح نہیں اس لیے کہ حرف نداء نائب ہے فعل کا اگر اس کو بھی حذف کر دیں گے تو نائب اور اصل دونوں کا حذف لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں۔

الجواب: آپ کا اعتراض بجا ہے کہ دونوں کو حذف کرنا ناجائز ہے مگر آپ کو یہ بھی تو معلوم ہونا چاہئے

اگر نائب کا نائب موجود ہے پھر تو حذف کرنا جائز ہے اور یہاں حرف نداء نائب کا نائب قرینہ موجود ہے۔
ایک مسئلہ یہ یاد رکھیں کہ حرف نداء کو کبھی حذف کیا جاتا ہے اس کا عوض ہونے کی وجہ سے جیسے اللّٰھم کہ اس میں میم مشدد حرف نداء کے عوض میں ہے۔

واعلم انَّ المنادٰی علٰی اَقسامٍ.

مصنفؒ منادیٰ کی تعریف سے فارغ ہو کر اس کے اقسام واحکام کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ منادیٰ کی بہت سی قسمیں ہیں۔

فان کان مفرداً معرفةً یُبنٰی علٰی عَلَامةِ الرفعِ کالضمةِ ونحوِھَا نحو یا زیدُ ویا رَجُلُ ویا زَیدان ویا زیدونَ.

ترجمہ: پس اگر منادی مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی ہوگا علامت رفع پر جیسا کہ ضمہ وغیرہ جیسے یا زیدُ ویا رَجُلُ ویا زَیدان ویا زیدونَ.

تشریح: قسم اول یہ ہے کہ اگر منادی مفرد معرفہ ہو مفرد سے مراد یہ ہے کہ وہ مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو اور معرفہ سے مراد یہ ہے کہ وہ نکرہ نہ ہو وہ معرفہ خواہ قبل النداء ہو یا بعد از نداء ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ وہ منادیٰ مبنی ہوگا رفع کی علامت پر رفع کی علامت خواہ ضمہ ہو یا الف جیسا کہ تثنیہ میں الف رفع کی علامت ہے اور خواہ وہ علامت رفع واؤ ہو جیسا کہ جمع مذکر سالم میں واؤ رفع کی علامت۔ یا زید یہ مثال ہے منادیٰ مفرد معرفہ قبل النداء کی یا رجل یہ مثال ہے منادیٰ مفرد معرفہ بعد النداء کی یا زیدان ویا رجلان یہ مثال ہیں اس منادی کی جو الف پر مبنی ہیں، یا زیدون مثال ہے اس منادی کی جو واؤ پر مبنی ہے آخر کی دو مثالوں کی طرف توجہ مبذول فرمائیے ان دونوں کو مصنفؒ نے بغیر الف لام کے بیان کیا، جب کہ مشہور یہ ہے کہ ان امثلہ کو معرف باللام استعمال کیا جاتا ہے جیسے جاءنی الزیدان والزیدون آخر ایسا کیوں کیا۔ جناب من اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ مشہور مخصوص ہے غیر مناوی کے ساتھ اور یہی وجہ ہے کہ منادیٰ میں نکرہ کو بھی بغیر معرف باللام ہی لایا جاتا ہے جیسے رجلان اس کو یا الرجلان نہیں استعمال کرتے۔

نوٹ: منادیٰ کی یہ قسم مبنی کیوں ہے اور دوسرے اگر مبنی ہے تو حرکت پر مبنی کیوں سکون پر کیوں نہیں جو کہ بناء میں اصل ہے تیسرے اگر حرکت پر مبنی ہے تو علامت رفع پر ہی کیوں ہے۔

الجواب عن السوال الاول: مبنی اس وجہ سے ہے کہ یاء ادعو کے قائم مقام ہے، اور زید: ک، یعنی کاف خطاب کے قائم مقام ہے، اور یہ کاف، ذلک کے کاف کے مشابہ ہے جو حرف ہونے کی وجہ سے مبنی الاصل ہے اور کاف اسمی اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہے اور اس کی جگہ زید (جو اسم ظاہر ہے) واقع ہے، لہٰذا وہ بھی

مبنی ہوا۔

نوٹ: کاف اسمی اس کاف کو کہتے ہیں جس کی جگہ اسم آ سکے، جیسے أدعوك کا کاف کہ یہاں کاف کو ہٹا کر ادعوا زیداً کہہ سکتے ہیں، اور کاف حرفی ہمیشہ حرفی ہی رہتا ہے، اس کو ہٹا کر کوئی اسم اس کی جگہ نہیں رکھ سکتے، جیسے ذلك کا کاف کہ اس کی جگہ میں کوئی اسم نہیں آ سکتا۔

الجواب عن السوال الثاني: جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ یہ مشابہت کی وجہ سے مبنی ہے تو گویا کہ اصل مبنی نہیں بلکہ بناء عارضی ہے لہٰذا مبنی اصل اور مبنی عارضی میں فرق پیدا کرنے کے لیے حرکت پر مبنی کیا۔

الجواب عن السوال الثالث: اگر علامت رفع پر مبنی نہ کرتے بلکہ کسرہ پر کرتے تو اس منادیٰ کے ساتھ التباس لازم آتا جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف اور پھر یاء متکلم کو حذف کر کے کسرہ پر اکتفاء کر لیا گیا ہو، جیسے یا غلام (بکسر المیم) اور یارب کہ اصل میں یا غلامی ویاربی تھا اور اگر فتحہ پر مبنی کرتے تو اس منادیٰ کے ساتھ التباس لازم آتا جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف پھر یاء کو الف سے بدل دیا ہو پھر الف کو حذف کر کے فتحہ پر اکتفاء کر لیا گیا ہو، جیسے یا غلام (بفتح المیم) کہ اصل میں یاغلامی تھا اس وجہ سے علامت رفع پر مبنی کیا۔

ویُخفَضُ بلام الاستغاثةِ نحو یا لزیدٍ.

ترجمہ: اور منادی مجرور ہوتا ہے لام استغاثہ کی وجہ سے جیسے یالزید۔

تشریح: یہاں سے منادیٰ معرب کو بیان کرتے ہیں۔ منادیٰ مجرور ہوتا ہے لام استغاثہ کی وجہ سے استغاثہ کے لغوی معنی ہیں فریاد طلب کرنا اصطلاح میں کہتے ہیں کہ مظلوم کا کسی سے فریاد چاہنا، جو اس سے ظلم کو دور کر دے، استغاثہ کی اسی تعریف سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ایک فریاد چاہنے والا ہوگا جس کو مستغیث کہیں گے، اور ایک وہ کہ جس کے لیے فریاد طلب کی جا رہی ہے یعنی مظلوم اس کو مستغاث لہ کہیں گے، اور ایک وہ کہ جس سے فریاد چاہی جائے جیسے حاکم، قاضی، بادشاہ وغیرہ اس کو مستغاث کہیں گے، یہ بھی یاد رہے کہ یہ لام استغاثہ جس کی وجہ سے منادی مجرور ہو رہا ہے، درحقیقت لام جارہ ہی ہے مگر خود یہ لام مکسور نہیں ہوتا بلکہ مفتوح ہوتا ہے، اور وجہ اس کے مفتوح ہونے کی یہ ہے کہ لام جارہ جیسے مستغاث پر داخل ہوتا ہے ایسے ہی مستغاث لہ پر بھی داخل ہوتا ہے اور وہ لام مستغاث لہ مجرور ہوتا ہے جیسے یا للمظلوم پھر ایسا بھی کرتے ہیں کہ مستغاث کو حذف کر دیتے ہیں صرف مستغاث لہ کو باقی رکھ چھوڑتے ہیں، تو اس صورت میں مستغاث کا مستغاث لہ کے ساتھ التباس لازم آئے گا تو خلاصہ یہ کہ لام مستغاث و مستغاث لہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے مستغاث کا لام مفتوح ہوتا ہے اب کوئی یہ سوال کرے کہ اس کا برعکس کیوں نہ کر دیا، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مستغاث کاف ضمیر خطاب کی جگہ میں واقع ہے اور اس ضمیر پر جب لام جارہ داخل ہوتا ہے تو مفتوح ہوتا ہے جیسے لك لـــــہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ لام بھی مفتوح ہی ہوگا اس کا

بجالس نہ ہوگا۔

آمدم برسر مطلب: لام استغاثہ کی وجہ سے منادی مجرور ہوتا ہے جیسے یا لزید ۔اب رہی یہ بات کہ یہ منادی مجرور کیوں ہوتا ہے اس کو بھی مبنی علی الضم ہونا چاہئے چونکہ آپ نے حال ہی میں بیان کیا کہ یہ مستغاث بھی کاف خطاب کی جگہ میں واقع ہے لہٰذا مبنی علی الضم ہونا چاہئے۔

الجواب: یہاں دو عامل جمع ہو گئے ایک یا اور ایک لام جارۃ اور یا عامل معنوی ہے چونکہ وہ أدعوك کی جگہ میں ہے۔ اور لام جارہ عامل لفظی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جہاں عامل لفظی اور معنوی دونوں جمع ہو جائیں تو عامل لفظی ہی کو عمل دیا جاتا ہے نیز لام جارۃ مستغاث کے قریب ہے اور یا بعید ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ قریب والے عامل کو عمل دیا جاتا ہے اس لحاظ سے بھی لام جارہ ہی عمل کا مستحق سمجھا گیا۔

و يفتَح بالحاق الفها نحو يا زيداه ويُنصَبُ ان كان مُضَافاً نحو يا عبدَ اللهِ او مُشابِهًا للمُضَافِ نحو يا طالعاً جبلاً او نكرةً غيرَ مُعيّنةٍ كقول الاعْمٰى يا رجُلاً خُذْ بيدِي.

ترجمہ و تشریح: اور جب منادیٰ پر الف استغاثہ داخل ہو تو منادی مبنی ہوگا فتحہ پر جیسے یا زیداہ ۔اب رہی یہ بات کہ یہ مبنی کیوں ہوگا سو اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ یہ بھی کاف خطاب ادعوك کی جگہ میں واقع ہے۔ اور فتح پر مبنی اس لیے ہوگا کہ اس کے آخر میں الف استغاثہ ہے اور الف ہمیشہ اپنے ماقبل فتحہ چاہتا ہے۔ اس لیے فتحہ پر مبنی ہوگا۔

ويُنصَبُ ان كان مُضَافاً. یہاں سے مصنفؒ منادیٰ معرب منصوب کو بیان فرما رہے ہیں کہ منادیٰ منصوب ہوگا اگر مضاف ہو جیسے یا عبد الله یا مشابہ مضاف ہو مشابہ مضاف کہتے ہیں اس اسم کو جس کا تعلق کسی ایسی شیٔ کے ساتھ ہو کہ جس کے بغیر اس کے پورے معنی نہ سمجھے جا سکیں جیسے مضاف مضاف الیہ کا اپنے معنی کی تمامیت میں محتاج ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی اپنے معنی کے تمام ہونے میں دوسرے کلمہ کا محتاج ہوتا ہے جیسے یا طالعاً جبلاً اے پہاڑ پر چڑھنے والے تو اس مثال میں طالعاً اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے معنی جبلاً وغیرہ کے ملائے بغیر تام نہیں ہوتے۔ یا منادی مفرد تو ہو مگر معرفہ نہ ہو، بلکہ نکرہ غیر معینہ ہو، جیسے نابینا کا قول یا رجلا خذ بیدی (اے مرد میرا ہاتھ پکڑ لے) یہاں مصنفؒ کی عبارت نکرہ غیر معینہ پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نکرۃ کو غیر معین کی قید کے ساتھ کیوں مقید کیا نکرہ تو ہمیشہ ہوتا ہی غیر معین ہے۔

الجواب: نکرہ چونکہ حرف نداء کے داخل ہونے کے بعد معرفہ بن جاتا ہے مگر یہ نکرہ ایسا ہے کہ بعد دخول حرف نداء کے بھی نکرۃ ہی رہتا ہے اس لیے کہ جب نابینا کسی کو اپنی مدد کے لیے پکارے گا تو کسی خاص شخص کو نہیں بلکہ جو بھی بروقت اس کا ہاتھ پکڑ کر مدد کردے، تو چونکہ یہ نکرہ حرف نداء کے دخول کے بعد بھی غیر معین ہی رہا اس لیے

لگانے کی ضرورت پیش آئی، اب ایک بات یہ باقی رہ جاتی ہے کہ ان صورِ ثلثہ میں منادیٰ معرب منصوب کیوں ہوتا ہے؟

الجواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سب صورتوں میں منادی مفعول ہوتا ہے اس وجہ سے منصوب ہوگا۔

وانْ كان مُعرَّفاً باللام قيل يا ايها الرجل ويا ايّتها المرأةُ.

ترجمہ : اور اگر منادیٰ معرف باللام ہو تو کہا جائے گا: يا ايّها الرجل ويا ايتها المرأةُ.

تشریح : یہاں سے مصنفؒ اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اسم معرف باللام ہو اور اس پر حرف نداء داخل کرنا چاہیں تو کیا ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں، اور اگر کر سکتے ہیں تو اس کا طریقہ کیا ہے مصنف نے بیان فرمایا کہ معرف باللام پر حرف نداء داخل کر سکتے ہیں اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ منادی معرف باللام اور حرف نداء کے مابین لفظ اَیُّ و اَیَۃُ کا مع ہا تنبیہ کے فاصلہ لے آئیں تا کہ دو آلۂ تعریف کا اجتماع لازم نہ آئے جیسے يا ايّها الرجل ويا ايها الإنسان ويا ايّها المرأةُ. وَيَا اَيَتُها النَّفْسُ المُطمَئِنَّة وغیرہ۔

ويجوز ترخيمُ المنادىٰ وهو حذفٌ في آخِرِهٖ للتخفيفِ.

ترجمہ : اور منادی کو مرخم کرنا جائز ہے اور ترخیم کہتے ہیں منادیٰ کے آخر سے حرف کو حذف کرنا تخفیف کی وجہ سے۔

تشریح: ترخیم کے لغوی معنی آتے ہیں التلیین کے آواز یا کلام کو نرم کرنا اور اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ ترخیم کہتے ہیں منادیٰ کے آخر سے حرف کے حذف کرنے کو اور یہ حذف صرف تخفیف کی وجہ سے ہو۔

كما تقول في مالِكٍ يا مالُ وفي منصورٍ يا مَنْصُ وفي عُثمانَ يا عُثْمُ.

یہاں سے مصنفؒ منادی مرخم کی مثالیں بیان فرماتے ہیں کہ جیسے مالك میں يا مال اور منصور میں يا منص اور عثمانُ میں یا عُثْمُ کہیں۔ مصنف۔ نے یہاں ایک مثال پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ تین مثالیں دی اس سے اس طرف اشارہ کیا کہ منادی جب کہ مرکب نہ ہو کبھی اس سے ایک حرف کو حذف کیا جاتا ہے کبھی دو حرف کو کبھی تین حرف کو اور قاعدہ اس کے لیے یہ ہے کہ اگر منادیٰ کے آخر میں ایسے دو حرف کی زیادتی ہو جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہو تو ترخیم کرتے وقت بھی دونوں زائد حرف ایک ساتھ ہی حذف کئے جائیں، جیسے عثمان اور اسماء کہ ان دونوں میں دو دو حرفوں کی زیادتی ایک ساتھ ہوئی ہے لہٰذا بوقت ترخیم بھی ایک ساتھ محذوف ہوں گے لہٰذا عثمان میں یا عثم اور اسماء میں یا اسم کہیں گے۔

(۲) دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ منادیٰ کے آخر میں اگر حرف صحیح اصلی (وہ حرف اصلی لام کلمہ کی جگہ خواہ حرف علت ہو) اور ماقبل اس کے مدہ ہو تو عند الترخیم دو حرفوں کو حذف کیا جائے گا شرط یہ ہے کہ وہ اسم چار حروف سے زائد ہو جیسے منصور اور عمار کہ ان میں ترخیم کے وقت دو حروف حذف کئے جائیں گے ایک حرف صحیح دوسرا حرف مدہ لہٰذا منصو

یا منص اور عمار میں یا عم کہیں گے۔

(۳) اگر منادی مرکب ہو اور مرکب سے مراد یہ ہے کہ وہ مرکب اضافی اور مرکب اسنادی نہ ہو تو ترخیم کرتے وقت اسم اخیر کو حذف کر دیا جائے گا۔ جیسے بعلبك میں یا بعل اور خمسة عشر میں جب کہ یہ کسی کا علم ہو تو یا خمسة کہیں گے اس مرکب میں دونوں کلموں کو کلمۂ واحدة کے حکم میں مانا پھر اسم ثانی کو بمنزلہ حرف اخیر کے قرار دے کر حذف کر دیا گیا۔

(۴) ہم نے اوپر جو تین قسمیں بیان کیں اگر ان میں سے کوئی بھی قسم نہ ہو تو صرف ایک ہی حرف کو حذف کیا جائے گا چونکہ تخفیف ایک ہی حرف کے حذف سے حاصل ہوتی ہے جیسے: مالك میں یا مال، اور حارث میں یا حارُ کہیں گے۔

ویجوزُ فی آخِر المنادی المرَخَّمِ الضمُّ والحركةُ الاصليةُ كما تقولُ فی یا حارث یا حارُ ویاحارِ.

ترجمہ و مطلب: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ منادیٰ مرخم کو کون سی حرکت دی جائے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس کو مضموم بھی پڑھ سکتے ہیں، اس بنیاد پر کہ اس کو اسم مستقل مان لیا جائے اور محذوف کو نسیًا منسیّا کر دیا جائے، گویا کہ اس سے کوئی حرف حذف ہوا ہی نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ منادیٰ مرخم کو حرکتِ اصلیہ کے ساتھ پڑھیں اس بنیاد پر کہ حرف محذوف ثابت کے حکم میں ہو۔ لہٰذا جس حرکت پر قبل از ترخیم تھا اسی پر اب بھی باقی ہے لہٰذا یا مالك میں یا مال بالضم والکسر دونوں پڑھ سکتے ہیں ایسے ہی یا حارث میں یا حارُ بالضم والکسر دونوں جائز ہے، یہ سمجھا جائے کہ اس کے اخیر سے کوئی حرف حذف ہوا ہی نہیں۔

واعلم اَنَّ یامِن حُروفِ النداءِ قد تستعمل فی المندوب ایضاً وهو المتفجَّعُ علَیه بَیا او واكما یقالُ یا زیداه و وازیداه.

ترجمہ و تشریح: یہاں سے ایک نئی بات بتانا چاہتے ہیں کہ کلمہ یا، حروف نداء میں سے کبھی استعمال کی جاتی ہے مندوب کے اندر بھی مندوب باب نصر ینصرُ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کے لغوی معنی آتے ہیں میت پر اس کے محاسن واوصاف کو بیان کر کے رونا تاکہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا مرنا کوئی معمولی حادثہ نہیں بلکہ ایک عظیم سانحہ ہے اس لیے دیکھنے والے بھی اس کو معذور سمجھیں اور اس کے ساتھ رونے میں شریک ہو جائیں۔ وفی الاصطلاح اور اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ مندوب وہ شخص ہے کہ جس پر لفظ یاء یا لفظ وا سے رویا جائے پھر متفجع علیه کی دو قسمیں ہیں ایک وجوداً اور ثانی عدماً متفجع علیه عدماً وہ شئی ہے کہ جس کے معدوم ہونے پر دردمندی کا اظہار کیا جائے، جیسا کہ میت پر نوحہ کرنے والا اگر یہ وزاری کرے

سنائیوں کہے یا زیداہ یا وازیداہ اور متفجع علیہ وجوداً کا مطلب یہ ہے کہ مندوب کے مفقود ہونے پر جو پریشانیاں پیش آتی ہیں ان پر اظہار دردمندی کیا جائے کیونکہ مندوب کی موجودگی ان پریشانیوں کا سد باب تھی وہ رخصت ہوا تو پریشانیوں کا دروزاہ کھل گیا اب کوئی میرانہ مونس رہا اور نہ پُرسانِ حال۔

نوٹ: مندوب کے آخر میں درازئ صوت کے لیے ہاء بھی زیادہ کردیتے ہیں جیسا کہ مثال مذکور میں۔

فوامختصَّةٌ بالمندوب ویا مشترکةٌ بین النداءِ والمندُوب.

ترجمہ: پس ''وا'' خاص ہے مندوب کے ساتھ اور یاء مشترک ہے نداء اور مندوب کے درمیان۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ کلمہ وا اور یا میں فرق بیان فرمارہے ہیں کہ کلمہ وا مندوب کے ساتھ خاص ہے، غیر مندوب میں کبھی بھی استعمال نہیں ہوتا اور کلمہ یا نداء اور مندوب دونوں کے درمیان مشترک ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ کلمہ یاء مندوب میں جب استعمال ہوگی تو قرینہ کے ساتھ استعمال ہوگی اور وہ قرینہ الف ہے جو مندوب کے آخر میں لاحق ہوتا ہے نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ حروف نداء میں سے مندوب میں صرف یا ہی استعمال ہوتی ہے اس کے مشہور ہونے کی وجہ سے۔

وحکمُهٗ فی الاعراب والبناءِ مثل حکمِ المنادیٰ.

یہاں سے مندوب کا حکم بیان فرمارہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جس صورت میں منادیٰ معرب ہوتا ہے مندوب بھی اس صورت میں معرب ہوتا ہے اور جس صورت میں منادیٰ مبنی ہوتا ہے مندوب بھی اس صورت میں مبنی ہی ہوتا ہے مثلاً منادیٰ مفرد معرفہ مضموم ہوتا ہے ایسے ہی مندوب بھی مضموم ہوگا اور جیسے منادیٰ جب کہ مضاف یا مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے ایسے ہی مندوب بھی ایسی حالت میں منصوب ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

تمرین:

مفعول بہ کی جامع مانع تعریف کیجئے (۲) مفعول بہ کے فعل کو جوازاً حذف کرنے کی ایسی دو مثالیں بیان فرمایئے جن میں سے ایک میں فعل کو قرینۂ حالیہ کی وجہ سے حذف کیا گیا ہو، دوسری میں قرینہ مقالیہ کی وجہ سے (۳) تحذیر کی تعریف کیجئے اور اس کی دونوں قسموں کو وضاحت کے ساتھ سمجھایئے (۴) ما أضمر عامله علی شریطة التفسیر کی تعریف بیان فرمایئے (۵) منادیٰ کی تعریف بیان فرمایئے (۶) منادیٰ کے اعراب کی کل کتنی صورتیں ہیں (۷) منادیٰ معرف باللام پر کیا حرف نداء داخل کرسکتے ہیں اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ (۸) ترخیم کی تعریف بیان کیجئے (۹) مندوب کے لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف بیان کیجئے (۱۰) معرب اور مبنی ہونے کے اعتبار سے مندوب کا کیا حکم ہے بیان کیجئے۔

فصل المفعولُ فِیهِ هو اسمُ مَا وقع فعلُ الفاعِلِ فیه من الزمانِ والمکانِ ویسمّٰی

ظرفاً.

ترجمہ : مفعول فیہ وہ اسم ہے کہ جس میں فاعل کا فعل واقع ہو خواہ وہ زمان ہو یا مکان اور اس کا نام رکھا جاتا ہے ظرف۔

تشریح: یہاں مفاعیل خمسہ میں سے مفعول سوم کو بیان فرمارہے ہیں۔مفعول فیہ کو بقیہ دو مفعول پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ مفعول فیہ بذکر فی و بحذف فی بہر صورت نائب فاعل بن جاتا ہے اور مفعول لہ جب کہ بحذف لام ہو تو نائب نہیں بن سکتا اور مفعول معہ تو کسی بھی صورت میں فاعل کا قائم مقام نہیں بن سکتا ،تعریف مفعول فیہ۔

مفعول فیہ وہ اسم ہے جس میں فاعل کا فعل واقع ہو فعل سے مراد فعل اصطلاحی نہیں ہے بلکہ فعل لغوی ہے یعنی مصدری معنی اس میں اس لحاظ سے اسم فاعل و اسم مفعول مصدر وغیرہ سب تعریف میں شامل ہو جائیں گے۔ مــن الـزمان والمکان اس میں من بیانیہ ہے اس سے مصنفؒ نے مفعول فیہ کی دو قسموں کی طرف اشارہ فرمایا کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں ایک ظرف زمان دوسرے ظرف مکان ظرف زمان کہتے ہیں اس چیز کو جو کہ متی کا جواب بننے کی صلاحیت رکھے اور ظرف مکان کہتے ہیں اس کو جو این کا جواب بننے کی صلاحیت رکھے۔

ویسمّٰی ظرفاً ایضاً ۔اور مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہیں چونکہ مفعول فیہ فعل کے لیے ظرف واقع ہوتا ہے۔

وظـروفُ الـزمـان علٰی قِسمَیْن مبُهمٌ وهو ما لایکونُ لهٗ حدٌّ معینٌ کدهرٍ وَحِین مَحْدودٌ وهو ما یکونُ لهٗ حدٌّ معیَّنٌ کیومٍ ولیلةٍ وشهرٍ وسنةٍ.

ترجمہ و تشریح: اور ظرف زمان دو قسم پر ہے مبہم و محدود مبہم کہتے ہیں اس ظرف کو جس کی کوئی حد معین نہ ہو جیسے دھر اور حین کہ دھر کے معنی ہیں مطلقاً زمانہ اور حین کے معنی مطلقاً وقت اور محدود کہتے ہیں اس ظرف کو جس کی حد متعین ہو جیسے یوم اور لیلۃ وشهر وسنة ان میں سے ہر ایک کی حد معین ہے جیسا کہ ان کے معنی سے ظاہر ہے۔

وکُلُّها منـصـوبٌ بتقـدیر فی تقولُ صُمتُ دَهْراً وسافرتُ شَهراً ای فی دهرٍ وشهرٍ وظُروفُ المکان کذٰلک مُبْهمٌ وهو منصوبٌ اَیضاً بتقدیر فی نحو جلَسْتُ خلفَک واَمامَک ومحدودٌ هُوَ ما لا یکونُ منصُوباً بتقدیر فی بل لابُد من ذکر فی فیه نحو جَلستُ فی الدَارِ وفی السُوق وفی المسجد.

ترجمہ: اور یہ سب منصوب ہوتے ہیں فی کی تقدیر کے ساتھ کہے گا تو صُمْتُ دَهْراً (میں نے ایک ماہ کے روزے رکھے) وسَافَرْتُ شَهْراً (یعنی میں نے ایک ماہ سفر کیا) یعنی فی دَهْر وشَهْر اور ظرف مکان کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مبہم اور وہ بھی منصوب ہوتا ہے فی کی تقدیر کے ساتھ جیسے جَلَسْتُ خلفَكَ وأَمَامَكَ (۲)

دوسری قسم محدود ہے اور یہ فی کی تقدیر کے ساتھ منصوب نہیں ہوتا بلکہ اس میں فی کا ذکر ضروری ہے جیسے جلستُ فی الدّار وفی السُّوق وفی المسجِدِ۔

تشریح: یہاں سے مصنف یہ مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ ظروف زمان خواہ مبہم ہوں یا محدود معرفہ ہوں یا نکرہ منصوب ہوں گے جب کہ فی مقدر ہو اور وجہ تقدیر فی کی یہ ہے کہ اگر وہ ملفوظ ہو تو جر کا آنا واجب ہو جائے گا اور اگر فی کے لفظوں میں ہوتے ہوئے جر نہ دیا جائے، تو خواہ مخواہ فی حرف جار کا مُلغی (بیکار) ہونا لازم آئے گا وھذا غیر شائع فی کلام العرب۔

نوٹ: مصنفؒ کی اسی عبارت سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اگر فی ملفوظ ہو جیسے خرجت فی یوم الجمعة کے اندر تب بھی فی کا مابعد مفعول فیہ ہی رہے گا مگر اتنی بات ہے کہ وہ منصوب نہیں ہوگا۔

ایک بات یہ بھی ملاحظہ فرمایئے کہ یہاں لفظ تقدیر استعمال کیا گیا بہت سے مقامات پر ہم نے یہ دیکھا کہ بجائے تقدیر کے لفظ حذف استعمال کرتے ہیں تو دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ دونوں آیا مترادف لفظ ہیں، یا کچھ فرق ہے سو اس سلسلے میں دونوں ہی قول ملتے ہیں (۱) قول اول یہ ہے کہ اگر اس کا اثر لفظوں میں باقی رہے تو وہ مقدر کہلاتا ہے ورنہ محذوف مگر مصنف کتاب کے نزدیک یہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ میں استعمال ہوتے ہیں اس لیے کوئی فرق دونوں میں نہیں۔ تقول صمت دهراً، او سافرت شهراً ان میں سے مثال اول زمان مبہم کی ہے۔ اور ثانی زمان محدود کی ان دونوں کی اصل عبارت ہے صمت فی دهر وسافرت فی شهر۔

وظروف المکان کذلک، اور ظرف زمان کی طرح ظرف مکان کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) مبہم (۲) محدود

وهو ایضاً منصوب بتقدیر فی ۔ هو ضمیر کا مرجع ہے ظرف مکان مبہم مطلب یہ ہے کہ ظرف مکان مبہم بھی تقدیر فی کے ساتھ منصوب ہوتا ہے جیسے جلست خلفك وامامك ۔ یہ دونوں ظرف مکان مبہم کی مثالیں ہیں اور مبہم اس لیے ہیں کہ مثلاً امامک کے اندر امام شامل ہے اس چیز کو جو چہرہ کے مقابل ہے منتہائے زمین تک اور خلف اس کو کہیں گے جو شامل ہو اس چیز کو جو پشت کے مقابل ہے روئے زمین کی انتہاء تک یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ مکان مبہم جہات ستہ کو کہتے ہیں دونوں مذکورہ اور چار یہ فوق، تحت، یمین، شمال۔

محدود: اور ظرف مکان محدود وہ ہے جو فی کی تقدیر کے ساتھ منصوب نہیں ہوتا بلکہ اس میں فی کا ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے جلستُ فی الدار وفی المسجد وفی السوق وغیرہ اب رہی یہ بات کہ مذکورہ تین میں منصوب کیوں ہوتا ہے اور مکان محدود میں منصوب کیوں نہیں ہوتا۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں ظرف زمان مبہم تو مشابہت رکھتا ہے مفعول مطلق کے ساتھ فعل اصطلاحی کا جزء بننے میں یعنی فعل معنی مصدری اور زمانہ ہی کا تو نام ہے اور قاعدہ ہے کہ جب جزء فعل کو علیحدہ ذکر کرتے ہیں تو وہ جزء بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے، جیسے کہ

اندر لہٰذا اسی مشابہت کی وجہ سے ظرف زمان مبہم بھی بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوگا، اور رہا ظرف زمان محدود کا منصوب ہونا تو اس کو زمان مبہم پر محمول کرتے ہیں چونکہ دونوں ذات یعنی زمانیت میں شریک ہیں اور ظرف مکان مبہم اس لیے منصوب ہوتا ہے کہ اس کو بھی ظرف زمان مبہم پر محمول کرتے ہیں چونکہ دونوں وصف ابہام میں شریک ہیں اب صرف مکان محدود رہ جاتا ہے وہ منصوب نہ ہوگا چونکہ اس کو زمان مبہم کے ساتھ کسی بھی طرح کی مناسبت نہیں ذاتی نہ وصفی۔ ذاتی اس لیے نہیں کہ زمان ومکان دونوں میں تغایر ہے اور وصفی اس لیے نہیں کہ صفت ابہام اور تعیین ان دونوں میں بھی مغائرت ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس کو ظرف زمان مبہم کے ساتھ مشابہت نہیں تو ظرف مکان مبہم کے ساتھ تو مشابہت حاصل ہے ذات کے اندر لہٰذا اس کو مکان مبہم پر حمل کرتے ہوئے بتقدیر فی منصوب پڑھنا چاہئے۔

الجواب: یہ مکان مبہم پر محمول اس لیے نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ خود ظرف زمان مبہم پر محمول ہے اب اگر مکان مبہم پر مکان محدود کا حمل کریں تو لازم آئے گا مانگنے والے سے مانگنا فقیر سے سوال کرنا وانتم تعرفون جیداً کراھةَ السوال من السائل والفقیر۔

تمرین:

(۱) مفعول فیہ کی تعریف بیان کیجئے، اور اس کے اقسام اربعہ کی تعریف بھی بیان کیجئے (۲) وہ کون سے ظروف ہیں جو فی کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہوتے ہیں اور وہ کون سے ہیں جہاں فی کا ذکر ضروری ہوتا ہے۔

فصل المفعول له هو اسم مالاجلهٖ یَقَعُ الفعل المذکورُ قبلهٗ وتُنصبُ بتقدیر اللام نحو ضربتُه تادیباً ای للتادیب وقعدتُّ عن الحرب جُبْنًا ای للجُبن وعندَ الزجاج هو مصدرٌ تقدیره ادبتهٗ تادیبًا وجبنتُ جُبناً.

ترجمہ: مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے وہ فعل کیا گیا ہو کہ جو اس سے قبل مذکور ہے اور منصوب ہوتا ہے لام کی تقدیر کے ساتھ جیسے ضربتُه تادیباً ای للتادیب وقعدتُّ عن الحرب جُبْنًا یعنی للجُبن اور زجاج نحوی کے نزدیک وہ مصدر ہے جس کی تقدیر ہے ادبتهٗ تادیبًا وجبنتُ جُبناً.

یہاں سے مصنفؒ مفاعیل خمسہ میں سے مفعول لہ کو بیان فرمارہے ہیں۔

سوال: مفعول لہ کو مفعول معہٗ پر کیوں مقدم کیا؟

جواب: چونکہ مفعول لہ بتقدیر لام فاعل کا قائم مقام بن جاتا ہے اور مفعول معہ کسی بھی حال میں نائب فاعل نہیں بنتا۔

تشریح: مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے وہ فعل کیا گیا ہو جو اس سے قبل مذکور ہے۔ پھر وہ فعل خواہ اس کو حاصل کرنے کی وجہ سے کیا گیا ہو یا اس کے وجود کی (پائے جانے) وجہ سے کیا گیا ہو نیز وہ فعل خواہ اس سے قبل

حقیقتاً مذکور ہو یا حکماً، لہٰذا اس تعمیم سے لفظ تادیباً بھی داخل ہو جائے گا جو اس شخص کے جواب میں کہا جائے کہ جس نے یہ کہا لِمَ ضربت تو یہاں ضربتُ فعل حکماً مذکور ہے۔ ویـنـصبُ بتقدیر اللام اور مفعول لہٗ منصوب ہوتا ہے لام کی تقدیر کے ساتھ۔ اس لیے کہ جب لام ملفوظ ہو تو جر آئے گا منصوب نہ ہو سکے گا، اسی عبارت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر ملفوظ ہو تو رہے گا تو مفعول لہٗ مگر وہ منصوب نہ ہوگا۔ جیسے جئتك للثمن۔ (آیا میں تیرے پاس گھی کے لیے) وهـذا عـلـى اختيار المصنف كما يدل عليه تعريفه نحو ضربته تاديباً وقعدت عن الـحرب جبنًا اول مثال ہے اس کی کہ جس کے حاصل کرنے کے سبب فعل مذکور واقع ہوا ہو، چونکہ ضرب اور پٹائی ادب دینے کی وجہ سے کی گئی ہے، اور ثانی مثال ہے اس کی کہ جس کے پائے جانے کی وجہ سے فعل مذکور واقع ہو چونکہ مثال مذکور میں متکلم لڑائی سے جو بیٹھا ہے وہ بزدلی کے پائے جانے کی وجہ سے۔

نوٹ: اس مثال پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ اگر وجود کی مثال ہی دینی تھی تو بجائے قـعـدتُ عن الـحـرب جبناً کے حَـارَبـتُ شجاعةً کی دیتے یہ زیادہ مناسب تھا کیونکہ مقام مقام منازعت ولڑائی ہے امام زجاج کے ساتھ (ترجمہ، میں لڑا بہادری کی وجہ سے)۔

الـجـواب: اس مثال کو لا کر زُجاج کے مذہب کی توہین کی طرف تنبیہ کرنا مقصود ہے چونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ هُـوَ مـصـدرٌ، یعنی کہ مفاعیل پانچ نہیں ہیں بلکہ چار ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ مفعول لہٗ تو مصدر ہے یعنی مفعول مطلق ہے وہ اس طور پر کہ ضـربتُه تاديبًا کی اصل عبارت، أدبتُـه بـالضرب تاديبًا يا ضربتُه ضرب تادیب اور قعدت عن الحرب جُبنًا کی اصل عبارت ہے جَبَنتُ بالقعود عن الحرب جُبنًا يا قعدت عـن الـحـرب قـعـود جُبُن ہے۔ تو اس مثال سے توہین ان کے مذہب کی اس طرح ہو رہی ہے کہ میں بیٹھ گیا مفعول لہٗ کے معاملے میں غور فکر کرنے سے بس ہم نے چار مفعول پر اکتفاء کرلیا، کیوں اکتفاء کرلیا، اکتفاء کیا اپنی بزدلی کی وجہ سے تو اس بات کی جانب اشارہ کرنے کے لیے قـعـدتُ عن الحرب جُبنًا کی مثال دی ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ مفعول لہٗ کے منصوب ہونے کے لیے لام کو اس لیے مقدر مانتے ہیں کہ مفعول لہٗ فعل مذکور کے لیے علت ہوتا ہے اور لام بھی علت کے لیے آتا ہے اس لیے لام کو مقدر مانتے ہیں۔

تمرین:

(۱) مفعول لہٗ کی تعریف بیان کیجئے (۲) مفعول لہٗ کے منصوب ہونے کے لیے لام کو کیوں مقدر مانتے ہیں۔

فـصـل الـمـفعول معهٗ هو ما يذكر بعد الواو بمعنى مع لمصاحَبَة معمُول الفِعْلِ نحو جاء البرد والجُباتِ وجئتُ انا وزيدًا اى مع الجباتِ ومع زيد.

تـرجـمه: مفعول معہٗ وہ اسم ہے کہ واؤ بمعنی مع کے بعد ذکر کیا جائے معمول فعل کی مصاحبت کی وجہ

جیسے جاء البرد والجُباتِ ای مع الجباتِ اور وزیداً ای مع زیدٍ.

تشریح: مفعول معہ کی تعریف سے قبل اس کے اجزاء ترکیبی کی تحقیق سن لیجئے تاکہ تعریف کا سمجھنا آسان ہوجائے، تعریف میں لفظ معمول سے مراد فاعل یا مفعول بہ ہے اور مصاحبت سے مراد مفعول معہ کی مشارکت ہے فعل کے معمول (فاعل یا مفعول بہ) کے ساتھ وقت واحد کے اندر جیسے سرتُ وزیداً کے اندر زید شریک ہے، متکلم کا سیر کے اندر وقت واحد میں یعنی دونوں نے سیر ایک ساتھ کی۔ اور فعل سے مراد فعل لغوی ہے یعنی مصدری معنی۔ اب تعریف سن لیجئے۔ مفعول معہ وہ اسم ہے جو مذکور ہو اس واؤ کے بعد جو مع کے معنی میں ہو معمول فعل کی مصاحبت کی وجہ سے جیسے جاء البرد والجُباتِ ای مع الجباتِ وجئتُ انا وزیدًا ای مع زیدٍ. دونوں مثالوں میں جُبات اور زید مفعول معہ ہیں، اور واؤ کے بعد مذکور ہیں جو واؤ کہ مع کے معنی میں ہے اور جبات وزید فعل کے معمول فاعل کے مشارک ہیں مجیئۃ میں وقت واحد کے اندر اب رہی یہ بات کہ جب جُبّات مفعول معہ ہے تو منصوب کیوں نہیں ہے یہ مجرور نظر آرہا ہے۔

الجواب: یہ جمع مؤنث سالم ہے جس کی حالت نصبی جری کے تابع ہوتی ہے اس لیے لفظوں میں منصوب نہیں ہے۔ ایک مثال اس کی لے لیجئے کہ مفعول معہ مشارک ہو، فعل کے معمول مفعول کا جیسے کفاك وزیداً درھمٌ اس مثال میں زید مصاحب ہے ك ضمیر خطاب مفعول بہ کا کفایت کے اندر وقت واحد میں۔

فوائد قیود: واؤ بمعنی مع کی قید سے احتراز ہوگیا تمام مفاعیل سے چونکہ وہ بعد الواؤ مذکور نہیں ہوتے اور مصاحبت کی قید سے احتراز ہے زید و عمر اخوك سے یہاں عمرو اگرچہ واؤ بمعنی مع کے بعد مذکور رہے لیکن معمول فعل کی مصاحبت کی وجہ سے نہیں۔

فان کان الفعل لفظاً وجاز العَطفُ یجوز فیه الوجھانِ النصب والرفع جئتُ اَنا وزیدًا وزَیدٌ واِن لم یَجُز العطفُ تعیّن النصبُ نحو جئتُ وزیدًا.

ترجمہ وتشریح: اگر فعل لفظاً مذکور ہو اور عطف جائز ہو تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں، نصب اور رفع۔

فان کان کے اندر فا تفسیر یہ ہے کان ناقصہ بھی ہوسکتا ہے، دریں صورت لفظاً کان کی خبر ہوگی یہ بھی ممکن ہے کہ تامہ ہو دریں صورت لفظاً حال یا تمیز کی بناء پر منصوب ہوگا اور جاز العطف جملہ کا عطف سابقہ جملہ پر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر فعل لفظاً موجود ہو اور واؤ کے مابعد کا فعل کے معمول پر عطف کرنا بھی جائز ہو یعنی عطف کرنے سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں دو وجہیں جائز ہیں، رفع بھی اور نصب بھی جیسے جئت انا وزید نصب تو مفعول معہ ہونے کی بناء پر اور رفع عطف کی وجہ سے یعنی زید کا عطف ضمیر متصل پر ہونے کی وجہ سے۔ اب رہی

بات کہ ضمیر متصل پر تو عطف کرنا جائز نہیں ہوا کرتا۔

الجواب: اگر ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی گئی ہو تو عطف جائز ہے اور یہاں ایسا ہی ہے۔

وان لم یَجُز العطفُ تعیّن النصبُ ۔اور اگر کسی مانع کی وجہ سے عطف جائز نہ ہو تو نصب متعین ہے مفعول معہ ہونے کی وجہ سے جیسے جئتُ وزیداً اس مثال میں زید کا عطف ضمیر متکلم پر جائز نہیں چونکہ اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ نہیں لائی گئی ہے وھذا علی اختیار المصنف جمہور کی اس مسئلہ میں علیحدہ رائے ہے وہ فرماتے ہیں کہ بغیر تاکید لائے ضمیر منفصل کے بھی عطف جائز ہے اگر چہ قباحت کے ساتھ، لہٰذا ان کے نزدیک مفعول معہ ہونے کی بنا پر منصوب پڑھنا مختار ہے واجب نہیں ہے۔

وان کان الفعلُ معنیً وجاز العطفُ. تعیَّنَ العَطفُ نحو مالزید وعمرو وان لم یجز العطفُ تعیَّنَ النَّصبُ نحو مالک وزیدًا وما شانُک وعمرًا لان المعنی ما تصنع

ترجمہ وتشریح: اور اگر فعل معنی موجود ہو اور عطف کرنا واؤ کے مابعد کا ماقبل پر جائز بھی ہو کوئی مانع موجود نہ ہو، تو عطف ہی متعین ہے بلاوجہ کے عامل معنوی پر محمول نہ کیا جائے گا۔ جیسے مالزید وعمرو کلمہ ما استفہامیہ مبتداء ہے اور لزید اس کی خبر ہے اور عمرو معطوف ہے زید پر معنی عبارت کے ہیں کون سی چیز حاصل ہوئی زید کو عمرو کے ساتھ۔ مثال مذکور میں فعل لفظاً موجود نہیں بلکہ معنی ہے چونکہ اس کی اصل عبارت ہے ما یَصنَع زیدٌ وعمرو اس مثال میں عطف اس وجہ سے متعین ہے کہ یہاں دو عامل جمع ہو گئے ایک معنوی اور ایک لفظی یعنی حرف جر اور عامل لفظی قوی ہوتا ہے لہٰذا حرف جار عامل ہوگا زید کے اندر اور عمرو کا عطف ہوگا زید پر۔

اور اگر عطف جائز نہ ہو تو نصب ہی متعین ہے مفعول معہ ہونے کی بناء پر جیسے مالك وزیداً وما شانك وعمراً مثال اول میں نصب اس لیے متعین ہے کہ ک ضمیر مجرور ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر مجرور پر بغیر اعادۂ حرف جار کے عطف جائز نہیں اور یہاں بھی اعادہ جار نہیں اس لیے عطف جائز نہیں، لہٰذا نصب متعین ہے مفعول معہ ہونے کی بناء پر۔

اور مثال ثانی میں بھی ک ضمیر مجرور ہے شان کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور عمراً کے اندر بھی اعادۂ جار نہیں اس لیے نصب ہی متعین ہے۔

سوال: عمراً کا عطف ک ضمیر مجرور پر اگر اعادۂ جار کے نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں تو لفظ شان پر عطف کر دیجئے اس میں کیا قباحت ہے۔

الجواب: اس صورت میں خلاف مقصود لازم آتا ہے اس لیے کہ معنی یہ ہوں گے کہ کیا حال ہے تیرا اور عمرو کی ذات حالانکہ سائل کا مقصد دونوں کا حال دریافت کرنا ہے نہ کہ ایک کی حالت اور دوسرے کی ذات کا۔

اس جگہ مصنف نے دو مثال دے کر تنبیہ کی ہے اس بات کی طرف کبھی مجرور ہوتا ہے حرف جار کی وجہ سے اور کبھی مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے۔ لانّ المعنی ما تصنع یہاں سے اپنے دعویٰ کی دلیل بیان فرمارہے ہیں کہ ہم نے ان امثلہ میں جو فعل کے معنوی ہونے کا حکم لگایا ہے وہ اس لیے ہے کہ اس کے معنی ہیں ما تصنعُ کے یعنی ان دونوں مثالوں کی اصل عبارت ہے ما تصنع وزیداً۔

تمرین:

(۱) مفعول معہ کی تعریف واضح انداز میں بیان کیجئے (۲) اگر مفعول معہ کا فعل لفظاً موجود ہو اور عطف بھی ما بعد کا ماقبل پر جائز ہو تو اس میں نصب اور رفع دونوں وجہوں کی وجہ بیان فرمائیے (۳) اگر عطف ناجائز ہو تو نصب ہی کیوں متعین ہے اور اگر فعل معنیً موجود ہو اور عطف بھی جائز ہو تو عطف کے متعین ہونے کی وجہ بیان فرمائیے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں مفاعیل خمسہ کی شناخت کیجئے۔

یحبنی أستاذی حبا شدیدا، ھو یأکل فی النھار مرتین، أنا لا أحب الأفلین (میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا) ذَھَبْتُ أمسِ مَع وَالدی إلی المَدرسَةِ بعْدَ العصرِ فمَشَیْنَا سَاعَةً حَول المدرَسَة (میں کل اپنے والد صاحب کے ساتھ مدرسہ میں گیا، عصر کے بعد پھر ہم تھوڑی دیر چلے مدرسہ کے اردگرد) ثُمَّ جَلسنَا تَحت شَجَرة (پھر ہم درخت کے نیچے بیٹھ گئے) سِیرُوْا فِی الارْضِ لَیَالِی وَأیّاماً (زمین میں رات دن چلو پھرو) لاتُؤخِّر عَمَلَ الیَوْمِ اِلٰی غَدٍ إعتِمَاداً علٰی نَفْسِکَ وثِقةً بِقُدْرَتِکَ (آج کا کام کل پر نہ ٹال اپنے نفس اور طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے) لا بدَّ للنّا جحینَ مِن الطلبة أن یُکافئُوا بالجَوائِز تشجِیعًا لھُمْ وتشویقاً للآخرِیْن (کامیاب ہونے والے طلبہ کو انعام سے نوازا جانا ضروری ہے ان کی حوصلہ افزائی اور دوسرے طلبہ کو شوق دلانے کی وجہ سے) حَلِّ الکُتابَ وَالحَاشیَةَ (کتاب کو مع حاشیہ کے حل کرو) جَآء الأستاذُ وَالکتب۔

فصل الحال

نحویین نے منصوبات کو دو حصوں میں تقسیم کیا (۱) اصل (۲) ملحق۔ مفاعیل خمسہ کو اصل اور بقیہ منصوبات کو ملحق قرار دیا۔ چنانچہ حال بھی انہی ملحقات میں سے ایک ہے تاہم بعض حضرات نے اس پر اعتراض کیا کہ حال کو ملحقات میں سے قرار دینا صحیح نہیں، اس لیے کہ فعل بنسبت مفعول لہ اور مفعول معہ کے حال کا زیادہ محتاج ہے اس لیے کہ بہت سے افعال بغیر مصاحب اور بلا علت ہوتے ہیں اور کوئی بھی فعل حال سے کبھی خالی نہیں ہوتا، لہٰذا مناسب یہ تھا کہ حال کو اصل اور مفعول لہ و معہ کو ملحقات میں سے قرار دیتے۔

الجواب: حال اگرچہ لوازم فعل میں سے ہے لیکن اس کا تعلق فعل کی ذات کے ساتھ اس اعتبار سے ہے کہ یہ فاعل کی حالت کو بیان کرتا ہے یا مفعول کی تو فعل باعتبار ذات کے اس کا محتاج نہیں، بخلاف مفعول لہ اور مفعول معہ کے کہ ان کا تعلق ذات فعل کے ساتھ ہے اس لیے کہ مفعول لہ فعل کی علت ہے اور مفعول معہ فعل کے معمول کا مصاحب ہے اس لیے ان دونوں کو اصل منصوبات میں شامل کیا اور حال کو ملحقات میں پھر حال کو بقیہ ملحقات پر اس لیے مقدم کیا کہ حال اصول منصوب کے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتا ہے اس لحاظ سے کہ جیسے وہ ہر حال میں منصوب ہوتے ہیں ایسا ہی یہ بھی ہر حالت میں منصوب ہوتا ہے برخلاف تمیز وغیرہ کے کہ وہ مجرور بھی ہوتی ہے۔

فصل الحالُ لفظ یدلُّ علیٰ بیانِ هیأة الفاعِلِ او المفعول بهٖ او کلیهما نحو جاء نی زیدٌ راکباً وضربتُ زیداً مشدودا ولقیتُ عمراً راکبین.

ترجمه و مطلب: حال کے لغوی معنی صفت اور حالت کے آتے ہیں جیسے کیف صفتک ای حالک حال کو حال بھی اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ حالت کو بیان کرتا ہے۔ اصطلاحی تعریف خود مصنف نے بیان فرمائی ہے کہ حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت کو بیان کرے جیسے جاء نی زیدٌ راکباً میں راکبًا زید فاعل کی حالت رکوب کو بیان کررہا ہے اور ضربتُ زیداً مشدوداً کے اندر مشدودًا زید مفعول بہ کی حالت کو بیان کررہا ہے کہ اس کو متکلم نے باندھی ہوئی حالت میں مارا، اور لقیت عمراً راکبین میں راکبین ضمیر متکلم فاعل اور عمراً مفعول دونوں کی حالت رکوب کو بیان کررہا ہے۔

فوائد قیود: لفظ هیئة کی قید سے تمیز خارج ہوگئی چونکہ تمیز فاعل کی ذات کے بیان پر دلالت کرتی ہے فعل کے فاعل سے صادر ہونے کے وقت۔

فائده: هیئة سے مراد اس جگہ حالت ہے پھر حالت خواہ حقیقی ہو جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں اس صورت میں حال کو حال متحققہ کہا جائے گا۔ اور خواہ وہ حالت باعتبار تقدیر اور فرض کے ہو دریں صورت حال کو حالِ مقدرہ کہا جائے گا، جیسے فادخُلوها خٰلِدین ای فادخلوها مقدّرِیْنَ الخلُودَ۔ یعنی اہل ایمان سے کہا جائے گا کہ تم سب جنت میں رہنے کے لیے ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ، نیز فاعل و مفعول خواہ حقیقی ہوں جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں خواہ حکمی ہوں، فاعل حکمی جیسے جئتُ اَنا وزیداً راکبین اس مثال میں زید فاعل کا مصاحب ہونے کی وجہ سے حکماً فاعل ہی کہلائے گا اور مفعول حکمی جیسے ضربتُ الضربَ شدیداً کہ اس میں الضرب حکماً مفعول بہ ہے اس لیے کہ کلام کے معنی یہ ہیں، أحدثت الضربَ شدیداً۔

نیز ایسے ہی حال مضاف الیہ سے بھی ہوتا ہے جب کہ فاعل یا مفعول مضاف واقع ہوں پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا ہو جیسے بل نَتّبِعُ ملّةَ إبراهیم حَنِیْفًا اور اَیُحبُّ اَحَدُکم أن

یاکُلَ لحمَ أخِیہِ ان دونوں مثالوں میں سے اوّل میں اگر ملۃ مضاف کو حذف کر کے ابراہیم کو اس کے قائم مقام کردیں اور کہیں بل نتّبع إبراھیم حنیفًا ایسے ہی مثال ثانی میں لحم کو حذف کر کے ان یاکُلَ اخَاہ میتًا کہیں یعنی میتًا کو اخاہ کا اور حنیفاً کو ابراہیم کا حال قرار دیں تو یہ صحیح ہے چونکہ یہ مضاف الیہ مضاف کا نائب ہونے کی وجہ سے مفعول حکمی ہو جائے گا۔

وقد یکونُ الفاعلُ معنویاً نحو زیدٌ فی الدَّارِ قائماً لان معناہُ زید استقرّ فی الدار قائماً.

اور کبھی فاعل معنوی ہوتا ہے یعنی جس کی حالت بیان کی جارہی ہے وہ فاعل معنوی ہوتا ہے جیسے زیدٌ فی الدّار قائمًا اس مثال میں قائماً زید سے حال واقع ہے چونکہ زید معنوی لحاظ سے فاعل ہے اس لیے کہ اس کے معنی ہیں زید ن استقر فی الدّار یہاں استقر معنیٔ فعل فی الدار ظرف سے ماخوذ ہے۔

وکذا المفعولُ بہٖ نحو ھٰذا زیدٌ قائماً فان معناہ المشار الیہِ قائماً ھو زیدٌ.

اور ایسے ہی مفعول بہ بھی فاعل کی طرح معنوی ہوتا ہے جیسے ھذا زیدُ قائمًا اس کے معنی ہیں المشار الیہ قائماً ھو زیدٌ (جس کی طرف کھڑا ہونے کی حالت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ زید ہے) اس مثال میں زید ذوالحال ہے چونکہ یہ مفعول بہ ہے معنیٔ بواسطہ حرف جار کے اشیر فعل کا اور یہ اشیر فعل ھذا اسم اشارہ سے ماخوذ ہے۔

والعاملُ فی الحالِ فعلٌ او معنیٰ فعل.

اس سے ماقبل مصنفؒ نے فاعل ومفعول بہ لفظی ومعنوی کو بیان کیا اب اس بات کو بیان کر رہے ہیں کہ کن کن عوامل کی وجہ سے فاعل ومفعول بہ لفظی اور معنوی ہوتے ہیں۔ فقال چنانچہ فرماتے ہیں کہ عامل حال میں کبھی فعل صریح ہوتا ہے اور کبھی معنیٔ فعل ہوتا ہے معنیٔ فعل سے مراد اسم فاعل واسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل۔ مصدر، ظرف، جار مجرور اسمائے افعال، اور ہر وہ چیز جس سے معنیٔ فعل مستنبط ہوں، جیسے حروف نداء۔ حروف تنبیہ اسماء اشارات، حروف تمنی، حروف ترجی، حروف تشبیہ یہ سب معنیٔ فعل کہلاتے ہیں۔

والحالُ نکرۃٌ ابداً.

اور حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے اور وجہ نکرہ ہونے کی یہ ہے کہ حال ایک حکم ہے اور حکم میں اصل تنکیر ہے۔ وجہ دوم تاکہ صفت کے ساتھ حالت نصبی میں التباس لازم نہ آئے۔

وذوالحالِ معرفۃٌ غالباً کما رأیت فی الأمثلۃِ المذکورۃ.

اور ذوالحال اکثر وبیشتر معرفہ ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے امثلہ مذکورہ میں ملاحظہ فرمایا ہے، اور وجہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی یہ ہے کہ ذوالحال معنوی لحاظ سے محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ کی اصل یہ ہے کہ وہ معرفہ ہو جیسا کہ

ابتداء معرفہ ہوتی ہے، غالبًا لفظ منصوب ہے یا تو ظرف کی بناء پر أی یتعرف یا یہ صفت ہے مصدر کی یا زمانًا محذوف کی اصل عبارت ہوگی یتعرف ذوالحال معرفة غالباً یا زمانا غالباً۔

فان کان ذوالحالِ نکرةً یجب تقدیمُ الحال علیه نحو جاء نی رَاکباً رجلٌ لئلا تلتبسَ بالصفةِ فی حالة النصب فی مثل قولکَ رأیتُ رجلاً راکباً.

ذوالحال کی اصل تو یہی ہے کہ وہ معرفہ ہو لیکن اگر وہ نکرہ ہو تو حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے جیسے جاء نی راکبًا رجلٌ مثال مذکور میں رجل ذوالحال نکرہ ہے اس لیے راکبًا حال کو اس پر مقدم کردیا اور وجہ حال کے مقدم کرنے کی یہ ہے کہ تا کہ حال کا صفت کے ساتھ حالتِ نصبی میں التباس لازم نہ آئے، جیسے رأیت رجلاً راکبًا اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ راکبًا رجُلاً کی صفت ہو اور یہ بھی کہ رجلاً سے حال ہو اور جب مقدم کردیں گے تو التباس ختم ہو جائے گا چونکہ صفت کبھی اپنے موصوف پر مقدم نہیں ہوا کرتی، رہی حالت رفعی اور جرّی ان میں اگر چہ صفت کے ساتھ التباس لازم تو نہیں آتا مگر طرد اللباب یعنی تا کہ باب کا حکم ایک ہو جائے، اس لیے ان صورتوں میں بھی حال کی تقدیم کو ذوالحال پر واجب مانا گیا ہے۔

نــوٹ: یہ یاد رہے کہ نکرہ سے مراد نکرہ محضہ ہے اگر نکرہ محضہ نہ ہو بلکہ مخصوص ہو کسی وصف کے ساتھ یا اضافت کے ساتھ یا نہی نفی استفہام کے ساتھ تو تقدیم حال واجب نہیں ہوگی، صفت کی مثال جیسے مررتُ برجل عالمٍ قائماً اضافت کی مثال جیسے مررتُ بغلام رجل قائماً اور نفی کی مثال جیسے ما جاء نی رجلٌ راکبًا اور استفہام کی مثال جیسے هل اتاك فقیر سائلاً اور نہی کی مثال جیسے لا یَأتِیَنَّ رجلٌ مُذِلًّا۔

وقد تکونُ الحال جملةً خبریةً نحو جاء نی زیدٌ وغلامهُ راکبٌ او یرکب غلامهُ.

ترجمه ومطلب: اور کبھی حال جملہ خبریہ بھی ہوتا ہے اس لیے کہ حال ایک حکم ہے اور حکم مفرد کے ذریعہ سے لگتا ہے ایسے ہی جملہ کے ذریعہ سے بھی لگتا ہے پھر وہ جملہ خبریہ خواہ اسمیہ ہو جیسے جاء نی زید وغلامه راکب خواہ فعلیہ ہو جیسے جاء نی زیدٌ یرکبُ غلامُهٗ۔ مصنفؒ نے جملہ اسمیہ کے حال ہونے کی صورت میں جو مثال دی اس میں لفظ واؤ کا اضافہ کیا اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس صورت میں واؤ کا لانا لازم ہوگا اس واؤ کا نام ہے واؤ حالیہ۔

فـائده: مصنفؒ نے جملہ کے حال بننے کے لیے خبریہ کی قید لگائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جملہ انشائیہ حال نہیں بنے گا جیسا کہ جملہ انشائیہ صفت اور صلہ واقع نہیں ہوتا اور وجہ حال وغیرہ نہ بننے کی یہ ہے کہ حال بمنزلہ خبر کے ہوتا ہے ذوالحال کے لیے اور خبر محکوم بہ ہوتی ہے اور اسی طرح ذوالحال بمنزلہ محکوم علیہ کے ہوتا ہے اور آپ جانتے

ہے کہ جملہ انشائیہ کے اندر محکوم بہ بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی چونکہ محکوم بہ وہ چیز بنتی ہے جو کہ نفس الامر میں ثابت ہو اور جملہ انشائیہ کا نفس الامر میں کوئی ثبوت نہیں ہوتا لہٰذا جملہ انشائیہ حال بھی نہیں بن سکتا۔

ومثال ما کان عاملُها معنی الفعلِ نحو هٰذا زیدٌ قائماً معناهُ انبّهُ و اُشیرُ.

ترجمه: اور مثال اس چیز کی جس کا عامل معنیٰ فعل ہوتا ہے جیسے هذا زیدٌ قائماً اس میں اسی سے فعل أنبّهُ اُشِیرُ سمجھ میں آتا ہے اس لیے ہٰذا وغیرہ معنیٰ فعل کہلائیں گے۔

وقد یُحذف العاملُ لقیامِ قرینةٍ کما تقولُ للمسافرِ سالماً غانماً ای ترجعُ سالماً غانماً.

اور کبھی عامل حال کو حذف کر دیا جاتا ہے (عامل خواہ فعل ہو یا شبہ فعل یا معنیٰ فعل) قرینہ کے حاصل ہونے کے وقت قرینہ خواہ حالیہ ہو یا مقالیہ جیسا کہ اس شخص سے کہا جائے جو کہ سفر کا ارادہ کر رہا ہے سالماً غانماً ای ترجعُ سالماً غانماً مثال مذکور میں ترجع عامل کو حذف کر دیا قرینہ کی وجہ سے اور وہ قرینہ مخاطب کی حالت ہے عبارت کے اندر دو لفظ آئے ہیں ایک سالماً دوم غانماً یہ دونوں یا تو حال ہیں یا غانما صفت ہے سالماً حال کی۔ یہ مثال تو تھی قرینہ حالیہ کی اب ایک مثال لے لیجئے قرینۂ مقالیہ کی کما قال اللّٰہ تعالیٰ: أیحسب الانسان ان لن نجمع عظامه بلیٰ قادرین الخ ۔ اس عبارت میں قادرین حال ہے۔ اس کا عامل نجمعها محذوف ہے اس محذوف پر قرینہ اللہ کا قول ہے أن لن نجمع عظامه ، اب ایک مثال باقی رہ گئی جب کہ عامل معنیٰ فعل ہو وہ بھی ملاحظہ ہو، الهلال طالعاً ای هذا الهلال طالعاً۔

تمرین:

(۱) حال کی تعریف بیان کیجئے (۲) حال کی مثال آیات قرآنیہ سے دیجئے (۳) حال کا عامل کون ہوتا ہے مع مثال کے بیان کیجئے (۴) حال وذوالحال کا معرفہ ونکرہ میں سے کیا ہونا ضروری ہے بیان کرو (۵) جب ذوالحال نکرہ ہو تو حال کو مقدم کرنا کیوں ضروری ہے نیز مذکورہ صورت میں حال کو ذوالحال پر تینوں حالتوں (رفعی ونصبی وجری) میں مقدم کرنا ضروری ہے یا صرف حالت نصبی میں (٦) جب ذوالحال نکرہ ہو تو نکرہ سے مراد نکرۂ محضّہ ہے یا نکرہ مخصّصہ جو بھی ہو تعیین کیجئے (۷) حال جب جملہ خبریہ ہو تو رابطہ کے لیے کس لفظ کا اضافہ ضروری ہے (۸) حال کے عامل کو کب حذف کر سکتے ہیں بیان کیجئے۔

ذیل میں چند جملے دیئے جا رہے ہیں ان میں بتلائیے کہ کون سا حال فاعل سے واقع ہو رہا ہے اور کون سا مفعول سے اور حال جب جملہ واقع ہو تو رابطہ کے لیے کیا لفظ مستعمل ہوا ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْراً. اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا

يَظْهَرُ التَّلاميذ للامتحان فَرِحِيْنَ مَسْرُوْرِيْنَ ينزلُ المَطَرُ رَذَاذًا (پھوار) قَضَى النَّاسُ أكثر نهارِهِم جَالِسِين فى بُيُوْتِهِمْ. وَجَدْنَا التَلاميذَ بعْدَ المغربِ وَهُمْ يلعبون. حَفِظْنَا الكتب سَاهِرِيْنَ الَّيَالى۔

فصل التمييز هو نكرةٌ تُذكر بعد مقدارٍ.

ترجمه: تمیز وہ اسم نکرہ ہے جو مقدار کے بعد مذکور ہو۔

منصوبات کی قسم ہفتم تمیز ہے، تمیز کو مستثنیٰ پر اس لیے مقدم کیا کہ تمیز کا اصول منصوبات سے زیادہ تعلق ہے بہ نسبت مستثنیٰ کے چونکہ تمیز صرف منصوب اور مجرور ہوتی ہے اور مستثنیٰ مرفوع منصوب مجرور تینوں طرح سے معرب ہوتا ہے۔

تمیز کے لغوی معنی آتے ہیں تبیین وتفسیر کے اور تمیز کا دوسرا نام ممیّز (بالکسر) بھی ہے۔

اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ تمیز وہ اسم نکرہ ہے جو ذکر کیا جائے مقدار کے بعد اور مقدار کہتے ہیں اس چیز کو کہ جس کے ذریعہ سے کسی چیز کا اندازہ لگایا جائے اور اس کے معیار کو پہچانا جائے۔

من عددٍ او كيلٍ او وزنٍ او مساحةٍ او غير ذلك مما فيه اِبهامٌ تَرفعُ ذلك الابهامَ نحو عندى عشرون درهما وقفيزان بُرّاً و منوانِ سَمْناً وجريبانِ قُطناً وعلى التمرةِ مثلُها زُبداً.

ترجمه و مطلب: من بیانیہ ہے یہاں سے اس بات کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ مقدار کبھی تو متحقق ہوگی، عدد کے ضمن میں اور کبھی کیل کے ضمن میں اور کبھی وزن کے ضمن میں اور کبھی مساحت کے ضمن میں یا کبھی ان چاروں کے علاوہ ایسی چیز کے ضمن میں کہ جس میں موضوع لہ کی ذات میں موضوع لہ ہونے کی حیثیت سے ابہام ثابت ہو چکا ہو، وہ چیز اس موضوع لہ سے ابہام کو رفع کردے اب ان تمام کو امثلہ کے ذریعہ سمجھئے۔

اول کی مثال جیسے عندی عشرون درہماً اس مثال میں غور کیجئے کہ عشرون عدد اپنے مصداق کے لحاظ سے مبہم ہے معلوم نہیں کہ وہ بیس کونسی چیز ہے آیا بیس روپئے ہیں یا بیس کمرے ہیں، اب عشرون کے بعد جب لفظ درہم کو ذکر کردیا تو ابہام کے تمام دروازے بند ہوگئے اور یہ بات متعین ہوگئی کہ وہ بیس کی مقدار درہم کی ہے اور دوسری چیز کیل تھی کیل کہتے ہیں کسی چیز کو کسی پیمانہ سے ناپنے کو جیسے کہا جاتا ہے کَالَ يَكِيْلُ كَيلاً مَكِيْلاً وَكَيّلَ القمحَ وغیرہ گندم وغیرہ کی مقدار کو کسی پیمانہ سے ناپنا مصنف نے اس کی مثال دی ہے۔

قفيزان بُرّا ،میرے پاس دوقفیز ہیں گیہوں کے،قفیز پیمانہ کو کہتے ہیں (ایک قفیز ۳۹ کلو کا ہوتا ہے) تو یہاں قفیز کے مصداق میں ابہام ہے کہ وہ دوقفیز کس چیز کے ہیں،لفظ برّ انے آکر اس ابہام کو رفع کردیا ومنوان سمناً یہ مثال ہے وزن کی منوان تثنیہ ہے من کا اور من کہتے ہیں کہ ایک سیر کو جو کہ دوسو ساٹھ درہم کے برابر ہوتا ہے تو یہاں منوان کے مصداق میں ابہام تھا سمنا نے آکر تمام احتمالات کو ختم کردیا کہ میرے پاس جو دوسیر ہیں وہ گھی کے ہیں وجر یبان

قطنا، یہ مثال ہے مساحت کی اور مساحت کہتے ہیں پیمائش کو اس مثال میں قطناً نے جریباں کے مصداق میں جو ابہام تھا اس کو رفع کر دیا کہ میرے پاس دو جریب (جریب کہتے ہیں سیر کو یا تقریباً ایک بیگہ زمین کو) روئی کے ہیں۔

وعلی التمرة مثلها زبداً یہ مثال ہے مقیاس کی ان چاروں کے علاوہ جس میں کہ موضوع لہ کی ذات میں ابہام پیدا ہو رہا تھا مثلاً جب یہ کہا گیا کہ کھجور پر اس کے مثل ہے تو یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ مثل کیا ہے تو زُبداً نے آ کر بتلا دیا کہ وہ اسی کے مثل مسکہ مکھن ہے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ کھجور پر مکھن لگا کر کھایا کرتے تھے تو اس موقع پر بولتے تھے، علی التمرة مثلها زبداً۔

نوٹ: تمیز کی وضاحت کے لیے تو ایک مثال بھی کافی تھی مگر مسلسل پانچ مثالیں دی اس سے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ اسم تام ان پانچ میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوتا ہے چونکہ اسم کی دو قسمیں ہیں ایک اسم تام دوم ناقص اسم تام کہتے ہیں اس اسم کو کہ جس حالت پر وہ ہے اس پر ہوتے ہوئے اس کو مضاف نہ بنایا جا سکے۔ اور اسم ناقص اس کا برعکس ہے اب آپ دیکھئے کہ کبھی تو اسم تام ہوتا ہے نون تثنیہ کے ذریعہ سے جیسے منوان سمنا وجریبان قطناً کے اندر اور کبھی ہوتا ہے نون جمع کے ذریعہ جیسے عشرون درھماً کے اندر اور کبھی اسم تام ہوتا ہے تنوین کے ذریعہ جیسے رطلٌ زیتاً کے اندر اور کبھی اضافت کے ذریعہ جیسے علی التمرة مثلها زبداً کے اندر ان سب صورتوں میں اسم کو مضاف بنانا جائز نہیں چونکہ اضافت کے وقت نون تثنیہ ونون جمع نہیں آ سکتے، اور نہ تنوین چونکہ تنوین انفصال کو چاہتی ہے اس لیے وہ بھی اضافت کو قبول نہیں کر سکتی ہے چونکہ اضافت اتصال کو چاہتی ہے اور جب ایک اسم دوسرے اسم کی طرف مضاف ہو تو ظاہر ہے کہ اس وقت میں وہ کسی اور دوسرے اسم کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا ایک شکل اسم تام کی اور باقی رہ گئی وہ یہ کہ کبھی اسم تام ہوتا ہے۔ الف لام کے ذریعہ سے، الف لام کے ہوتے ہوئے بھی اس کلمہ کو مضاف نہیں بنا سکتے مگر اس کی تمیز منصوب نہ ہوگی اور وجہ منصوب نہ ہونے کی یہ ہے کہ فعل کے ساتھ ایسے اسم تام کی مشابہت نہیں ہے کیونکہ الف لام شروع میں آتا ہے اور فاعل فعل کے شروع میں نہیں آتا، بلکہ بعد میں آتا ہے، لہٰذا جب فعل کے ساتھ مشابہت نہ ہوئی تو جس اسم پر الف لام ہوگا اس کی تمیز منصوب نہ ہوگی چنانچہ عندی الرّاقود خلّاً نہ کہا جائے گا بلکہ راقود خلّ پڑھا جائے گا راقود کو خل کی طرف مضاف کر کے راقود بڑے مٹکے کو کہتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں کہ تمیز اسم تام کے بعد منصوب کیوں ہوتی ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسم ان اشیاء مذکورہ کے ساتھ تام ہو گیا تو اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ہو گئی، کیونکہ جس طرح فعل فاعل کے ساتھ تام ہوتا ہے ایسے ہی یہ اسم بھی اشیاء مذکورہ میں سے کسی ایک کے ذریعہ تام ہوتا ہے اور اسم تام کے بعد جو تمیز واقع ہوگی وہ مفعول کے مشابہ ہوگی کہ جیسے مفعول فعل وفاعل کے بعد آتا ہے منصوب ہوتا ہے ایسے ہی یہ بھی اسم تام ہونے کے بعد آئی لہٰذا منصوب ہوگی۔

وقد يكونُ عن غير مقدارٍ نحو هذا خاتمٌ حديداً وسوارٌ ذهبًا وفيه الخفضُ اكثر وقد يقَعُ بعد الجملَة لرفع الابهامِ عن نِسبتها نحو طاب زيدٌ نفساً اور علماً اوابا.

کبھی تمیز غیر مقدار سے بھی واقع ہو جاتی ہے یعنی نہ تو وہ عدد ہوتی ہے اور نہ کیل اور نہ وزن اور نہ مساحت ونہ مقیاس۔ مصنفؒ نے عبارت میں لفظ قد لا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اکثر وبیشتر تو مقدار سے ہی ہوتی ہے لیکن گاہے گاہے ایسا بھی اتفاق ہو جاتا ہے کہ غیر مقدار سے واقع ہو جاتی ہے جیسے هذا خاتم حديداً کے اندر خاتم باعتبار جنس کے مبہم ہے اور تام ہے تنوین کے ذریعہ لہٰذا یہ تمیز کا تقاضا کر رہا ہے اس وجہ سے حدیداً کو بناء بر تمیز کے منصوب پڑھیں گے اس کے معنی ہیں یہ انگوٹھی ہے لوہے کی اور یہی حال ہے سوار ذہباً کا یہ کڑا ہے سونے کا لفظ سوار بفتح السين والكسر دونوں پڑھا گیا ہے بمعنی کنگن اس کی جمع آتی ہے سور بسکون الواؤ واسورة واساور۔

وفيه الخفضُ اكثر۔ اور اس میں اکثر جر آتا ہے یعنی جب تمیز غیر مقدار سے ہو تو بنسبت نصب کے جر اکثر آتا ہے غیر مقدار کی اضافت تمیز کی طرف کر دینے کی وجہ سے چونکہ اس صورت میں حصول غرض کے ساتھ ساتھ عبارت میں تخفیف بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

وقد يقَعُ بعد الجملَة لرفع الابهامِ عن نِسبتها۔ اور کبھی تمیز واقع ہوتی ہے جملہ کے بعد ابہام کو دور کرنے کے لیے جملہ کی نسبت سے جیسے طاب زيدٌ نفساً او علماء او ابا اس مثال میں دیکھئے کہ طاب فعل کی نسبت جو زید کی طرف ہو رہی ہے اس نسبت میں ابہام ہو رہا ہے کہ وہ زید اچھا کس لحاظ سے ہے تو نفساً نے اس ابہام کو رفع کر دیا کہ نفس کے لحاظ سے اچھا ہے یا علم کے لحاظ سے یا باپ کے لحاظ سے۔

نوٹ: اس تمیز کی مصنفؒ نے تین امثلہ بیان کی ہیں اس سے اس کی اقسام کثیرہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں کہ کبھی تمیز ہوتی ہے منتصب عنه کے لیے اور کبھی ہوتی ہے اس کے متعلق کے لیے، اور کبھی یہ احتمال ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہو تو یہاں نفساً خاص ہے قسم اول کے ساتھ اور علما قسم ثانی کے ساتھ اور أبًا قسم ثالث کے ساتھ اس بحث کو آپ اس طرح سمجھئے کہ ایک چیز ہے منتصب عنه اور منتصب عنه کہتے ہیں اس شئ کو کہ جس کے ذریعہ تمیز نصب حاصل کرے۔ بایں طور کہ وہ شئی اس تمیز میں عامل ہو، جیسے طاب زيدٌ نفساً میں منتصب عنه حقيقةً تو طاب ہے مگر مجازاً زید کو قرار دیا ہے یعنی کہ نفساً پر نصب زید کی وجہ سے آیا ہے پھر ہم نے جو کہا ہے کہ کبھی تو تمیز منتصب عنه کے لیے ہوگی اور کبھی اس کے متعلق کے لیے ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تمیز ابہام کو رفع کرے گی، منتصب عنه سے اور کبھی اس کے متعلق سے۔ اب رہی یہ بات کہ اس بات کا پتہ کیسے چلے کہ منتصب عنه سے ابہام کو کب رفع کرے گی اور اس کے متعلق سے کب، تو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اس کا پتہ قرینہ سے چلے گا اور وہ قرینہ یہ ہے کہ دیکھیں گے تمیز کا اطلاق منتصب عنه پر ہو سکتا ہے یا نہیں اگر ہو سکتا

کہ کبھی تو وہ تمیز صرف منتصب عنہ ہی کے ساتھ خاص ہوگی جیسے طاب زیدٌ نفساً کہ اس مثال میں نفس کا اطلاق زید پر صحیح ہے لہٰذا زید نفس کہہ سکتے ہیں اس لیے یہاں تمیز صرف منتصب عنہ کے لیے ہوگی یعنی زید سے رفع ابہام کرے گی۔ اور کبھی تمیز منتصب عنہ سے بھی رفع ابہام کرے گے اور اس کے متعلق سے بھی مثلاً طاب زیدٌ اباً ہے یہاں زیدٌ اَب کہہ سکتے ہیں تو اب کا اطلاق زید پر صحیح ہے لہٰذا اب زید (منتصب عنہ) سے ابہام دور کر سکتا ہے اور اس کے متعلق سے بھی وہ اس طرح سے کہ جب طیب کی اسناد زید کی طرف اس اعتبار سے کی جائے کہ زید خالد کا باپ ہے تو تمیز یعنی ابا زید سے ابہام کو دور کرے گی یعنی کہ زید خالد کا باپ ہونے کے لحاظ سے اچھا ہے اور اگر طیب کی اسناد زید کی طرف اس اعتبار سے ہو کہ زید کا باپ بکر اچھا ہے تو تمیز اس کے متعلق یعنی زید کا باپ بکر سے ابہام کو دور کرے گی تو اس صورت میں آپ گویا یوں کہیں گے کہ تمیز منتصب عنہ کے متعلق کے لیے ہے اور ترجمہ یوں ہوگا کہ زید اپنے باپ کے لحاظ سے خوش نصیب ہے۔

اور اگر تمیز منتصب عنه پر محمول نہ ہو یعنی کہ تمیز کا اطلاق منتصب عنه پر صحیح نہ ہو تو تمیز صرف منتصب عنه کے متعلق کے ساتھ خاص ہوگی جیسے طاب زید علماً کہ یہاں علم کا حمل زید (منتصب عنه) پر صحیح نہیں آپ زید علم نہیں کہہ سکتے لہٰذا علم زید کے متعلق کی تمیز واقع ہوگا اور وہ متعلق لفظ شئ مقدر ہوگا تو اصل عبارت یوں ہوگی طاب شئ منسوب الی زید علماً تو یہاں علماً نے ابہام کو رفع کیا لفظ شئ سے وباقی التفصیلات موجود فی المطولات۔

تمرین:

(۱) تمیز کی جامع مانع تعریف کیجئے (۲) تمیز کی کتنی قسمیں ہیں بیان کیجئے (۳) مصنفؒ نے تمیز کی وضاحت کے لیے پانچ مثالیں دی ہیں وضاحت کے لیے تو ایک مثال بھی کافی تھی اس سے کس بات کو بتلانا مقصود ہے (۴) تمیز کی قسم ثانی کی بھی مصنفؒ نے تین امثلہ بیان فرمائی ہیں اس سے کس چیز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

ذیل میں چند جملے دیئے جارہے ہیں عربی کی اردو اور اردو کی عربی بنا کر صلاحیت کو جلاء بخشئے:

وكان اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أبرَّ الناس قلوباً واعمقهُم علما وأقلهم تكلفاً زرت في شهر رجب مدرسة احياء العلوم الصديقية ولقيت عميد المدرسة وحادثت معه نحو ستين دقيقة ثم قمت وطفت معه في انحاء المدرسة فشاهدت أبنيتها فللمدرسة بناية عظيمة وتشتمل على قاعة كبيرة وثلثين غرفة وفي كل غرفة أربعة شبابيك وثلثة منافذ وفيها مسجد جميل ذو طابقين فيه ثمانية عشر عمودا وأربعة عشر شبا كا وخمسة أبواب، وأرض المسجد فرشت بالرخام ومساحته نحو ثلثة آلاف وخمس مائة زراع.

میرا خاندان پچاس افراد پر مشتمل ہے، ہمارے مدرسہ مین ۳۱۳ طلبہ داخل ہیں علماء مدارس لوگوں میں سب سے زیادہ خوف خدا رکھتے ہیں۔

فصل المستثنیٰ لفظٌ یُذکَر بعد اِلا و اخواتھا لیُعلم انہ لا یُنسبُ الیہ ما نُسِب الیٰ ما قبلھا.

استثناء ماخوذ ہے ثنی سے جس کے معنی آتے ہیں روکنا اور منع کرنا، خارج کرنا۔

اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں: **لفظٌ یُذکَر بعد اِلا و اخواتھا لیُعلم انہ لا یُنسبُ الیہ ما نُسِب الیٰ ما قبلھا.**

مستثنیٰ وہ لفظ ہے جو مذکور ہو الا اور اس کے اخوات (خلا وعدا ماخلا وما عداء، لیس، لایکون) کے بعد تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو چیز اس کے ماقبل (مستثنی منہ) کی طرف منسوب ہے وہ مستثنیٰ کی طرف نہیں ہے۔

وھو علیٰ قسمینِ.

یہاں سے مستثنیٰ کی تقسیم بیان فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل (۲) منقطع۔

مُتصِلٌ و ھو ما اُخرِج عن مُتعدّد بالاواخواتھا نحو جاء نی القومُ الا زیداً.

مستثنیٰ متصل وہ ہے جو کہ خارج کیا گیا ہو متعدد سے لفظ اِلّا اور اس کے اخوات کے ذریعہ۔

فائدہ : جس سے مستثنیٰ کو نکالا گیا ہے وہ باقی خواہ مستثنیٰ سے قلیل ہو یا کثیر ہو یا مساوی، نحو جاء نی القومُ الا زیداً. یہاں زید نکالا گیا ہے، متعدد سے یعنی قوم سے اور وہ متعدد کثیر ہیں، قلیل کی مثال بھی سن لیجئے جیسے جاء نی القومُ الاّ أربعۃ رجال۔ اگر قوم سات افراد پر مشتمل ہے تو چار کے استثناء کرنے سے باقی متعدد تین بچے جو کہ مستثنیٰ سے قلیل ہیں اور اگر قوم آٹھ افراد پر مشتمل ہو تو یہی مثال مساوی کی ہو جائے گی۔

و مُنقَطِعٌ وھو المذکورُ بعد الاو اخواتھا غیر مخرج عن متعدد لعدم دخُولہٖ فی المستثنیٰ منہ نحو جاء نی القومُ الاحماراً.

اور مستثنیٰ منطقع وہ ہے جو ذکر کیا گیا ہو اِلّا اور اس کے اخوات کے بعد اس حال میں کہ نہ نکالا گیا ہو متعدد سے اس کے داخل نہ ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ منہ کے اندر اس سے معلوم ہوا کہ اگر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے اندر داخل نہ ہو خواہ وہ اس کی جنس سے ہو یا نہ ہو وہ مستثنیٰ منقطع ہے، مستثنیٰ جب کہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو جیسے جاء نی القومُ الا زیداً۔ اگر زید پہلے ہی سے جماعت میں داخل نہ ہو خارج ہو پھر استثناء کیا جائے تو یہ مثال منقطع کی ہوگی اور غیر جنس کی مثال جیسے جاء نی القومُ الاحماراً حمار کو لفظ الا کے بعد ذکر کیا گیا اور قوم سے نکالا بھی نہیں گیا چونکہ گدھا تو پہلے ہی سے قوم میں شامل نہیں تھا۔

واعلم انَّ اعراب المستثنیٰ علی اربعة اَقسامٍ فان کان متصلاً وقع بعد الا فی کلامٍ موجَبٍ او مُنقطِعًا کما مرَّ او مُقدَّماً علی المستثنٰی منه نحو ماجاء نی الا زیدًا احدٌ، او کانَ بعد خلا وعدا عند الاکثر او بعد ما خلا وما عدَ او لیس ولایکونُ نحو جاء نی القومُ خَلاَ زیدًا الخ کان منصوباً.

ترجمہ و مطلب: یہاں سے حضرت المصنف مستثنیٰ کے اعراب کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم پر ہے۔

اگر مستثنیٰ متصل الا کے بعد کلام موجب میں واقع ہو، الا کی قید سے احتراز ہوگیا جب کہ غیر وسویٰ کے بعد واقع ہو، چونکہ اس صورت میں مجرور ہوگا نہ کہ منصوب۔ اور کلام موجب کہتے ہیں جس میں نفی نہی استفہام نہ ہو اور موجب سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام تام ہو، لہٰذا قرئ اِلّا یوم کذا سے احتراز ہوجائے گا، چونکہ یہ اگرچہ کلام موجب تو ہے مگر تام نہیں ہے لفظ یوم مرفوع ہوگا قرئ فعل مجہول کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے۔

أو منقطعاً دوسری صورت یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہوخواہ کلام موجب میں ہو یا غیر موجب میں جیسے جاء نی القوم إلا حماراً ما جانی القوم الاّ حماراً۔

أو مقدّماً تیسری صورت یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہوجائے جیسے مَا جاء نی اِلّا زیداً احدٌ.

أو کان المستثنیٰ بعد خلا وعدا یا مستثنیٰ خلا اور عدا کے بعد واقع ہو جیسے جاء نی القومُ خلا زیداً وعدا زیداً.

او بعد ما خلا وما عدَ او لیس ولایکونُ، یا مستثنیٰ ما خلا ما عدا اور لیس ولایکون۔ کے بعد واقع ہو جیسے جاء نی القومُ خَلاَ زیدًا وما عدا زیداً ولیس زیداً ولایکون زیداً۔ ان سب صورتوں میں مستثنیٰ منصوب ہوگا وجوبی طور پر۔ اب رہی یہ بات کہ ان سب صورتوں میں منصوب کیوں ہوگا، سواس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی تین قسموں میں تو اس وجہ سے منصوب ہوگا کہ مستثنیٰ کو مفعول کے ساتھ مشابہت حاصل ہے فضلہ ہونے کے اعتبار سے اور مفعول منصوب ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی منصوب ہوگا اور دوسرے اس وجہ سے کہ ان تینوں کو مفعول معہ کے ساتھ خاص طور سے مشابہت حاصل ہے کہ جیسے مفعول معہ حرف واؤ کے واسطہ سے منصوب ہوتا ہے ایسے ہی مستثنیٰ بھی حرف الا کے بعد واقع ہوتا ہے، لہٰذا منصوب ہوگا اور خلا وعدا کے بعد اس وجہ سے منصوب ہوگا کہ مستثنیٰ ان کا مفعول بہ واقع ہورہا ہے اس طور پر کہ خلا وعدا فعل بافاعل زیداً مفعول بہ اور مفعول منصوب ہوتا ہے اور ما خلا وما عدا کے بعد اس وجہ سے سے کہ ان دونوں میں ما مصدریہ ہے اور ما مصدریہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے لہٰذا یہ دونوں بھی فعل قرار پائے اور ضمیر مستتر ان کا فاعل اور مستثنیٰ مفعول بہ اور ترکیبی اعتبار سے دونوں ظرفیت کی بنا پر محلِ نصب

ہیں، لہٰذا جاء نی القومُ خَلاَ زیدًا و ما عدا عمراً کے معنیٰ ہوں گے جاء نی القومُ وقت خلوھم من زید ووَقتَ مجاوزة مجیئِھم عن عمرو، اور لیس و لایکون کے بعد اس وجہ سے منصوب ہوتا ہے کہ یہ دونوں افعال ناقصہ مین سے ہیں، اوران کی خبر منصوب ہوتی ہے لہٰذا یہاں باب استثناء کے اندر بھی ان کا مابعد خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور رہا یہ مسئلہ کہ پھر ان کا اسم کہاں گیا، سو اس کے متعلق یہ یاد رکھیں کہ باب استثناء کے اندر ان کا اسم ہمیشہ مضمر ہوتا ہے۔

وإن كَانَ بعد الا فی كلامٍ غیر موجَبٍ وهو كل كلامٍ يكونُ فيه نفيٌ و نهيٌ واستفهامٌ والمستثنیٰ منه مذكورٌ فيهِ الوَجهان النَّصبُ والبدل عما قبلَها نحو ما جاء نی احدٌ الاّ زيدًا والا زيدٌ.

ترجمہ و مطلب: اور اگر مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو تو ایسی صورت مین دو وجہیں جائز ہیں، اول نصب، استثناء کے مفعول کے ساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے اور دوسری صورت یہ کہ اس کو بدل مانیں اس کے ماقبل سے لہٰذا اعراب ثلثہ میں سے جو اعراب ماقبل کا ہوگا وہی الا کے مابعد کا بھی ہوگا جیسے مَا جاء نی اَحَدٌ اِلاّ زیدًا وِالاّ زیدٌ مثال مذکور میں زید کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور مرفوع بھی بناء بر بدلیت کے اور وجہ بدل کے صحیح ہونے کی یہ ہے کہ اصل مقصود بالنسبت بدل ہی ہوتا ہے مبدل منہ تو بطور تمہید کے لایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ سقوط کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا اگر الا کے ماقبل کو ساقط کر کے یوں کہیں کہ مَا جاء نی اِلاّ زید یعنی اِنما جاء نی زید تو متکلم کا جو مقصود ہے اس کے خلاف لازم آئے گا تو خلاصہ یہ کہ زید دریں صورت فاعل ہو جائے گا جس کی بناء پر مرفوع ہوگا۔

فائدہ: جب مستثنیٰ الا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ بھی مذکور ہو تو اس صورت میں بدل کے واقع ہونے کے لیے اور بھی کچھ شرائط ہیں، جن کو حضرت مصنفؒ نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا ہم طلبہ کے فائدہ کے لیے مختصراً بیان کرتے ہیں۔

شرط اول: یہ ہے کہ مستثنیٰ متصل بالا ہو **دوم**: یہ کہ مستثنیٰ منہ پر مقدم نہ ہو، **سوم** یہ کہ اس مستثنیٰ کو ایسے کلام کے جواب میں نہ لایا گیا ہو جو استثناء کو متضمن ہو، جیسے ما قام القوم اِلّا زیداً کہنا اس شخص کے جواب میں جو کہ کہتا ہے اقام القوم الاّ زیداً اس لیے کہ ایسی صورت میں اگر چہ بدل ہوسکتا ہے مگر دونوں کلام یعنی سوال وجواب میں مطابقت کرنے کے لیے نصب بہتر ہے **شرط چہارم** مستثنیٰ تراخی کے ساتھ نہ ہو جیسے ما جاء نی احدٌ حین كنت جالساً الا زید (ترجمہ مثال) نہیں آیا میرے پاس کوئی جس وقت تو بیٹھا ہوا تھا سوائے زید کے۔

وإن كانَ مُفَرَّغا بانُ يكونَ بعد الا فی كلامٍ غیر موجَبٍ والمستثنیٰ منهُ غیر

مذکورٍ کَانَ اعرابُهٗ بحسب العوامِلِ تَقولُ ما جآءَ نِی الا زیدٌ وما رأیتُ الا زیدًا وما مررُتُ الا بزیدٍ.

ترجمہ و تشریح: اوراگر مستثنیٰ مفرغ ہو بایں طور کے ہو، الا کے بعد کلام غیر موجب میں اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو ایسی صورت میں مستثنیٰ کا اعراب عامل کے لحاظ سے ہوگا اگر عامل رفع کا مقتضی ہوگا تو مستثنیٰ کو رفع دیا جائے گا اگر نصب کا مقتضی ہے تو نصب دیا جائے گا، اور جر کا مقتضی ہے تو جر دیا جائے گا، مستثنیٰ مفرغ کی وجہ تسمیہ اس کو مفرغ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے عامل مستثنیٰ منہ میں عمل کرنے سے فارغ ہوتا ہے صرف مستثنیٰ میں عمل کرتا ہے اب اس پر اگر کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ جب عامل اس کے باعث عمل سے فارغ ہوجاتا ہے تو اس کو مستثنیٰ مفرغ نہ کہنا چاہئے بلکہ مفرغ لہ کہنا چاہئے۔

الجواب: مراد مفرغ سے مفرغ لہ ہی ہے جیسا کہ مشترک سے مراد مشترک فیہ ہوا کرتا ہے یعنی جس میں اشتراک واقع ہو نہ یہ کہ جو شریک ہو مستثنیٰ مفرغ کی امثلہ ملاحظہ فرمایئے جیسے ما جاء نی اِلّا زید حالت رفعی میں اور مَا رأیت الا زیداً حالت نصبی میں وما مَرَرْتُ اِلّا بِزَیْدٍ حالت جری میں۔

وان کانَ بعدَ غیرَ وسویٰ وسواء وحاشا عندَ الاکثر کانَ مجروراً نحو جاء نی القومُ غیر زیدٍ وسوٰی زیدٍ وسواء زیدٍ وحاشا زیدٍ واعلم اَنَّ اعرابَ غیر کاعراب المستثنیٰ بالاّ تقول جَاء نی القومُ غیرَ زیدٍ وغیرَ حِمارٍ وما جاء نی غیرُ زیدِ القومُ وما جاء نی احدٌ غیرُ زیدٍ وغیرُ زید وما جاء نی غیر زید وما رأیتُ غیر زیدٍ وما مررتُ بغیر زیدٍ.

ترجمہ ومطلب: اوراگر مستثنیٰ لفظ غیر وسوی کے بعد واقع ہو تو مجرور ہوگا اور حاشا کے بعد بھی اکثر علماء نحاۃ کے نزدیک مجرور ہوگا، لفظ غیر اور سوی کے بعد تو اضافت کی وجہ سے مجرور ہوگا، چونکہ یہ دونوں اپنے مابعد کی طرف مضاف ہوکر ہی استعمال ہوتے ہیں، اور حاشا کے بعد اکثر علماء کے نزدیک اس وجہ سے مجرور ہوگا کہ حاشا حرف جر ہے۔

عندالاکثر کی قید سے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا کہ بعض کے نزدیک مجرور نہ ہوگا جیسا کہ امام مبرد ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حاشا فعل متعدی ہے تو اس کا مابعد مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا جیسا کہ ایک دعاء ماثورہ کے اندر بھی موجود ہے، اللّٰھُمَّ اغْفرلِی وَلِمَن سَمِعَ دُعَائِی حاشا الشیطان۔(بفتح النون)

لفظ سوی کو چار طرح پڑھا گیا (۱) فتح السین مع المد (۲) کسر السین مع القصر (۳) کسر السین مع المد (۴) والضمۃ مع القصر۔ امثلہ جیسے جاء نی القومُ غیر زیدٍ وسوٰی زیدٍ وسواء زیدٍ وحاشا زیدٍ۔

واعلم اَنَّ اعرابَ غیر کاعراب المستثنیٰ بالاّ۔ اس سے قبل کلمات استثناء کے اندر لفظ غیر کا بیان

تھا جو کہ اسم متمکن ہے اب سوال پیدا ہوا کہ خود لفظ غیر کا کیا اعراب ہوگا اعلم سے مصنف نے اس کا جواب دیا کہ لفظ غیر کا اعراب بعینہ مستثنیٰ بالا کے اعراب کی مانند ہے، جیسے جاء نی القوم غیر زید یہ مثال ہے مستثنیٰ موجب کی وغیر حمار یہ مثال ہے منقطع کی۔ وما جاء نی القوم غیر زیدن القوم ۔یہ مثال ہے مستثنیٰ کے مستثنیٰ منہ پر مقدم ہونے کی وما جاء نی أحد غیر زید ۔یہ مثال ہے اس مستثنیٰ کی جس کو بر بناء استثناء منصوب پڑھیں اور بدلیت کی بنا پر مرفوع وما جاء نی القوم غیر زید ۔یہ مثال ہے مستثنیٰ مفرغ کی۔اب رہی یہ بات کہ اعراب مستثنیٰ بالا لفظ غیر پر کیوں آ گیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غیر نے اپنے مابعد کو اضافت کی وجہ سے مجرور کر دیا تو گویا اس کے اعراب کو خود نے قبول کر لیا، تو مستثنیٰ کا اعراب لفظ غیر کی طرف منتقل ہو گیا۔

اعلم اَن لفظة غیر موضوعة للصفةِ وقد تُستَعمَلُ للاستثناء کما اَنَ لفظةَ اِ لا موضوعةٌ للاستثناءِ وقد تُستعملُ للصّفة.

اس سے ماقبل میں مصنفؒ نے لفظ غیر کو استثناء کی بحث میں بیان فرمایا، اب یہاں سے اس کی اصل وضع کو بیان فرماتے ہیں کہ لفظ غیر اصل کے لحاظ سے صفت کے لیے وضع کیا گیا ہے اس لیے کہ لفظ غیر ذات مبہمہ پر دلالت کرتا ہے اس اعتبار سے کہ اس کے ساتھ مغائرت کے معنی قائم ہیں، یعنی کہ کلمة غیر ما بعد کے لیے ماقبل کی مغائرت پر دلالت کرتا ہے پھر ماقبل و مابعد دونوں مغائر خواہ باعتبار ذات کے ہوں یا باعتبار وصف کے اول کی مثال جیسے جاء نی رجل غیر زید تو مثال مذکور میں دیکھئے کہ غیر ذات مبہمہ پر بھی دلالت کر رہا ہے، اور اس کا مابعد ماقبل کے مغائر بھی ہے اور یہ مغائرت باعتبار ذات کے ہے۔ثانی کی مثال جیسے دخلت بوجه غیر الوجه الذی دخلت به اس مثال میں مغائرت باعتبار وصف کے ہے وقد تستعمل غیر للاستثناء اور کبھی کبھی خلاف وضع بدرجۂ مجبوری کلمۂ غیر استثناء کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے جیسا کہ لفظ الا کو اصلاً استثناء کے لیے وضع کیا گیا ہے مگر کبھی کبھی صفت کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے گویا کہ اس صورت میں اس کو لفظ الا پر محمول کرتے ہیں اور محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں ایک چیز میں اشتراک ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں اپنے ماقبل کے لیے مابعد کے مغائر ہوتے ہیں یعنی استثناء میں بھی ماقبل کے لیے مابعد کی مغائرت مقصود ہوتی ہے اور غیر میں بھی تو جس طرح غیر کو اِلّا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح الا کو بمعنی غیر یعنی صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے جاء نی القوم غیر زید اس مثال میں لفظ غیر بمعنی الا استعمال ہوا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ موصوف وصفت میں مطابقت ہوا کرتی ہے جو یہاں پر مفقود ہے اس لیے کہ لفظ قوم معرف باللام کی وجہ سے معرفہ ہے اور لفظ غیر اگر چہ زید کی طرف مضاف ہے مگر پھر بھی یہ نکرہ ہے چونکہ لفظ غیر اضافت کے باعث بھی معرفہ نہیں ہوتا پھر بھی بے حد نکارت رہتی ہے اس وجہ سے لفظ غیر کو بمعنی الا استثنائیہ لینا پڑا۔

نـــوٹ: یہ بات بھی ملاحظہ ہو کہ غیر جس وقت صفت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو اس وقت مابعد ماقبل میں داخل نہیں ہوتا، جیسے جاء نی القوم غیر اصحابك بالرفع مثال مذکور میں اصحاب قوم میں پہلے ہی سے داخل نہیں اور جس وقت استثناء کے واسطے ہوتا ہے تو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ یعنی مابعد ماقبل میں داخل ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں اصحابك ہے یہ قوم میں پہلے سے داخل ہے اب لفظ غیر سے جدا کیا گیا اور لفظ غیر کو اس وقت منصوب پڑھیں گے، یہ بحث تو تھی لفظ غیر کو الا کے معنی پر محمول کر کے استثناء کے معنی میں لینے کی۔ اب لفظ الا جو غیر کے معنی پر محمول ہو کر صفت کے معنی دیتا ہے اس کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

کما فی قولہٖ تعالیٰ لو کَانَ فیھما اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسدتَا ای غیرُ اللّٰہِ و کذٰلک قولُکَ لاَ اِلٰہ الاَّ اللّٰہ.

مثال کے سمجھنے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ اِلاَّ کو اصلاً جو استثناء کے لیے وضع کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اِلاَّ حرف ہے اور حرف میں اصل یہ ہے کہ صفت نہ ہو لیکن کبھی کبھی صفت کے لیے استعمال ہو جاتا ہے استثناء کے متعذر ہونے کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں لفظ الا غیر کے معنی میں ہے اور وجہ یہ ہے کہ کلمۂ الاَّ ایسی جمع کے بعد واقع ہے جو کہ منکور (نکرہ) غیر محصور ہے (اس کے افراد غیر متعین ہیں) اس لیے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ آلھَۃ میں داخل ہے یا خارج چونکہ استثناء متصل میں دخول ضروری ہے اور منقطع میں خروج ضروری تو یہاں صحت استثناء کی شرط کے مفقود ہونے کی بناء پر الا استثناء کے لیے نہ ہوگا۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر آسمان وزمین میں کئی معبود ہوتے اللہ کے علاوہ تو زمین وآسمان تباہ وبرباد ہو گئے ہوتے، لیکن ارض وسماء میں فساد واقع نہیں ہوا، لہٰذا معلوم ہوا کہ چند معبود بھی نہیں ہیں، صرف ایک ہی معبود ہے علاوہ ازیں ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر الا کو آیت کریمہ کے اندر استثناء کے لیے لیا جائے تو معنی ہوں گے لوکان فیھما الھۃ مستثنیٰ عنھا اللہ تعالی لفسدتا یعنی اگر آسمان وزمین میں چند معبود ہوتے جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے تو نظام ارض وسماء درہم برہم ہو جاتا تو اس سے اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ آسمان وزمین میں ایسے خدا نہیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ ہے البتہ ایسے الھَۃ ضرور موجود ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مستثنیٰ نہیں ہے تو ان خداؤں کی موجودگی فساد کے لیے مضر نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ معنی توحید کے خلاف اور مفضی الی الشرك ہیں، لہٰذا لازمی طور پر الا کو غیر کے معنی پر محمول کرنا پڑے گا۔

و کذٰلک قولُکَ لاَ اِلٰہ الاَّ اللّٰہ۔ اور جیسا کہ آیت کریمہ میں الاَّ صفت کے لیے ایسے ہی کلمہ طیبہ میں بھی صفت کے لیے ہے، اور وجہ یہی ہے کہ اگر الا کو استثناء کے لیے مانیں تو اگر استثناء متصل مراد ہو تو دریں صورت یہ لازم آئے گا کہ پہلے سے اللّٰـــہ اٰلھۃ بـاطـلہ میں داخل تھا، اب ان سے استثناء کیا جا رہا ہے، تو اس صورت میں تعدُّد لازم آیا تو حید حاصل نہ ہوئی، اور اگر استثناء منقطع مراد ہو تو الٰہ سے اٰلھۃ بـاطـلہ مراد ہوں گے اور قاعدہ یہ ہے کہ

باطل کی نفی سے محق کی نفی لازم نہیں آتی، تو اس سے توحید جو آپ کا مقصود تھا وہ فوت ہوگئی اس لیے الا کو غیر کے معنی میں لیں گے لاَ اِلٰہ الاَّ اللہ ای غیرُ اللہ.

تمرین:

(۱) مستثنیٰ کی تعریف کیجئے، (۲) مستثنیٰ کی کتنی قسمیں ہیں ہر ایک کی تعریف مع مثال کے بیان کیجئے (۳) مستثنیٰ کے اعراب کی کل کتنی قسمیں ہیں مع امثلہ بیان کیجئے۔ (۴) وجوب نصب کی کل صورتیں بیان کیجئے (۵) لفظ غیر کا کیا اعراب ہوتا ہے (۶) لفظ غیر کب بمعنی اِلا اور لفظ اِلاّ کب بمعنی غیر ہوتا ہے مع وجہ اور مثال بیان فرمائیے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں مستثنیٰ کی وجوہ اعراب کے اعتبار سے قسم متعین فرمائیے۔

سافرنا إلى مشارق الأرض ومغاربها إلا الصين، عقد المواخاة جميع من فى المدرسة إلا رجال الأمن (مدرسہ کے تمام لوگوں نے بھائی چارہ قائم کیا سوائے پولیس والوں کے) ما سبني إلا إمرأة خبيثة أحدٌ (ایک خبیث عورت کے سوائے مجھے کسی نے گالی نہیں دی) شكرني أهل البلد أهل المدرسة خلا مجنوناً. ما أزعجني أحدٌ إلا سيّئ الخلق (نہیں پریشان کیا مجھ کو کسی نے سوائے ایک بد کے) وشيء الخلق، ما أكرمني إلا زيد وما شتمت إلا منا فقاً وما رغبت إلا عن لئيم (سوائے کمینہ کے میں نے کسی سے اعراض نہیں کیا) رحب بي لجنة المدرسه غير واحد (مدرسہ کی تمام کمیٹی نے میرا خیر مقدم کیا سوائے ایک کے)۔

فصلٌ خبر كانَ واَخواتِها هو المسندُ بعدَ دُخولها نحو كانَ زيدٌ قائماً وحكمهُ كحكم خبر المبتدأ الا اَنّهُ يجوزُ تقدِيمُهُ عَلى اَسمَائِهَا مَعَ كَونِهِ مَعْرِفَةً بخلاف خبر المبتدأ نحو كانَ القائم زيدٌ.

ترجمہ: کان اور اس کے اخوات کی خبر مسند ہوتی ہے ان (میں سے کسی ایک) کے داخل ہونے کے بعد جیسے کان زید قائماً اور اس کا حکم مبتداء کی خبر کے حکم کے مانند ہے سوائے اس کے کہ جائز ہے کان اور اس کے اخوات کی خبر کا مقدم ہونا ان کے اسماء پر برخلاف مبتداء کی خبر کے جیسے کان القائم زیدٌ۔

تشریح: نویں فصل ہے کان اور اس کے اخوات کی خبر کے بیان میں اخوات سے مراد غیر ذی روح چیز میں نظائر ہوا کرتے ہیں چونکہ بہن بھائی کا تعلق ذی روح سے ہے رہی یہ بات کہ کان کے نظائر کون کون سے ہیں، سو اس کا بیان مرفوعات میں آچکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں اور دخول وغیرہ کے معنی بھی وہیں بیان کردیئے گئے ہیں، اس کے بھی اعادہ کی ضرورت نہیں۔ بہرحال مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ان کی خبر ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے جیسے کان زید قائماً میں قائماً مسند ہے کان کے داخل ہونے کے بعد اب رہا سوال کہ خبر تو پہلے ہی مسند تھی اس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہونے کا کیا مطلب اس کا جواب بھی مرفوعات میں دے دیا گیا تھا کہ پہلے

تھی عامل معنوی کی وجہ سے اوراب مسند ہو رہی ہے، عامل لفظی کی وجہ سے۔

وحكمهُ كحكم خبر المبتدأ۔

اورکان وغیرہ کی خبر کا حکم باعتبار اقسام واحکام وشرائط کے مبتداء کی خبر کے حکم کے مانند ہے۔

الا اَنّهٗ يجوزُ تقديمُهٗ عَلى اَسْمَائِهَا مَعَ كَونِهٖ مَعْرِفةً ۔ہاں البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ ان کی خبریں ان کے اسماء پر مقدم ہوسکتی ہیں، خواہ خبران کی معرفہ ہو یا تخصیص میں اسماء کے مساوی ہو بخلاف مبتداء کی خبر کے کہ جب کہ خبر معرفہ ہو تو خبر کی تقدیم مبتداء پر جائز نہیں۔ جیسے کان القائم زید۔ تو یہاں اسم وخبر دونوں معرفہ ہیں اس کے باوجود خبر اسم پر مقدم ہوگئی، مگر یہ جواز تقدیم کا اس وقت ہے جب کہ دونوں کا اعراب لفظی ہو یا کم از کم ان میں سے ایک کا اعراب لفظی ہو چونکہ اس صورت میں قرینہ (نصب) کے پائے جانے کی وجہ سے التباس لازم نہ آئے گا جیسے کان ہذا زید ہے، اور اگر دونوں کا اعراب تقدیری ہو جیسے کہ اسم مقصور میں تو اول اسمیت اور ثانی خبریت کے لیے متعین ہو جائے گا، جیسے کان موسی عیسیٰ ۔دوسرا فرق کان کی خبر اور مبتداء کی خبر میں یہ ہے کہ کان کی خبر فعل ماضی نہیں ہوتی چونکہ کان خود فعل ماضی پر دلالت کرتا ہے ہاں اگر لفظ قد داخل ہو جائے جیسے کان زید قد قعد اس صورت میں فعل ماضی کان کی خبر ہو جائے گی، چونکہ قد فعل ماضی کو حال کے قریب کر دیتا ہے یا جب کہ کان مین شرط کے معنی موجود ہوں جیسے فرمان باری اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ اس مثال میں قُدَّ فعل ماضی مجہول خبر واقع ہو رہا ہے اس کے برخلاف مبتداء کی خبر ہے وہ فعل ماضی بھی واقع ہو جاتی ہے خواہ یہ شروط مذکورہ ہوں یا نہ ہوں۔

فصل (عاشر) اسمُ انَّ واَخَواتها هُوَ المسندُ اليه بَعدَ دُخُولِهَا نحو اِنَّ زيداً قائمٌ.

دسویں فصل اِنّ اور اس کے نظائر یعنی حروف مشبہ بالفعل کے اسم کے بیان میں ان کا اسم مسندالیہ ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد جیسے اِنَّ زیداً قائمٌ میں زید مسندالیہ ہے اِنّ کے داخل ہونے کے بعد۔وسياتى تمام احكامه فى القسم الثالث انشاء الله تعالىٰ۔

فصل المنصوب بلا التى لفى الجنسِ هو المسندُ اليه بعد دخولها يليها نكرةً مُضافةً نحو لا غُلامَ رجُلٍ فى الدار او مشابهاً لهاَ نحو لا عشرين درهما فى الكيس.

ترجمه و مطلب: گیارھویں فصل لائے نفی جنس کے منصوب کے بیان میں ہے هُو المسند سے اس کی تعریف بیان فرماتے ہیں تعریف سے قبل عبارت کی ترکیب اور ضمائر کا مرجع یاد رکھیں لفظ يليها مسندالیہ کی ہ ضمیر سے حال واقع ہے اور يليها میں ضمیر مستتر جو فاعل ہے وہ مسندالیہ کی طرف راجع ہے اور ها ضمیر بارز لا کی طرف راجع ہے نكرة مضافة حال بعد حال ہے اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ:

لائے نفی جنس کا منصوب مسندالیہ ہوتا ہے لا کے داخل ہونے کے بعد اس حال میں کہ وہ مسندالیہ متصل ہوتا لا کے یعنی کہ مسندالیہ لا کے بعد بلا فاصلہ واقع ہوتا ہے اور درانحالیکہ وہ مسندالیہ نکرہ مضاف ہو جیسے لا غلام

رجل فی الدار اس مثال میں جملہ شرائط موجود ہیں، چونکہ غلام مسند الیہ کے متصل بھی ہے اور نکرۃ مضاف بھی ہے لہٰذا یہ منصوب ہوگا او مشابھا لھا ،یا وہ مسند الیہ اگر مضاف نہ ہو تو مشابہ مضاف ضرور ہو مشابہہ مضاف کہتے ہیں اس اسم کو کہ جس کا تعلق کسی ایسی شئ کے ساتھ ہو کہ اس کے معنی اس سے ملے بغیر تمام نہ ہوتے ہوں، جیسا کہ مضاف کے بغیر مضاف الیہ کے معنی تمام نہیں ہوتے، جیسے لا عشرین درھماً فی الکیس ، کیس بمعنی تھیلی اس مثال میں عشرین لا کے بعد بلا فاصلہ ہے اور مشابہہ مضاف ہے چونکہ عشرین کا تعلق اپنے مابعد درہم کے ساتھ ایسا ہے کہ بغیر درھمًا کے اس کے معنی تمام نہیں ہوتے، لہٰذا یہ لا کا اسم ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا ترکیب عبارت یہ ہوگی، لا ءنفی جنس عشرین درھمًا ممیّز تمیز سے مل کر اسم اور فی الکیس ظرف مستقر ہو کر لا کی خبر۔

فاِن کان بعد لا نکرۃً مفردۃ تُبنیٰ علی الفتحِ نحو لا رجلَ فی الدارِ.

یہاں سے مصنفؒ فوائد قیود بیان فرما رہے ہیں کہ اگر شرائط مذکورہ میں سے کوئی شرط مفقود ہو جائے تو اسم لا کا حکم باعتبار اعراب کے کیا ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ اگر لا کے بعد نکرہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، بلکہ مفردہ ہو تو وہ نکرہ مفردہ واحد میں تو فتح پر مبنی ہوگا جیسے لا رجل فی الدار اور تثنیہ وجمع میں یاء پر مبنی ہوگا جیسے لا غلامین لك ولا مسلِمین لك۔

فائدہ : صورت مذکورہ میں تین سوال واقع ہوتے ہیں اول یہ کہ مبنی کیوں دوم یہ کہ اگر مبنی ہی ہے تو سکون پر کیوں نہیں، سوم یہ کہ اگر سکون پر نہیں ہے تو فتح ہی پر کیوں ہے۔ الجواب عن السوال الاول ، لا رجل فی الدّار کے معنی لا من رجل فی الدار کے ہیں تو یہ معنی من کو متضمن ہے اور معنی من کو متضمن اس وجہ سے ہے کہ یہ اس شخص کے جواب میں ہے، جس نے کہا ھل من رجل فی الدار تو سوال میں چونکہ من موجود ہے جس کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا۔ الجواب عن السوال الثانی ،سکون پر اس لیے مبنی نہیں کہ بناء عارضی ہے۔ الجواب عن السوال الثالث ، فتح پر مبنی ہے اس کے اخف الحرکات ہونے کی وجہ سے۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر یہ معنی من کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہے تو مضاف اور مشابہ مضاف بھی تو معنیٰ من کو متضمن ہے لہٰذا اس کو بھی مبنی ہونا چاہئے۔

الجواب: بات آپ کی صحیح ہے کہ یہ بھی معنیٰ من کو متضمن ہے مگر چونکہ مضاف ومضاف الیہ میں اور متضمن بالکسر اور متضمن بالفتح میں اتحاد ہوتا ہے تو اگر من کے متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی کا اعتبار کریں گے تو اشیاء ثلثہ کا شئ واحد ہونا لازم آئے گا، اور یہ مکروہ ہے (وہ اشیاء ثلثہ مضاف مضاف الیہ اور من ہیں)۔

وان کان معرفۃً او نکرۃً مفصولاً بینہ وبین لا کان مرفوعاً ویجب تکریرُ لا مع اسمٍ آخرَ تقولُ لا زیدٌ فی الدار ولا عمرو ولا فیھا رجُلٌ ولا اِمرأۃٌ.

اور اگر لا کے بعد اسم معرفہ ہو یا نکرہ تو ہے لیکن لا اور نکرہ کے درمیان فاصلہ ہے اتصال نہیں ہے تو اس

صورت میں وہ اسم مرفوع ہوگا اور دونوں صورتوں میں لا کا تکرار دوسرے اسم کے ساتھ واجب ہوگا، اول کی مثال جیسے لا زیدٌ فی الدار ولا عمرو اور ثانی کی مثال لا فِیھَا رَجُلٌ وَلا اِمْرَأۃٌ۔

فائدہ : ان دونوں صورتوں میں رفع اور لا کا تکرار دوسرے اسم کے ساتھ کیوں ضروری ہے۔

الجواب: لا کا اسم جب معرفہ ہو تو رفع اس لیے واجب ہے کہ لا کے عمل کرنے کی شرط مفقود ہوگئی، اور وہ یہ کہ یہ لا نفی جنس نکرہ کی صفت کی نفی کے لیے وضع کیا گیا ہے نہ کہ معرفہ کی صفت کی نفی کے لیے اس لیے اس میں عمل نہ کرے گا۔ لہٰذا اس کو ابتداء کی بناء پر رفع دیا جائے گا اور دوسری صورت میں رفع اس لیے واجب ہے کہ لا عامل ضعیف ہے چونکہ یہ عمل کرتا ہے حروف مشبہ بالفعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور حروف مشبہ بالفعل عمل کرتے ہیں فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے تو مشابہ در مشابہ ہونے کی وجہ سے یہ عامل ضعیف ہوا (اور وہ مشابہت تاکید میں ہے فرق اتنا ہے کہ ان وغیرہ اثبات کی تاکید کے لیے ہیں اور یہ نفی کی تاکید کے لیے ہے) اور عامل ضعیف بلا فاصلہ تو عمل کر لیتا ہے مگر جب کہ فاصلہ واقع ہوجائے تو یہ اپنے ضعیف کی وجہ سے عمل نہیں کر سکے گا، اور تکریر لا مفعول میں تو اس لیے ضروری ہے تاکہ سوال وجواب میں مطابقت ہوجائے، اس لیے کہ لا فی الدار رجل ولا امرأۃ سائل کے اس سوال کے جواب میں ہے کہ ھل فی الدار رجل ام امرأۃ اور معرفہ میں تکرار اس لیے ضروری ہے کہ یہ لا اصل کے لحاظ سے جنس کی صفت کی نفی کے لیے آیا کرتا ہے اور جنس میں چونکہ تعدد ہوتا ہے معرفہ میں نہیں ہوتا تو اس لیے تکرار ضروری ہوا کہ اس تکرار کو تعدد جنس کا قائم مقام مان لیا جائے۔

ویجوزُ فی مثلِ لا حول ولاقوۃَ الّا بِاللہِ خمسۃُ اَوجُہٍ فتحھما ورفعھُما وفتح الاول ونصب الثانی وفتح الاول ورفعُ الثانی ورفعُ الاول وفتح الثانی.

ترجمہ: اور لا حول ولاقوۃَ الّا بِاللہِ کے مثل میں پانچ وجہیں جائز ہیں (۱) دونوں کا فتحہ (۲) دونوں کا رفع (۳) اول کا فتحہ دوسرے کا نصب (۴) اول کا فتحہ ثانی کا رفع (۵) اول کا رفع اور ثانی کا فتحہ۔

تشریح: اور جائز ہیں لا حول ولاقوۃَ الّا بِاللہِ کے مثل میں پانچ وجہیں مصنفؒ کی عبارت میں مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں بر سبیل عطف لا مکرر ہو اور دونوں کا مابعد نکرہ بلا فصل واقع ہو، تو ہر ایسی ترکیب میں باعتبار لفظ کے پانچ وجہیں جائز ہیں لا حول ولاقوۃَ الّا بِاللّٰہِ کی مکمل عبارت اس طرح ہے لا حول ای لا رجوع لنا عن المعاصی الا بعصمۃ اللہ ولا قوۃ لنا علی الطاعۃ الا بتوفیقہ یعنی نہیں ہے گناہوں سے بچنا ہمارے لیے مگر اس کی توفیق سے اور نہیں ہے بندگی پر قدرت مگر اس کی توفیق سے۔ فتحھما معطوف ومعطوف علیہ دونوں اسموں کا فتح اس بناء پر کہ لا برائے نفی جنس ہو اور لاقوۃ کا عطف لاحول پر ہے گویا مفرد کا عطف مفرد پر ہے خبر دونوں کی محذوف ہے ای لا حول ولاقوۃ موجود ان الا باللہ۔ ورفعھما

دونوں کا رفع پڑھیں مبتداء پر محمول کرنے کی وجہ سے تاکہ سوال کی مطابقت ہو جائے، اس لیے کہ یہ أحول لنا أم قوۃ کے جواب میں ہے تو سوال میں بھی دونوں اسم مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہیں، لہٰذا جواب میں بھی مرفوع ہوں گے اس صورت میں مفرد کا عطف مفرد پر مان کر دونوں کی خبر موجود ان محذوف نکالیں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہو اس صورت میں جملہ ثانیہ کی خبر الا باللہ موجود ہے اور جملہ اولیٰ کی خبر کو جملہ ثانیہ کی وجہ سے حذف کر دیا گیا بہرحال دونوں صورتوں میں لا ملغی ہوگا۔

والثالث فتح الاول ونصب الثانی.

اور تیسری صورت یہ ہے کہ اول کا فتح ہو اس بناء پر کہ لائے اول برائے نفی جنس ہو اور ثانی کا نصب اس لیے کہ لائے ثانی کو زائدہ مانیں تاکید نفی کے لیے اور ثانی یعنی قوۃ معطوف ہے لفظ حول پر اور حول کی حرکت فتح حرکت اعراب کے مشابہ ہے لہٰذا اس مشابہت کی وجہ سے حرکت اعرابیہ پر اس کا حمل جائز ہے اس صورت میں بھی اگر مفرد کا عطف مفرد پر مانیں تو ایک خبر مقدر ہوگی اور اگر جملہ کا عطف جملہ پر مانیں تو دونوں کی خبریں علیحدہ علیحدہ مقدر ہوں گی۔

والرابع فتح الاول ورفع الثانی.

چوتھی صورت یہ ہے کہ حول کا فتح اور قوۃ کا رفع پڑھیں اول کا فتح اس لیے کہ لا اول نفی جنس کے لیے ہو اور لائے ثانی زائدہ ہو اور ثانی اسم معطوف ہو اول یعنی حول کے محل پر اس لیے کہ محل کے اعتبار سے لا سے قطع نظر کرتے ہوئے وہ ابتدائیت کی وجہ سے مرفوع ہے لہٰذا یہ بھی مرفوع ہوگا۔ اس صورت میں اگر ایک خبر موجود مقدر مانیں تو عطف المفرد علی المفرد کے قبیل سے ہوگا اور اگر جملہ کا عطف جملہ پر مانیں تو دونوں کی خبریں علیحدہ علیحدہ ہوں گی۔

والخامس رفع الاول وفتح الثانی.

پانچویں صورت چوتھی کے برعکس ہے اول کا رفع اس وجہ سے کہ لا بمعنی لیس ہو اور لائے ثانیہ برائے نفی جنس ہو، اس صورت میں دونوں کی خبر علیحدہ علیحدہ ہوگی، لازمی طور سے چونکہ لا بمعنی لیس کی خبر منصوب ہوتی ہے اور لائے نفی جنس کی خبر مرفوع اس لیے عبارت یہ ہوگی لا حول موجودٌ اِلّا باللّٰہ ولا قوۃ موجوداً اِلّا باللّٰہ تو جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا یقینی طور پر۔

وقد یُحذفُ اسمُ لا لقرینۃٍ نحو لا علیکَ ای لا باس علیکَ.

اور کبھی لائے نفی جنس کے اسم کو قرینہ کے پائے جانے کے وقت حذف کر دیا جاتا ہے جیسے لا علیك ای لا بأس علیك نہیں ہے، تجھ پر یعنی تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ کوئی شخص کسی چیز سے ڈر رہا ہو تو اس جملہ کے ذریعہ اس ڈرنے والے کو تسلی دی جاتی ہے۔ تو اس مثال میں لا کے اسم بأس کو حذف کر دیا گیا اور قرینہ اس حذف پر یہ ہے کہ لا حرف ہے جو علیٰ حرف پر داخل ہو رہا ہے جب کہ قاعدہ یہ ہے کہ لا

حرف پر داخل نہیں ہوتا لہٰذا معلوم ہوا کہ لا کا اسم محذوف ہے۔

تمرین:

(۱) لائے نفی جنس کا اسم اگر مضاف یا مشابہ مضاف ہو اور لا کے بعد بلا فاصلہ ہو تو اس پر کونسا اعراب آئے گا، کم از کم تین مثالیں بیان کیجئے (۲) اگر لا کے بعد نکرہ مفردہ ہو تو اس کا حکم مفرد، تثنیہ، جمع کے اندر کیا رہے گا مع امثلہ بیان فرمائیے (۳) اگر لا کے بعد معرفہ ہو یا ایسا نکرہ ہو کہ لا اور اس کے درمیان فصل پیدا ہو گیا ہو تو ایسے اسم کا جو بھی حکم ہو وضاحت کے ساتھ فرمائیے (۴) مصنفؒ کی عبارت ویجوز فی مثل لاحول الخ سے کیا مراد ہے بیان کیجئے (۵) مصنفؒ کی عبارت لاعلیک کے اندر اسم محذوف پر کیا قرینہ ہے۔

ہم ذیل میں چند مشقی جملے نقل کر رہے ہیں ان میں بتلائیے کہ کونسی مثال کون سے قاعدہ سے منطبق ہو رہی ہے

(۱) لا شجرة تفاحٍ فی الحدیقة (۲) لا دُکّان کتبٍ قریبٌ من المدرسة. (۳) لا إیمان لمن لا أمانة له، ولا دین لمن لا عهد له، لا معلمین فی المدرسه، لا مومنین قانطون من رحمة ربهم (اہل ایمان اپنے رب کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں) لا راکباً دراجةً فی الطریق، لا حامدٌ فی الفصل ولاماجد، لا هو حی فیُرجی ولا هو میت فینعی (نہ وہ زندہ کہ اس سے امید کی جائے اور نہ مردہ ہے کہ اس کے مرنے کی خبر کردی جائے۔ لا بیعٌ فیْه ولا خُلّةٌ ولا شفاعة۔

فصل خبرُ ما ولا المشبهتین بلیس هو المسند بعد دخولهما نحو ما زیدٌ قائماً ولا رجلٌ حاضراً وان وقع الخبر بعد الا نحو ما زیدٌ الا قائم او تقدّم الخبر عَلی الاسم نحو ما قائم زیدٌ او زیدت اِنْ بعدَ مَا نحو ما اِن زیدٌ قائمٌ بَطَل العَملُ کما رأیتَ فی الاَمثلةِ وهٰذَا لغة اهلِ الحجاز اَمّا بنو تمیم فلا یعملونَهُمَا اصلاً قال الشاعِر عَنْ لسانِ بنی تمیمٍ شعر

ومُهَفْهَفٍ کَالغُصْنِ قُلتُ لَهُ انتَسِبْ فاجابَ ما قتلُ المحبِّ حَرَام برفع حرام

ترجمه: ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر مسند ہوتی ہے ان کے داخل ہونے کے بعد جیسے ما زیدٌ قائماً ولا رجلٌ حاضراً اور اگر خبر الا کے بعد واقع ہو جیسے ما زید الا قائم یا خبر اسم پر مقدم ہو جائے جیسے ما قائم زید یا حرف ان ما کے بعد زیادہ کر دیا جائے جیسے ما ان زید قائم تو ان کا عمل باطل ہو جائے گا، جیسا کہ آپ نے امثلہ میں دیکھا اور یہ اہل حجاز کی لغت ہے۔ بہر حال بنو تمیم تو اس کو بالکل عامل نہیں مانتے جیسا کہ شاعر نے بنو تمیم کی زبان میں کہا کہ ومُهَفْهَفٍ کَالغُصْنِ قُلتُ لَهُ انتَسِبْ (بہت سے نازک بدن والے جو شاخ کی مانند ہیں میں نے اس سے کہا کہ اپنا نسب نامہ بیان کرو) تو اس نے جواب دیا ما قتلُ المحبِّ حَرَام (کہ میرے نزدیک عاشق کا قتل ناجائز نہیں ہے (حرام کے رفع کے ساتھ)۔

بارھویں فصل مــا ولا مشابہ بلیس کی خبر کے بیان میں ہے وہ مسند ہوتی ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد جیسے ما زید قائماً ولا رجلٌ حاضراً کے اندر قائماً اور حاضراً خبر مسند ہے ان کے داخل ہونے کے بعد وان وقع الخبر بعد الا نحو زید الا قائم ۔ یہاں سے مصنفؒ اس کے عمل کے ابطال کی شرائط کو بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر خبر الا کے بعد واقع ہو جیسے مـا زیـدٌ الا قائم تو اس کا عمل باطل ہو جائے گا چونکہ ما اور لا عمل کرتے ہیں لیس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور الا کی وجہ سے نفی کے معنی ٹوٹ گئے، مشابہت اب لیس کے ساتھ باقی نہیں رہی، اس وجہ سے عمل باطل ہو گیا۔

او تقدّم الخبر عَلی الاسم نحو ما قائم زیدٌ.

دوسری صورت یہ ہے کہ خبر اسم پر مقدم ہو جائے جیسے مـا قـائم زید ولا افضل منك رجل اس صورت میں بھی عمل باطل ہو جائے گا۔ چونکہ یہ دونوں عامل ضعیف ہیں بالترتیب تو عمل کر سکیں گے درحالت تصرف عمل نہ کر سکیں گے۔

او زیدت اِنْ بعدَ مَا نحو ما اِن زیدٌ قائمٌ بَطَل العَملُ کما رأیتَ فی الاَمثلةِ .

تیسری صورت یہ ہے کہ ما کے بعد اگر کلمہ ان زیادہ کر دیا جائے تب بھی عمل باطل ہو جائے گا جیسے ما ان زید قائم اس صورت میں ابطال عمل کی وجہ یہ ہے کہ ما اور اس کے معمول کے درمیان فصل واقع ہو گیا اور یہ عامل ضعیف ہے لہٰذا عمل نہ کر سکے گا، ترجمہ مثال زید کھڑا نہیں ہے یہ ان بصریین کے نزدیک زائد ہے ما نافیہ کی تاکید کے لیے ہے اور کوفیین کے نزدیک زائدہ نہیں ہے بلکہ ان نافیہ ہے ما کی تاکید کے لیے اگر زائدہ مانا جائے گا تو اس کا لغو ہونا لازم آئے گا اور اگر ما نافیہ کی تاکید کے لیے نہ مانا جائے بلکہ اس کو مستقل طور پر نفی کے لیے مانا جائے تو نفی کی نفی سے اثبات ہو جائے گا، حالانکہ ما نافیہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ کلام منفی ہو نہ کہ مثبت اب یہ دونوں جزء مبتداء و خبر کی وجہ سے مرفوع ہوں گے۔

وھٰذَا لغة اھلِ الحجاز مطلب یہ ہے کہ ما اور لا اہل حجاز کے نزدیک عمل کرتے ہیں اور انہی کی لغت کے مطابق نزول قرآن بھی ہوا ہے۔ کـمـا قال الله تعالیٰ ما ھذا بشراً ۔ یہ انسان نہیں ہے ما ھُنَّ اُمّھتِھِم ان دونوں مثالوں میں بشراً اور اُمّھتھِم ما کی خبر ہونے کے باعث منصوب ہیں۔

اَمّا بنو تمیم فلا یُعملونَھُمَا اصلاً.

اور بہر حال بنو تمیم وہ تو بالکلیہ ان دونوں کو عامل نہیں مانتے خواہ شرائط مذکورہ پائی جائیں یا نہ پائی جائیں، بلکہ ان کا مابعد مرفوع ہوگا ابتداء کی وجہ سے خبر بھی مرفوع ہوگی ابتداء کی وجہ سے جیسا کہ ان کے داخل ہونے سے قبل تھی۔

قال الشاعِر عَنْ لسانِ بنی تمیمِ.

لفظ لسان کے معنی ہیں لغت کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ شاعر نے بنو تمیم کی لغت کے مطابق ایک شعر کہا جس کو

اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں:

شعر ومُهَفْهَفٍ كَالغُصْنِ قُلتُ لَهُ انتَسِبْ فاجابَ ما قتلُ المحبِّ حَرَام

اس شعر میں محل استدلال لفظ حرام ہے کہ شاعر نے اس کو مرفوع پڑھا ہے معلوم ہوا کہ ما نے لفظوں میں کوئی عمل نہیں کیا یہ مبتداء وخبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہیں۔

تشریح شعر: ومهفهف میں واؤ بمعنی ربّ ہے (بمعنی بہت سے) اور مهفهف باب فعللة سے بروزن جلببة بمعنی باریک ونازک جسم والا مراد ہے پھرتیلا انتسب امر باب افتعال سے بمعنی نسب ظاہر کرنا اور فأجاب کی ضمیر مستتر راجع ہے مهفهف کی طرف غصن بمعنی ٹہنی، مراد ہے اس سے محبوب۔

ترجمہ یہ ہوگا کہ بہت سے نازک بدن والے جو شاخ کے مانند ہیں میں نے اس سے کہا کہ اپنا نسب بیان کر اس نے جواب دیا کہ میرے نزدیک عاشق کو قتل کرنا جائز نہیں ہے یعنی کہ میں ان معشوقوں میں سے ہوں کہ جو عاشق کے قتل کو جائز سمجھتے ہیں اسی سے ضمناً اس نے اپنا نسب بھی بیان کر دیا کہ میں قبیلہ بنوتمیم میں سے ہوں چونکہ لفظ حرام ما کے بعد آیا ہے پھر بھی مرفوع ہے ما کا عمل اس میں ثابت نہیں ہے اور یہ مذہب بنوتمیم کا ہے اس لیے ضمناً معلوم ہوا کہ یہ معشوق بنوتمیمی ہے۔

بعض علماء نے بیان کیا کہ انتساب اس جگہ رجوع کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ارجع بالوصال ولا تقتلنی بالفراق ولا توذینی به فان قتل النفس بغير حق حرام۔ یعنی کہ تو اے معشوق میری طرف وصال اور ملاقات کے لیے رجوع کر اور مجھے اپنی جدائی کے ساتھ قتل مت کر اور جدائی سے اذیت مت پہنچا چونکہ کسی کو ناحق قتل کرنا حرام ہے۔ معشوق نے جواب دیا کہ عاشق کا قتل کرنا حرام نہیں ہے یعنی کہ اگر تو محبت میں قتل کر دیا جائے تو مجھ پر کوئی گناہ نہیں ہے اس لیے کہ بہت سے عاشق معشوق کی محبت میں قتل کئے جا چکے ہیں اور ان کو ستایا گیا ہے۔

تمرین:

(۱) ما اور لا کی خبر کا اعراب بیان فرمائیے (۲) ما ولا کے عمل کرنے کی کیا شرائط ہیں، یا یوں تعبیر کر لیجئے کہ ان کا عمل کس صورت میں باطل ہو جاتا ہے۔ ذیل کی مثالوں کے اندر بتلائیے کہ ما اور لا کا عمل کیوں باطل ہو رہا ہے، ما عنده قلمی ، ما الدنيا إلا فانية، لا المسجد واسعٌ ولا الكهرباء موجود۔

ذیل کی امثلہ کے اندر ما ولا کا عمل پایا جا رہا ہے آپ ترجمہ کیجئے۔

(۱) ما المعروف ضائعاً عند كرامِ الناس (۲) ما الله بغافل عما كانوا يعملون، (۳) ما أصدقاؤک مخلصين لک (۴) لا كتابٌ غائباً عن المكتبة، لا تلميذٌ مجتهداً فی الفصل ، لا صديق مخلصاً لی.